

غالب کے دو سو سالہ جشن ولادت کے موقع پر

ماہِ نو

قصصی اشاعت





PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081



پی ڈی ایف (PDF) کتب حاصل کرنے اور واٹس ایپ گروپ «کتاب کارنر»
میں شمولیت کے لیے مندرجہ بالا نمبرز کے واٹس ایپ پر رابطہ کیجیے۔ شکریہ

مرزا غالب کی کیرے سے لگی تصویر



عالم
مرزا اسد اللہ خان

یہ تصویر آپ کی وفات سے تین چار ماہ پہلے آنکلی گئی :



مرزا اسد اللہ خان

چند

تلامذہ

غالب



مرزا اسد اللہ خان آبادی



نواب سید احمد خان



نواب ضیاء الدین احمد خان



نواب رفیع علی خان اکبر آبادی

ماہ نو

نذر غالب

3 طاہرہ امجد

نذر غالب

مضامین نو

9 ڈاکٹر وحید قریشی

تفہیم غالب انیسویں صدی میں

7 بیٹلی کھرانا

غالب کا دور سلسلہ عجم وادست

10 ڈاکٹر سلیم اختر

غالب اور عصری معنویت

18 ڈاکٹر وحید صمیم الرحمن

بیٹلی اور علاقائی زبانوں کے قزاق

25 مراٹھی، بیٹلی

قزاق غالب

27 ڈاکٹر حضرت کا مکتوبی

مسلحہ غالب شعور کی مدافعت میں

45 ڈاکٹر عجم احمد

غالب اور فلسفہ وادست

51 ڈاکٹر نجیب بھٹی

غالب کی تنقیدیں فکر

57 عجم عباس کاظمی

غالب اور آئینہ

66 اہلسان مہادی

دشمن غدار کی دو صورتیں

ماہ نو اور غالب

80 ڈاکٹر وحید صمیم الرحمن

ماہ نو کا جزوی مطالعہ غالب

92 اوان

ماہ نو میں غالب: کیا لکھا گیا؟ ایک جائزہ

95 محمد

یادِ کیمی

96 طاہرہ امجد

انتخاب شعر

97 مسلحہ نظام رسول سر

غالب کے بعد شعر

102 مسلحہ انتہاد علی عروسی

وچان غالب اور

108 احمد نسیم کاشی

غالب کا انداز کی تخلیق کتب

نگرانِ ادبی

مسعودہ طاہرہ بیٹلی، نئی دہلی

چیف ایڈیٹر

پروین ملک

ایڈیٹر

صفیر بلوچ

مارچ 1998ء





میرزا غالب

گھوڑاں پر تری بستی سے بد روشن ہوا ہے پر مرغِ جنسیل کی دہائی کا کھپا
تھام لیا راج تو، بزمِ مخمّل پر سیکر ترا زیبِ مخمّل بھی رہا، جنھوں سے پنہاں بھی رہا
وید تیری آگھو کو انھیں شخص کا غلو ہے
ہی کے سوزِ زندگی ہر شے میں چھتو ہے

مخلی مہتی تری برہم سے ہے سہرا یہ دار
جس میں تندی کے نعروں سے نکلتا کوہِ سہارا
تیرے فردوسِ محفل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشتِ نکلت اُگتے ہیں عالمِ سبز و دار
نزدکی مغرب ہے تیری شوخیِ تحسیر میں
تسبیحِ گراہی سے جنبشِ جلا تیرے در میں

فلق کو سنا زبیں تیرے لبِ اعجاز پر
شاہدِ حضورِ صدق ہے حقِ کدِ لہر
محو حیرت ہے ثریا و فلک تیرے روانہ پر
خندہ زان ہے غنچہ ولی گلِ شیراز پر
آہ! تو آبِ حرمی جہتی ولی میں کیسے ہے
گلشنِ دل میں تیرے سرمِ انوار میں ہے

لطف گویاں ہر تیری ہمسری ممکن نہیں
 ہر تحویل کا زنجیر کہ حکمِ کامل ہم نہیں
 اپنے باب کیا بر کئی بندستان کی لہریں
 آج اے نظارہ آئینہ نگار و نکستہ ہیں
 گیسوئے اردو ابھی منت پذیرِ ثناء ہے
 شمعِ پروانی دل سوزائی گئی ہے

اسے چاہی آباد ہائے گوارہ مسلم و ہنر
 قتلے نقشے میں تھے خوابیدہ ہیں شمس و قمر
 میں سراپا اور غاموش تیرے ہر ہر
 یل تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں ہر گولہ گہر
 دہلی تجھ میں کوئی فخر و زنگار ایسا بھی ہے
 تجھ میں نہاں کوئی موتی یا لایا بھی ہے

ہے کہل تمنا کا دوسرا قدم یارب

غالب کے تخیل تک پہنچنے کے لئے آج تک جو کوششیں کی گئیں ان سب پر غالب ہی کا یہ شعر منطبق ہوتا ہے کہ ہر دور میں اہل فکر کو اس کی بے پناہ شعری قوتوں کے کسی نئے پہلو کا لوراک ہوتا رہا ہے۔ صدیاں ہونے کو آئیں فکر غالب کی جلوہ نمائی اپنے نئے مقام پر مطالب کے ساتھ ہوتی چلی چلائی ہے۔

ماہ نو کے زیرِ نظر شمارے میں جہاں مضامین نو غالب کی ملاحاتوں اور تخیلوں کی ایک سو سی صدی کے ساتھ مطابقت کا جائزہ لیتے نظر آتے ہیں وہیں ہم نے کوشش کی ہے کہ ان نثریادوں کو بھی یکجا کر لیا جائے جو ماہ نو ہی کے مختلف شماروں میں نکھرے ہوئے تھے۔ اس مشکل کام کو ڈاکٹر سید مصین الرحمن نے ہمارے لئے بے حد آسان کر دیا کہ ان کا کتب خانہ غالب سے ان کی محبت کا منہ پوتا ثبوت ہے۔ لواں ان کا بے حد مشکور ہے۔

۱۹۶۹ء میں جناب رفیع خوروں کے زیرِ ادارت ماہ نو کا انتخاب غالب شائع ہوا تھا۔ ہم نے اس انتخاب میں شامل نہ ہو سکتے والے چند مضامین کے ساتھ ساتھ ۱۹۶۹ء کے بعد شائع ہونے والے مضامین میں سے بھی انتخاب کیا ہے۔ اس کے ساتھ مکمل دیوان غالب کی شمولیت سے تنقیم غالب کے امکانات روشن ہوتے ہیں۔

اس سب کے بخیر و بے

ہم نے دشتِ اہل کو ایک صفحہ پالیا

بحرِ دینِ صالح



ڈاکٹر وحید قریشی

تقسیم غالب اکیسویں صدی میں

تقسیم غالب ہر دور کا مسئلہ رہا ہے۔ غالب کی عظمت اس میں مضمر ہے کہ وہ ہر زمانے کی فکری اور جذباتی ضرورتوں کو پورا کرتا چلا گیا ہے۔ وہ زندگی کی مرکب صورتوں کا ترجمان ہے۔ بڑھتے گہجٹ اور نرم و نازک احساسات کا بیان جدید صورتوں کا متقاضی رہا ہے۔ ہر دور نے غالب کی یہاں لپٹ صریح رجحانات ہی کے حوالے سے کی، اسی لئے غالب مشکل پسندی کے بغیر آج بھی زندہ ہے۔

اصلی غالب کے پہلے ہاتھ، شاعر ہیں۔ ان کے عہد میں اردو زبان و ادب کا رشتہ فارسی سے جڑا ہوا تھا۔ اصل نے غالب کے اردو اور فارسی کام کو یک جا کر کے دیکھا اور فارسی کے قدیم شعرا کے حوالے سے غالب کی حیثیت کی۔ اصل کا عہد مصلحتی اور اصلاحی ادب کا علم بردار بھی تھا۔ کام غالب میں نیچر کی حاشی کا اصل اسی رشتے سے ملتے آئے کام غالب میں فکری جذبہ و احساسات کی شہادت انہیں صریح مضمون ہی کے حوالے سے ہوئی تھی۔

تیسویں صدی کے لوہاں میں بکنوری نے مغربی ادب کے حوالے سے غالب کے اردو کام کو جاننے کی سعی کی اور اسے عظیم شاعر کا مروجہ زمانے ہونے اس کا ثبوت دینا کے عظیم تجربے منظر سے کر دیا۔ اسی دور سائنسی طوم کی ترقی کا بھی قند چاچا۔ غالب کے اہلکار سے کشش فطرت کے غاروں کی حاشی عموماً غنی بکنوری ہی نے شہرہ کی اور متعدد ذیلی شعرا کو اس کے سائنسی شعور کا اظہار قرار دیا:

ہند بھر میں تو ایک مل چکے تھوڑے توں وہ بھی

سو رہتا ہے یہ انداز بیکین سرخوں وہ بھی

یہی حاشی و نتیجہ ہے اس دہائی میں سائنسی طوم کا درجہ ہوا۔ اردو محقق غیر شہادت کا سبب بن گئے۔ پچھلے برس انہیں ترقی اور کراچی نے ایک کتاب جہازوں کا سائنسی شعور" شائع کی۔ جس نے غالب کے سائنسی شعور کی حاشی کرتے ہوئے اسے سائنس دانوں کی صف اول میں داخل کیا۔ ظاہر اس عمل کو تنقید کی حق طریق ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

بکنوری کے بعد غالب کے نقادوں میں ڈاکٹر لطیف نے شہرت پائی۔ بکنوری نے عظیم عقلمند سے موازنے کی طرح دانی تھی یہ صورت حال کچھ زیادہ ہی مبہم سمجھ تھی۔ ڈاکٹر لطیف دوسری انتہائی طرف نکل سمجھ انہوں نے انگریزی ادب کے بحر مطالعے کی بنا پر غالب کی عظمت کا حقین قدر داری کے حوالے سے کیا اور کام کے حدود سے بچے کو اہم تسلیم کیا۔ یہ دور مطلب سے استفادے کا بھی تھا اور مروجیت کا اور بھی لطیف نے غالب کے بارے میں کسی قدر لچکوت کی روشنی اتاری تھی۔ تیسویں صدی میں ادب مغربی طوم نے بے انداز وسعت اختیار کی یہ اثرات طرے ہی قابل ہونے تو شرمندہ اور منتقل کا احساس تھا چنانچہ یہ دور مرید میں ہونے کی جگہ عمل اور حرکت نے ہی تھی چنانچہ تیسویں صدی میں کام غالب کے وہ مجھے زیادہ اہل توجہ نصیب۔ جن کو زندگی سے بڑا تھانہ کے ہاں زندگی کے تعلقات پہلو زیادہ اہم سمجھے گئے۔ تعلیمات تغیر کا سلسلہ قلم کام غالب (حرکت جزائی) تک جا پہنچا۔ غالب فطرتی منظر کے روپ میں ابھرا ہے۔ وہ براہِ زندگی اور اس کے تجربات کے بارے میں تفصیل ملاحظاں تھیں ہر غالب کو ایک جہاں وہ دانشور کے طور پر دیکھتی ہیں۔ یہی روش بعد میں غالب اور دعوت جیسے موضوعات کی حق کا سبب بن گئی۔

تیسویں صدی کی تیسری دہائی میں کام غالب کے فکری پہلوؤں کے مطالعہ عمل اور حرکت پر بھی لہو دیا گیا اور غالب کے اس طرز کے شعرا پر نہ کے جانے لگے۔

غالب کا دو سو سالہ یوم ولادت

غالب کا دو سو سالہ یوم ولادت پہلی بار منایا جا رہا ہے۔ پہلا ایک سو سالہ یوم ولادت تو ہر بڑے شاعر کی پار میں منایا جاتا ہے، غالب کے بارے میں منایا نہ جاسکا تھا کہ پہلا ایک سو سالہ یوم پیدائش دسمبر ۱۸۹۷ء میں چڑا تھا اور یہ دن تو ایسا تھا جب ۱۹۵۷ء کو گزرنے پانچس سال ہوئے تھے اور لوگوں کے دلوں میں پادشاهیِ نسلے کی فانی یاد بقی تھی۔ یوم ۱۹۵۷ء میں ملک وکٹوریہ کی گولڈن جوبلی منائی گئی تھی اور کسی کو غالب کو نسلے کا شاخے چیلل بھی نہ آیا ہو گھاس گئے ایک سوال یہ بھی سامنے آتا ہے کہ ۱۹۵۷ء میں غالب کا حکم کیا تھا؟ اور اس کاہن کہیں نہیں منایا گیا تھا؟ غالب کے حکم کو مولانا حالی کے مرنے کی روشنی میں دیا جاسکتا ہے جس میں کہا گیا ہے:

ایک روشن دماغ تھا نہ وہ شریں اک چراغ تھا نہ وہ

دلک مئی دگر غالب شو
اسد ظہر عین غالب شو

طوری کا یہ شعر نہ صرف حکم غالب کی وضاحت کرتا ہے بلکہ اس کا دو سو سالہ ولادت غالب کی تاریخ بھی بتاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس مولانا حالی نے اپنے مرنے میں غالب کو روشن دماغ اور شعر کا چراغ کہا تھا تو ۱۸۹۳ء تک صدی کا شعری چکا تھا اور نسلے کی جو شعل و صورت دہلا ہوئی تھی اس میں مظہیر کا تصور بھی مفقود تھا اس لئے اگر خیال کیا بھی ہو گا تو اسے عملی جامہ پہننے کے لئے سرفہ اور وقت حسب حال دکھائی نہیں دیتے ہیں گے ۱۹۵۷ء میں امر ہے کہ صورت کا ہے کہ غالب کا دو سو سالہ یوم ولادت طوری آواز دیا جس کا یہ پاکستان میں آیا ہے اور پاکستان کی گولڈن جوبلی کے وقت آیا ہے۔

گزشتہ ایک سو برس کے دوران غالب پر بڑا کم ہوا ہے اور غالب کو عین ناقص دنیا سے اختلاف بھی کیا گیا ہے۔ ایک سو سالہ برسی کے سرفہ پر اس کی زندگی اور شعری کا وسیع پیمانے پر ذکر ہوا تھا اور غالب کی اردو شعری کے انگریزی تراجم بھی شائع ہوئے تھے لیکن خاص امر یہ ہے کہ اس کی سوانح حیات کا جو تکڑا ہوا ہے یہ گار غالب سے لے کر دلف رسل کی تھیف غالب کی شعری اور زندگی (۱۹۹۹ء) تک حیات غالب کے عشق گمشدہ ہیں اور غالب کی پیدائش اور ملی عکساتی کے حوالے سے اس کے عہد کی وضاحت بھی کی گئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ غالب کی شخصیت کا کوئی پہلو اب بھیوں سے فوجیں نہیں ہے۔ غالب اپنے عہد کی فکری دی کے لئے ایک بے حد انہیں لیکن فہرین کر ظاہر ہوا ہے۔ شخصیت کے ساتھ ترقی استعدادیں کر بھی دہلا ہوا ہے اور اس کے درجے اور اس کی عدا سے تاریخ اور تہذیب کے حق کو اور میں داخل ہوا بھی ممکن ہوا ہے جو دماغ ہوتے ہوئے اسلامی ہندوستان کی یادداشتوں سے قفل رکھتے ہیں۔

مجب بات یہ ظاہر ہوئی ہے کہ غالب اور اسلامی ہندوستان ایک دوسرے کا پس انداز میں گئے ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی تحریفی کا ذہن غالب کی زندگی کے ساتھ ختم ہوا ہے اور غالب نے ختم ہوتے ہوئے نسلے کی دروازہ صرف دھن میں دیان کی ہے بلکہ اس کے خطوط میں بھی ذکر کیا ہے۔ تاریخ کی آنکھوں میں ۱۹۵۷ء کا ذکر آتا ہے اور ان مسلمان پادشہوں کا بھی ذکر ہے جنہوں نے برصغیر پر طویل عرصے تک حکومت کی لیکن ذہن عوام آئے والے سالوں کو دیکھتا ہے اور اس کا پان مسلمانوں کی طرف اپنا گزرتا ہے۔ خاص برصغیر کے ساتھ دور سے دور تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہی صورت اسلامی ہندوستان کی ہے جو آڈو ہدایت میں آواز قلم ہی چکا ہے اور اگلے

سکھائی اور کلہوں میں بھی برصغیر میں مسلمانوں کی تحریکی کے لئے کام نہ کر رہا تھا۔ اس لئے یہ بھی محسوس کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی حدود میں داخلہ دینا اور شہر ایک وقت لیا گیا تھا۔ جب اس کا ذکر بھی کیا نہ رہے اور اسلامی حدود میں داخلہ دینے کے خلاف ہوتے ہوئے مسئلے میں کم ہو چکا تھا۔۔۔ ایسے سرائیس کو غالب کا تدریجی دھوکا ہے۔ غالب کی عظمت اور شہرت بڑھتی ہے جس کے آگے دوسرے دور اور زمانے کے ساتھ جہاں ہونے کی خصوصیت ہوگی ہے اور یہ کہ لفظ نہ ہو گا کہ وہ ایک بے شک و شبہ ہے اسلامی حدود میں بھی داخلہ سے محسوس ہوگا۔ غالب کے ذکر کے ساتھ اسلامی حدود میں داخلہ ہوا ہے۔ شہر گرتی ہوئی مسلمانوں کی دستوں میں رہت کم افراد کو حاصل ہوا ہے جس اعتبار سے غالب برصغیر میں مسلمانوں کے باطن اور حق کے لئے دوسرے زمانوں کے مابین ایک پتہ دار واقعہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

مہمان ہو کے جا تو مجھے چاہو جس وقت

میں کیا وقت نہیں ہوں کہ ہمارا کس نہ سکوں ؟

سورج مئی کے نکلنے سے غالب کے مسئلے میں ایک اور سواقی بھی عروج کیا ہے۔ اور انہوں نے حکومت اور انکار کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے ایک ہی مہمان جس کو ایک عام شخص زندگی گزارنے کے لئے ہے جو تعلیم دینا چاہتا ہے۔ لیکن زمانے میں شام کی کیا دہرائی تھی ہے؟ یہ بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا ایسا میرا تھا زمانے میں شامی تھیں لیکن ابھی ہے؟ یہ وہی زمانہ ہے جس کے آثار میں مجھے شہر دکھاتا ہے۔

اب کیا مشروط غالب دا

برا مل ہو یا نااہل دا

مجھے شہر کا یہ شعر اسلامی نااہل کے ساتھ لایا ہے۔ اور غالب کا یہ شعر ملے ہوئے اسلامیہ۔ جس میں اس زمانے کے احکام کا ذکر کرتا ہے۔

دارا فرق صحبت شب کی غلی غلی

اک شیخ نہ گئی تھی سو وہ بھی غلی غلی ہے؟

غالب کی عظمت اس امر میں ہے کہ وہ اپنے زمانے کی کیفیات کے آگے گئی مار نہیں ہوا اور ان نظموں نے اسے خلاف نہیں کیا جو کسی بھی شخص کے لئے میرا کیا جیت ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنے دور سے باہر تر اور زیادہ تر دہائیوں کو چاہی کہنے میں کہ غالب دہائی کے لئے کی سرحدوں سے کہیں دور گزر گئی ہے۔ تمام حیرت کی بات ہے کہ کسی نے غالب کو قرأت کا احترام نہیں کیا اور نہ ہی کی شہر کی کو دور کے ماضیوں سے ڈرا گیا ہے۔ اپنی سورج مئی میں وہ زمانے کے بے حد قریب دھوکہ اور غلطی میں اور ان اشعار میں کیا ہے جہاں وہ کہتا ہے۔

مشرط کا وہ وہ خاک

تکڑوں ہے ہر مسلمان کا

کہا گیا ہے کہ غالب کی سورج مئی ایک عجیبہ خصوصیت کی مدد دیکھتی رہتی ہے اور یہ بھی کہ اس میں شامی میں غصہ کے بارے میں واضح اشارہ صرف تو اشارہ کی غم میں دکھتا ہے۔ جو اس کے کسی دھوکہ میں شامل نہیں ہے جس کا ایک شعر کہو وہ پہلے غم کا کیا ہے۔ اور جس کا پتہ شعر ہے۔

بکھریاں ہونے سے آگے

رہا ہر جہاں

۱۲

میں محبت میں کوئی خاطر خواہ جواب نہیں ملتا کہ جس نوع کی شعری غالب کے لئے کام میں ہے اس کا اپنے عہد کے ساتھ کیا رواج رہا ہے؟ شعری کی زبان غزل کی ہے اور غزل اس تہذیب کے استثنائی موزن کی حامل ہے جس کی فرمانبرداری کے دن اپنے اختتام کو پہنچ رہے تھے۔... میں نے یہ سوال بھی راجہ کاظم سے کہ غالب اپنی غزل کے بارے میں کون سے قریب اور کس ادارات کا ذکر اور عقیدہ کر دیا تھا جب کہ فقیر پل دیا تھا؟ ایک دور فوٹ پھوٹ دیا تھا اور دوسرا دور نقل و حرکت گہری میں مصروف تھا اس سلسلے میں یہ سوال بھی ضروری ہے کہ جب ہم غالب کی عظمت کا ذکر کرتے ہیں تو کیا وہ اپنی شعری کے باعث عظیم ہے یا سوانح عمری کے حوالے سے کسی عظمت کا حق دار ہے یا عہدہ کے راتھ کا بھی گوارہ نہ کی وجہ سے عظیم ہے؟

غالب کی شعری کی ایک غلطی یہ دکھائی دیتی ہے کہ اس تک پہنچنے کے لئے ایک طویل سفر طے کرنا پڑا تھا جس سے کہ ہم افکار کو چھیں اور سلیک کے افکار کیا کہتے ہیں بلکہ وہ طرف ہنگامی ضروری ہے۔ یہ کہ غالب کہتا ہے اس میں اپنی آواز کو چھل کرنا بھی ضروری دکھائی دیتا ہے۔ غالب کے افکار اور ہماری کی طبیعت دونوں کے باہم ملنے سے غالب کا کام نکلتا کرتا ہے۔ ایک غلطی یہ بھی ہے کہ غالب زندگی کے لیے وہ قریب سے ہزار کا گردناؤ نکھڑے اور ہزار اپنے اضمحلال کے ذریعے ہی مرادوں کو دہا کرنا ہے جو انھوں کے پے سے چلتی ہیں۔

نہ کہ رنگیں کو آئینہ داری
تجے کس قند سے ہم دیکھتے ہیں؟

ہزار کے سبکی تو بڑے واضح ہیں۔ اسے آئینہ دیکھنے والے محبوب کا اپنے پر گل نہ کر۔... وغیرہ وغیرہ لیکن اگر ہم تجزیہ کو استناد بھیجیں اور اس تہذیبی عہد سے سبکی تلاش کریں تو غالب کا عہد تھا تو اس بات تک پہنچیں گے کہ کلیات ایک آئینہ ہے جس میں وہ عکس منظر ہے۔ غیر غالب سے رشتہ بدلی خلق بھی مراد ہے۔ اس لئے یہ شعر کہہ ہیں اپنا جان دیتا ہے۔

تو اپنے آپ کو محبت سے نکال دیکھ
بلکہ یہ دیکھ کہ ہم تجے کس قند سے دیکھتے ہیں؟

اسی غزل کا یہ شعر دوسرے ہے کہ اس غزل کے باطن میں کہتا ہے۔

جسے تیرا عقل قدم دیکھتے ہیں
خیالی خیالی ازم دیکھتے ہیں

اس غزل کا آخری شعر شاعر کے ہر سادہ کو ظاہر کرتا ہے

دل کو نصیبوں کا ہم بھی غالب
نکشانے دل کرم دیکھتے ہیں!

غالب کی یہ غزل ہماری کو مکالمے کی دعوت بھی دیتی ہے۔ عقل قدم کے ساتھ خیالی خیالی کی تکرار سرگوشی اور دھندلے صرست کا انداز کرتی ہے۔ دل کرم کی ترکیب میں صفت کرنی کا انداز ہے اور نصیبوں کی ترکیب سے دل طلب مراد ہیں۔... غالب کے کام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے افکار ہر ادب کو ملے طلب آجیاں کرتے ہیں جو ہماری کے ذہن میں گھمکتے ہیں غالب ہر بات ہوا کی کرتا ہے لیکن اظہارے میں حقائق کی ترسیل کرتا ہے جو ہماری کے شعور میں سمجھ دیتے ہیں۔... غالب کا کام ہماری کے مطالعے کی مدد فنی میں اپنی صفت آ نکلیں کرتا ہے۔ لیکن یہ عظمت کس نوعیت کی ہے اور کیا اس کا مطالعہ عقل ہے یا ہزار اور حقیقت کو غالب کیسے بیان کرتا ہے یہ ایسے سوال ہیں جو مطالعہ غالب کے ایک عہد کا انعقاد کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر

”غالب اور عصری معنویت“

پچھتے ہیں وہ کہ غالب کہیں ہے
کوئی غلط کہ ہم گناہیں کیا

غالب کے اس شعر کا تعلق بہتر سوال محض اس کے سامنے اور طبع کے سامنے تک محدود رکھا جائے اس لئے کہ کسی تحقیق کار کی پہلی بات یہی ہے اس کی طبیعت سے مشروط ہونے کے برعکس مستقبل سے مشروط ہوتی ہے۔ کیا وہ اپنے دلی فطرتوں کے لئے بھی انسانی جاتی جیت ہو سکتا ہے، جتنا وہ زندگی میں اپنے ماحول کے ساتھ ہم آہنگی حاصل کر کے لے گا؟
آج کے دور کے غالب بہت کم ہے۔ مگر اس کا اپنا کیا حال تھا؟ — مستقبل ہی کی زبانی
۔ نہ جہان کی فضا نہ بے کی پیدا!
مگر نہیں ہیں مومے بھلے میں مٹی نہ کسی

ہمارے شعر میں اب صرف دل ہی ہے درد
کلا کہ قائم عروجی ہمارے جاگ نہیں

”اگرچہ ایک نہ ہوں مگر مجھے اپنے اعلان کی قسم میں نے اپنی نظم تحریر کرنا پڑا اور جیت
پائی نہیں۔ تب ہی کہ آپ ہی سمجھا کہ وہی، آواز کی دہلیز و کرم کے وہاں میرے خالق
ہے مجھ میں بھروسہ ہے۔ یہ قدر بڑا ایک قصور میں نہ آئے۔“
”جیت کر گئی ہے تمہاری وہی، ابھی گرد جالے گی۔ ابھی گرد جالے گی“ میں تو یہ
کچھوں کو مٹی کے قصائد کی شہرت سے مٹی کے کیا ہاتھ لایا وہ میرے قصائد کے اشتہار
سے مجھ کو طبع ہو گیا۔ صدی لے پوچھیں سے کیا بھل چلا۔۔۔ لفظ کے ساتھ کہ ہے موصوم
ہے موصوم ہے نہ ختمی ہے نہ ختمی وہ ہے نہ قصیدہ ہے نہ قصیدہ ہے یا مسجد کا لفظ“

یہ وہ غالب کہ ماہر جس کے بارے میں اردو تنقید میں — سابق کی سبقتیں مثال سے قطع نظر — سب سے زیادہ گستا
خیاں کیا تاکہ اب ”معاذات“ نے مصروف اصطلاح کی صورت اختیار کر لی ہے۔ مورد شعری کا معنیث لغوی معنی ہے مگر عظیم لفظی
تخصیص کی نکتہ دہی مشہور ہو تو فی صدی بی شعر حاصل ہو آج کل میر تقی میر کا قبل — اپنی صدی کے ساتھ، ہم قرار پاتے ہیں۔
اس ضمن میں یہ سوال قیادی طبیعت کا جال ہے کہ کہ خصوصیات کی وجہ سے طبیعت اپنے صحر کی حدود خدا سے ملتا رہ کر بدلنے
شعری ذہن، خطی تنقید کی جڑوں اور تخلیقیاتی فکر میں تبدیلیوں کے بعد وہ بھی ہر حد کے لئے ماضی اور شہل طبیعت ہوئی ہے؟ کیا یہ ذہنی
اوصاف کے باعث ہوا ہے؟ کیا یہ شعور نے سے مشروط ہوا ہے؟ کیا شعور نے نظم اس کا خاص قضا ہے؟ کیا اسلوب کی تخلیقات سے یہ
فکر ہے؟ ماضی اور اب کو اب کا ہم ترین اور انسانی جیت کا یہ سوال اپنے دامن میں محدود سوال لئے ہے۔ اپنے سوالات وہ فہم ہونے کے
بعد وہ بھی انفرادی طبیعت میں ”مخل“ بھی جیت ہوتے ہیں۔

سے منظر کرنے کی صلاحیت کا پلٹا پٹا دوم ہے۔ کہ جس میں تو بلیغی کہانیاں ہیں ؟
منظر میں جتنی زیادہ ہمیت اور کھڑی ہو گی اسی نسبت سے مستقبل قریب اور ہر مستقبل بعد میں بھی

دیکھنا قریب کی لذت کو ہر اس نے کہا
میں نے یہ چاہا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

مگر چم کے بارے میں ایسا نہیں کہا جاسکتا !

سوال یہ ہے کہ منظر میں گویا بھی میرے دل میں ہے "کوالی" خصوصیت کیسے پیدا ہوئی ہے اور اسے منظر کی ہمیت اور کھڑی سے
تصویر کیا جاتا ہے وہ کس عناصر کی عین صحت ہے؟ اس ضمن میں اسباب لذت افزہ و واقعت اور زندگی کے بارے میں اس دور کا حاصل
ہے وہ اسلوب کی مبالغہ کے ذریعہ سے اظہار یا کہ ان کو متاثر کرنا اور اصحاب پر اثر ہونا ہے۔ اس دور کی تحلیل میں
اصل حلقہ "صوف" نظریہ "حیات" متحد عناصر انفرادی یا اجتماعی صورت میں فعلی کردار ادا کر سکتے ہیں جی نہیں بلکہ یہ مختلف شعراء
کے خصوصیتوں تک غن کی حیثیت کا باعث بھی بن سکتے ہیں جیسے صوف (دور) اصل (نصاب) حلقہ (فعل) نظریہ حیات (نظریہ) کہ اس انداز کی
شاعری ذہن اور دل کے لئے ہوتی ہے جب کہ دل اور ہر شاعری میں اگرچہ اصل حلقہ اور صوف بھی بن سکتا ہے لیکن اس
کے ہیں ایسے شعراء کی تعداد کم نہیں زیادہ ہے جو اصحاب پر اثر انداز ہوتے ہیں اور یہ واضح کرنے کی ضرورت تو نہ ہوتی چاہے کہ
حیثیت خصوصیات اور حیثیات اصحابی اور کھڑی سے مشروط ہوتے ہیں۔ دوسری قسم شعراء سے الگ نظریہ گہرا کہی ہے جس کی شاعری "تک
دل شوق" کے دور پر مبنی ہے۔ اس دور میں اصحاب کی شاعری کرتے ہیں جب کہ کھڑی شاعری شعراء کی انکسار اصحاب سے زیادہ کر
لندوں کی شاعری کرتے ہیں۔ اس دور میں "منظر" انداز اور اصحاب اپنا سکہ ہے اور اس سب سے مشروط شاعری کھڑی خصوصیت کی
ذاتی۔۔۔ جتنی عظیم ہوئی اور یہ ذاتی حقیقی خصوصیت ہو گی ذاتی یا اجتماعی اور رنگ شاعر کا اپنے دور کے اسے دل سے منظر سے منظر ہو
گئی وہ معیار ہے جس پر اگر نصاب کو پر لیں تو وہ ہر لفظ میں نصاب ہی نظر آتا ہے نصاب کے اس دعویٰ کو لفظ نے درست ثابت کر
دیا

شعر خود خدائے حق کو کہ کہو فی
شربت شعور گنجی ہر من غلابہ شوق

حق کی "راہِ نصاب" (دور انصاف و عدل) سے لے کر اس منظر تک نصاب شاعری کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ کسی شاعر کا
سہرس تک بخیر اور بدشعوروں سے فراق لفظ و فعل کا پختہ طور علم اور عقل اور ہر شاعر کا شاعر ہی کوئی ایسا نام اور پھر لفظ ہو
جس نے نصاب کے علم کو نہ مریا ہو حق کو "نصاب بھی" کی صورت میں لکھتے ہیں خدا (انداز) نصاب کی عظمت کا اعتراف کرتا
نظر آتا ہے۔ اس اعتراف عظمت میں دنیا کے حدود مملکت شامل ہو چکے ہیں۔ اس ضمن میں اسلامی صورت عین کا بطور خاص نام لیا
جاسکتا ہے۔ جس نصاب کی شاعری اور شعراء کا بطور خاص یہ ہے۔

ہاں جہاں شعراء اپنے منظر "صحت" میں ہیں نصاب کی عظمت "میں" دہم غلام ہیں

"کسی جانتے ہیں کہ وہ خود اپنے اند کا کام کو زیادہ لذت نہیں دیتے تھے اور یہ سمجھتے
تھے کہ حق کا ہر کام کسی زیادہ بلکہ ہے لیکن وہم کا ناپاک ہر دور ہے حق کی سزا اور

جسے غالب مروج علوم میں غلامانہ تھا اس امر کے باوجود کہ عبدالرحمن غوری کا ہی کلام غالب اہل کرتے وقت ایک سال میں درجن
بہر عملی غلاموں کے استاد بنوا دیتے ہیں وہ اس کے ہلے چلنے اور عقلی غلاموں پر عملی شعور نسبت فیض پاتا تھا ہے۔ غلام میں بھی اور
غلام میں بھی یہ شعور نسبت داخل آسوز بھی ہے اور عملی دانش کا حامل بھی اور من غالب سے اس ضمن میں متعدد جملے پیش کی جا سکتی
ہیں۔

بکر دشاو ہے ہر کام کا آملی ہوتا
توی کو بھی پھر نہیں آملی ہوتا
تغریب میں ہجر دکھائی نہ دے اور ہجر میں کل
کھیل بچوں کا ہوا دھوا دھوا نہ ہوا
کام وہ نمود کی لعلی خمی
بذکی میں مرصع نہ ہوا
بکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے کھچے پہ پانچ
توی کوئی کارا دم توڑ بھی تھا
مگر اک ہندی پرورد بھی ہا بکھتے
موت سے پہلے ہوا کاش کہ نکال لیا
دلت دن گردش میں ہیں ملت آملی
ہو رہے گا کہ نہ کہ گھبراہٹ کا
تپ لے لے ہی ہے کی غالب
دھڑ دھڑ ہے اور جان مروج

یہ صرف چند اشعار ہیں ورنہ اس نثر کے مزہ اشعار بھی مل سکتے ہیں۔ ان اشعار میں کوئی ایسا لفظ نہیں ملتا جس کے سلسلے میں
کلمت "تپ" اور "بکڑی" کے الفاظ سے اصطلاح کی ضرورت محسوس ہو۔ لیکن سید سمیعہ میں بھی غالب بہت کہہ کر آیا ہے ایسا ہی ایک
اور دلچسپ شعر درج ہے جس میں "کیتی عورت" سے بچھ رہنے کی تلقین ملتی ہے !

وہاں شیریں جا چیتے لگیں اے دل
نہ کھڑے ہو جتے وہاں دل بکڑ کے پاس

غالب کے لفظ "لم" کا بہت بڑا ہے اور اس پر لکھے وقت تقریبی کم از کم چار پندرہ ہزار شعرا کرتے ہیں۔ حقیقت "لم" کے بارے
میں غالب کے تمام اشعار "عملی دانش" کی حیثیت میں قرار دینے جا سکتے ہیں۔ ان اشعار کی تحقیق کسی مضامینہ نظریہ یا فکری شعور کی موجودگی
مست نہیں صرف ایک کلمہ تھا ہے کہ "لم" بکڑ ہے لہذا اسے بخوشی قبول کرنے ہی میں غالب نے یقین ہی لیا ہے۔ اور جان

تم اگرچہ جھٹکھل ہے یہ کھل چھک کر دل ہے
تم خلق گزند ہو، تم روزگار ہو
رنگ سے تو گر ہو سکتی تو مست جانا ہے رنگ
چھٹکیں تھو، پائی اتنی کہ تھلی ہو چھٹکی

غالب کے عقائد میں بھی بعض اوقات کمالی نکات ملتے ہیں جیسے اس خط سے یہ سہ لفظی سطرین:
ابتداءً حبيب میں ایک مرض کمال نے ہم کو یہ نصیحت کی کہ ہم کو نہند دیراں حضور میں ہم رنج خلق و کار نہیں آئے کہہ کرے
الزلاخیر یہ یاد رہے کہ مصری کی کہی "خدا" کہی نہ جاسو میراں نصیحت پر عمل نہا ہے کسی کے مرنے کا وہ تم کہتے ہو تب نہ
مرے تیسری ایک انتھلی کھل کی مرنے لفظی آزمائی کا شعر جواز مٹ نہ کہو۔
اس انکس کے بعد یہ شعر پڑھیں تو بہت کھل سے کھل تک جا پہنچتی ہے۔

قید حیات دہم تم اصل میں دہوں ایک ہیں
موت سے پہلے کوئی تم سے لہات پائے کیوں

یہ "اصلی دہم" اور اس پر مبنی دہلیں تہذیبی ہے جس کی وجہ سے غالب ہر محم میں جھلجھلک رہا ہے مگر ایک اور وجہ بھی ہے اور وہ
وجہ ہے ——— طبعی !

غالب فری کا شعر تھا اور "تنگنائی فری" کا شکی بھی۔ مگر اس کے علاوہ غالب کے ہاں بعض طبعی قصورات کے بارے میں تبلیغ
اثبات بھی مل جاتے ہیں۔ ہزار بار یہ شعر پڑھو، مشکل دہلیں غالب مضائقہ تو کے آئے رنگں کا حال ہے کہ دہلیں کا مطالعہ گویا داستان
کھل گیا۔ "عالم چن کر آ" ہے غالب کے کام کی ہر رنگی کا یہ عالم ہے کہ بعض جہہ علوم کے حوالے سے اور ان سے حلقہ لے مہارت
کی داستان میں اشعار کا تجزیاتی مطالعہ کرنے پر فکر و نظر کے نئے امکانات ابھرتے نظر آتے ہیں۔ یہی نئے امکانات سے لے کر نفسیات
تک حدود فلسفہ اور علوم کی داستان میں اب کام غالب میں افکار و قصورات کے زائید مطالعے کی ضرورت ہے اور یہ جہی بہت
ہے۔ واضح رہے کہ غالب حاضر انکس کی ہر ہر ہر ہر کام جانتے اور مہذب فکر کا حال کا سطرین قصیدہ ۱۱ دور کی ہر ہر طبعی صوفی قناد فرانیہ کی
ہر ہر قبیلہ نفس کا اور دور نہ ہی طبعی اور طبعی کی ہر ہر ترقی پند۔ مگر ان سب کے لئے دہلیں غالب میں سے اشعار و سہج
ہیں۔ غالب نے طبع کے اس شعر

حاج لوح و قلم ہمیں مٹی تو کیا تم ہے
کہ خون طہ میں ڈال دیں اٹھیں میں نے

سے کہیں پہلے یہ شعر کا تھا۔

کچھ دہے جن کی شکایت غریبوں
ہر چہ ہوا اس پر ہوتے ہمارے قلم ہوتے

درد دہے ہوتے بھی ایسا شعر کہہ گیا۔

نہ تھا کہ تو خدا تھا کہ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
نہ تھا کہ تو کہنے نے نہ ہوتا ہی تو کیا ہوتا

اصلی ہے جس (APATHY) کی لسانی اصطلاح سے پہلے غالب کا یہ شعر ہے
 ہوا جب تم سے میں ہے جس تو تم کیا سر کے گئے کا
 نہ ہوا گر جا جن سے تو زلف پہ دھرا ہوا
 جب کہ لڑائی کی تھیلی جس سے کہیں پہلے یہ شعر کا

جگہ ہائے گفتگو یہ اور ہے مجھے
 سنا شہنشاہ گل افش نگر آ ہے مجھے

جہازات کے سلسلے میں وہ ہیں گویا ہوا ہے

سب کس کچھ حال دگر میں نہیں ہو گئیں
 خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنل ہو گئیں

غالب کو پہلے سے پہلے یہ کہ چکا تھا

آتے ہیں فیہ سے یہ مضامین نہیں ہیں
 غالب صبر خلد تو اسے سواش ہے

افترض ناہمہ لطیفیات انوار کائنات مصری شعور و کشف ذات لطیف حوالے۔ زندگی کا شاید ہی کوئی ایسا پہلو تھا جو جس نے غالب کی نگاہ
 نہ گئی ہو اور اس نے اس کے بارے میں اظہار نہیں نہ کیا ہو۔ مضمون نہ کسی مختصر سی بات کی یہاں اختصار نہ ہیچیت کے طور سے حوالہ

—

اور آخر میں غالب کی مصری معنویت کے حوالہ سے ایک حوالہ۔ کیا آج غالب کی ضرورت ہے؟
 جی ہاں آج ہمیں نہ صرف غالب کی ضرورت ہے بلکہ اس کا چاہ اور۔ بھی زبان ضرورت ہے کہ اس جیسے وسیع الشرب موجد اثرات
 رسوم والے مہینے عربیت زندگی اور موت کی دلی کامرانی ملنے والے شاعر غم دکھ اور پریشانی کی جتنی کم کرتے والے صاحب
 غم صاحب نظر اور صاحب دل۔ دانشور شاعر کی ضرورت ہے کہ صبر حاضر میں کیا غلاب ہیں۔

حواشی

۱۔ مقالات شعور "غالب شاعری نو نگاہ نیاز" مرتب

ڈاکٹر سلیم اختر، لاہور۔ ۱۹۹۹ء

۲۔ مضمون "شعور" کراچی۔ ستمبر ۱۹۹۷ء

۳۔ مقالات سرمد مرتب مولانا اسماعیل پٹیل پٹی۔ لاہور ۱۹۹۵ء

جالبی اور پاک و ہند کی علاقائی زبانوں میں غالب

"ترجمہ غالب" کو تالیفات کے ایک مستقل موضوع کے طور پر دست سے بنی اہمیت حاصل رہی ہے۔ غالب کی ادبی فلم و نثر کے اردو میں ترجمہ ہونے میں حدود علاقائی اور بین الاقوامی زبانوں میں بھی غالب کے ترجمہ ملتے ہیں۔ پاک و ہند میں انگریزی ترجمہ غالب کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ پاک و ہند سے باہر حدود مشرقی اور مغربی زبانوں میں بھی غالب کا مطالعہ ہوا ہے۔ اس نوع کی کسی قدر تفصیل یہی کتابیں "مستشرقہ غالب" (۱۹۳۳ء) اور "غالب بنگالی" (۱۹۳۸ء) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۱۹۵۰ء سے مطالعہ غالب کی دوسری صدی کا آغاز ہوا۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۳ء تک کے پندرہ برسوں کے ترجمہ غالب کا پانچ سویری کتاب غالبہ "ملت و جستجو" (۱۹۵۳ء) میں آیا ہے۔ کنج کی نشست میں دیکھتے پندرہ برسوں (۱۹۵۳ء) تک کے جالبی زبان میں ہونے والے ترجمہ غالب کے علاوہ پاک و ہند کی علاقائی اور مقامی زبانوں میں کئی صورت میں چھپنے والے غالب کے ان ترجمہ کا ذکر خصوصاً ہے جن کا اس حد زبانی (۱۹۵۳ء-۱۹۵۷ء) میں پچھلے زمرہ تالیفات میں اضافہ ہوا۔

جالبی میں غالب کا ترجمہ اور مطالعہ

اردو میں غالب (جالبی)	پروفیسر بی بی کنو کا	ترجمہ پرنس ۱۹۵۷ء
اردو میں غالب (انگریزی ترجمہ سے)	پروفیسر بی بی کنو کا	ترجمہ اگست ۱۹۵۷ء
سرسر پانچ زبان غالب (جالبی)	پروفیسر بی بی کنو کا	ترجمہ ۱۹۵۷ء

مقامی علاقائی زبانوں میں غالب کا ترجمہ

اردو میں غالب (انگریزی سے)	۲۲۸	نور نی عباسی	دہلی ۱۹۵۳ء
اردو میں غالب (جالبی سے)	۵۸	امیر علیہ	دہلی ۱۹۵۷ء
اردو میں غالب (انگریزی سے)	۱۲	ڈاکٹر نور الحسن دہلی	کشمیر ۱۹۵۷ء
اردو میں غالب (انگریزی سے)	۱۰	ڈاکٹر نور الحسن دہلی	دہلی ۱۹۵۳ء
اردو میں غالب (انگریزی سے)	۸۳	"	دہلی ۱۹۵۳ء
اردو میں غالب (انگریزی سے)	۱۶	قلم نی ناصر	دہلی ۱۹۵۵ء
اردو میں غالب اور مقامی ترجمہ سے	۱۲	"	دہلی ۱۹۵۴ء
اردو میں غالب (انگریزی سے)	۱۵	ڈاکٹر مراد علی	دہلی ۱۹۵۵ء

براہم اثر کی ایک جہی اہمیت جالبی میں — پاک و ہند سے ہونے والی اور کئی جہانوں جالبی میں غالب کے اردو میں کے ترجمہ کا دلچسپانہ آغاز دیکھ کر اور اپنی قصصی فلم اور نثر کا پروفیسر بی بی کنو کا کے ہاتھوں اہتمام ملا۔

پروفیسر بی بی کنو کا کو کتب خانہ ملی تک قلم انگریزی میں دس دس جلدوں میں

وہ ترجمہ دس دس جلدوں میں تک لکھا اور اسے شکر رچنے کے بعد پرنس ۱۹۵۷ء

سے وہ ایسی ہی اہمیت پروفیسر کی حیثیت سے دہلی قلم خانہ ملی لکھنے کے لیے الاقوامی تعلقات

پروفیسر بیوی کو کاتے چیلنی میں دھب کے ہرے لہو دوایوں کا قرعہ کیا جس کی تکیہ مناسبت سے پہلے انہوں نے دوایوں دھب کا جھوٹا حوالہ سے تخلیقی مطالعہ ہی کیلئے چیلنی زبان میں ان کے نچو مطالعات / محلات کا ایک مجموعہ "تخلیقات دوایوں

غالب "اوسرہا میں (غالب) کے عنوان سے کتابی صورت پانچا — میرے اخیرا غلیظیات کا یہ فنی المرحوم درج ذیل جو مکتوبات پر مشتمل ہے۔

۱۔ غالب کی ہمہ گیریت

۲۔ غالب اور غالب کی قول گوئی

۳۔ غالب میں محبت اور رنگ

۴۔ غالب میں قرابت اور طو

۵۔ غالب اور حسن

۶۔ غالب کا سلیقہ و سلیقہ

۷۔ غالب اور تصویر آفرینی

۸۔ غالب کا حسن

۹۔ غالب میں قس اور فدا

۱۰۔ غالب کی اور پائنتی نظریوں کے عقد فکر سے

۱۱۔ غالب اور نئی نیا ادب

۱۲۔ غالب میں کے عقد فکر سے

۱۳۔ غالب ذیلی ذیلیات

یہ کتاب ۱۳۳ صفحات پر مبنی ہے۔ ان مضامین کی مجموعہ کتابی اشاعت (۱۹۹۷ء) سے پہلے یہ سب مضامین ایک ایک جگہ بھی نہ ملے تھے۔ یہ مضامین غالب سے متعلق اس مجموعہ مضامین کے بعد اپریل ۱۹۹۷ء میں پروفیسر بی بی کنگرا کا کیا ہوا غالب کے اور ان کا بیانیہ زیرہ بھی چھپا (صفحہ ۳۵۵) اس زبان کی ایک جلد مجھے بھیجے ہوئے پروفیسر بی بی کنگرا کے قلم فیروز کا۔

"غالب سے آپ کی نسبت دلچسپی کے پیش نظر غالب سے متعلق اپنی فکر... کاوش

آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں، اگر آپ کے "مختصر غلیظیات" میں اسے شامل ہونے

کا ارادہ حاصل ہو سکے... "غالب کا میرا کیا ہوا بیانیہ زیرہ" "غالب کے عقیدے

بہتوں پر مشتمل میرے سابق مضامین کے ضمیمے کا ایک ایسا قدم ہے۔" (میرے) عقیدے

مکتوبات مجموعے کی صورت میں پہلے چھپ چکے ہیں۔ مجھے خوشی ہو گی اگر اور شعری

کے ذیل میں انہیں اور بعض پر میرے کہے ہوئے سابق کاموں کے بعد غالب پر بھی اس

کاوش کو اور زبان ادب کی میری ایک حقیر سی خدمت سمجھا جائے۔"

(بیم: ڈاکٹر میر محمد علی خان، ۱۹۹۷ء)

پروفیسر بی بی کنگرا کا کہ اس بیانیہ ترسے کو میں اپنے اخیر غلیظیات کے حصہ تمام کا مجموعہ اور قرار قبول کر آہوں۔ اور ان زبان ادب کا ہر دم لیا اور غالب دست گوئی اس غیر معمولی خدمت اور کاوش کا بیٹہ اس حدی کے ساتھ اعتراف کہہ کہ

پروفیسر بی بی کنگرا کے "غالب کا میرا کیا ہوا بیانیہ زیرہ" کے بیانیہ ترسے میں ہر آئینہ میں کیا اس سے بھی بہتر کر ایک حیران انگیز قدم کے طور پر انہوں نے "غالب کا ایک ایسا بیانیہ ترسے میں چار کیا ہے کہ "تاریخی ترتیب" سے صورت پذیر ہوا ہے۔ یہ ایک غیر معمولی

جی رشت اور دردِ بھلِ قصیں کا رہا ہے۔

"دعوائِ غالب" (انگریزی ترجمہ سے) کا پہلا ایڈیشن (مجموعہ ۳۸۳ء مطبوعہ ۱۹۸۷ء) میں شائع ہوا۔ اسے ارسال کرتے ہوئے بیرونی نے لکھا کہ:

"غالب کے مضمون میں نے اور ایک کتاب... آپ کے نام بھی ہے خود وصول کر لیتے۔

...دعوائِ غالب (انگریزی ترجمہ سے) کا میرا کیا ہوا پہلا ترجمہ ہے۔

(غلام ناگڑ سید محسن اور علی احمد) (حیرت ۱۹۸۷ء)

غالب اور دعوائِ غالب سے ہدفِ بیرونی کٹھ کاکی غیر معمولی دل چسپی غالب کے فن میں ایک بڑا اہم اور غالب کے بلاغی فنوں اور طرفِ دادوں کے لیے ایک مستقل سرچشمہ سمجھا جاتا ہے۔ غالب کے بارے میں فن کے حقیقی و تنقیدی مضمون اور دعوائِ غالب کے فن کے پہلی قراں کی دوا احمد خاں جلیلی اہل زبان ہی دے سکتے ہیں۔ زبانِ پارسی کی آئینہ نگاری فیض احمد فیض اور ان کی توجہ فن کی عقلِ قدی اور فن کے دفاہِ عشق پر بے اختیار دل سے دعا تعلق ہے:

تم طاعتِ دہ ہزار رہی!

اور رہی کے ہوں دہ ہزار

ہجرت اور پاکستان کی حدودِ علاقائی اور عقلی زبانوں میں غالب توجہ کا مرکز اور موردِ بحث ہے۔ لہذا لہذا ایک سید کے مضمون شہیدِ کاملی اعتبار بھی نہ ہوں۔ لیکن قراں کا ہر ایک مفید افرا صورتِ حال خود ہے۔ اس سے کسی نہ کسی درجے میں غالب سے تعلق کا دامن بڑھتا اور پھیلتا ہے۔ پچھلے چند برسوں میں پاک بھارت کی امن علاقائی اور علاقائی زبانوں میں غالب کے قراں بھی نظر سے گزرے ہیں جن میں بھٹی، انجمی، اندری (دوسری) اور دوسری اور عربی زبانوں کے قراں تعلق لگاتار ہیں۔ ایک سے لے کر صدیوں میں یہ قراں ان زبانوں کے اپنے رسم لہجہ میں پیچھے۔ یہ قراں بیشتر قراں کم تر نظم میں بھی کیے گئے۔

قراں کا یہ سب کام اپنے اپنے محمولے میں عقلِ قصیں ہے لیکن اسیرِ بلا اور ناگزیرِ دامنِ بانی کے قراں بہت ہی قراں اور عقلِ قراں ہیں۔

"مرا دوسری میں لہذا غالب" کے نام سے غالب کے ایک ۳۰ (۳۰) اشعار کا دوسری ہجرت میں معجمِ ترجمہ ہدفِ ناگزیر اور اس میں غالب کا کارہ ہے۔ اسے لہذا "مرا دوسری میں لہذا" اور دوسری رسم لہجہ میں ایک ایک چھاپا ۱۹۸۷ء میں کتابی صورت میں شائع کرنے کے بعد ہر شعر کے مطلب کے فلسفے کے ساتھ گفتگو سے شائع ہوا۔

ایک ۳۰ اشعار میں سے ۸۹ قراں اشعار ہیں جو بیشتر اولِ دعوائِ غالب سے منتخب کیے گئے ہیں جو فنِ شعرِ قراں میں بھی لے لیے گئے ہیں۔ ملتِ اشعار کی ایک فنل پوری اور ملتِ عشقِ اشعار غالب کے قراں دعوائِ غالب سے ہیں۔ بانیِ صاحب کا کہنا ہے کہ فنل کے ترانے میں فنل ہی کی ریت کو جی کر لکھ کر دیکھا کہ یہ عشقِ بھارتی دہائی کی طرح ہر شعر کو مطلع نہیں دکھاتا۔ (دہائی)

ناگزیروں پہلی نے بہت گنج گما ہے کہ "مرا دوسری میں لہذا غالب" بانیِ شاعر کا بانیِ شاعر ہے۔ ترجمہ ہیں بھی ایک مشکل کام ہے۔ چہ جائیکہ شعر کا شعر میں ترجمہ۔ بانیِ صاحب نے بانیِ عشقِ شعری ترجمہ کیا ہے کہ اس میں ترانے کی خاموشی اور بانیِ فیضان یک جا ہو گئی ہیں۔ دوسری زبان کے اس ترانے میں حقیقی شاعر جھنگتی ہے (دہائی) لہذا لہذا اور پاک بھارتی ہیں۔ شعر کے قراں مسلم نے اس کتاب کو مزید حیرت اور اطمینان دیا ہے۔ (کتاب لہذا لہذا) (دوسری ۱۹۸۷ء میں ۷۰۰)

غالب کے ۳۰ منتخب اشعار کا دوسری ترجمہ ۱۹۸۷ء میں لہذا ۳۰ رسم لہجہ میں چھاپا۔ ۱۹۸۷ء میں یہ کتاب "غالب لہذا" کا دوسری نام ہے۔

کے نام سے دہلی سے ہندی زبان نگاری) رسم الخط میں شائع ہوئی۔ پروفیسر نور الحسن باغی صاحب کاغذ کے منتخب اشعار کا یہ مجموعہ نور می ترہم پاک و ہند کی شاہکار نظمیں کے حوالے سے تعلیمات میں ترقی ہوا کے ایک ٹوشیو اور غرگٹور ہوسٹے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد دہلی کے پروفیسر باغی صاحب کا یہ ہم چھپکا۔ نہ صرف اردو زبان و ادب کے لحاظ سے بلکہ غالب شاعری اور غالب دہلی کے لحاظ سے اس کی پستانوں میں ایک اہل قدماء اضافہ ہے انہوں نے غالب کے جن نظموں کو نور می ترہم شائع کیا ہے اس کی ساری کتاب کی صفحوں کے ساتھ بطور ترہم دہلی دہلی ۱۹۹۱ء (۱۳۹۱ھ) میں ۳۹۹

غالب کے جنرل اردو ادبی اور ادبی کا مجموعہ پنجابی ترہم میر علی کی برسوں کی محنت کا پھل اور حاصل ہے۔ انہوں نے دائیں طرف کے سنے اصل اردو حتیٰ کہ اس کے متعلق باغی صاحب کے سنے پر مدد دے اشعار غالب کا مجموعہ پنجابی ترہم ادبی کیا ہے اس دور اور اہتمام کے باعث اصل شعر اور اس کے ترشے کو ایک نظر دیکھنے سے اشعار کے معنوں اور اس کے ترشے کے معنی (تفصیلی) کو پانے میں بڑی مدد ملتی اور آسانی رہتی ہے۔

ترہم کرتے ہوئے میر علی نے بعض قصائد کو ترک کر دیا ہے۔ محمد مہاراجہ کا ہاتھ بھڑا رہی نہیں مہاراجہ سب جتنی ہیں اس طرح غالب کے راج اور ادبی کا تقریباً ۱۰ فیصد حصہ اس مجموعہ پنجابی ترشے کی "ترہم گرفت" میں آگیا ہے اور اس دور میں دہلی کے ساتھ کہ ہندو شاہ میر علی نے آری سہولت (دہشت) میں آئے حقوق اشعار کا مجموعہ پنجابی ترہم بھی پیش کیا ہے جن آٹھ اردو اشعار میں سے پہلے دو شعر (۱۰۰) ملتی ہیں یہ غالب کے فیس سائیس کتاب کی اگلی اشاعت میں حذف کر دیا ہو گا۔

"دہلی غالب" (۱۰۰) کا یہ مجموعہ ترہم ملتی جلتی کوپ تصور نے شائع کیا ہے۔ "ترشے کا ایڈ" کے عنوان سے کتاب کے باہر ابو عیسیٰ کاغذی نے ترشے کے حصہ اور حرم کے کل فن کا بجا طور پر بڑی کٹھن دل سے اشعار اور اشعار کیا ہے۔ میں سر اس کاغذی صاحب سے متعلق ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھے (اپنے دوستوں میں) غالب کو پڑھنے پڑھانے ایک ترقی مادی سے زیادہ کا لگا ہوا ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ غالب کے اردو اشعار کا حصہ بعض صورتوں میں مجھ پر میر علی کے پنجابی ترشے کو پڑ کر نکلا۔ میر علی نے غالب کے کام کی کم کو پایا ہے اور وہ اس کی معصیت قسمت اور فقر فراغت کو بدلے کمالی اسلوب میں میر علی کے میں نگاریاں ہوتے ہیں۔ اس سے فوری ترقی کا کارہ یہ ہے کہ وہ غالب کے تدریج اور لسانی اسلوب سے غافل نہیں ہوتے ہیں۔ ان کا ذہن ایک اور آشنائی کے طور پر اپنا متعلق اور پنجابی دبا ہے جس کے باعث وہ پنجابی بولے اور سمجھنے والے ایک ہے۔ وہ پہلے ہونے تدریج ملنے میں غالب کو محبوب اور شہیلی بدلے اور غالب کو ان کے دلوں میں اگلے اور بدلنے میں نگاریاں نگاریاں دہلی کے۔

غالب کے اردو کام کے اس سے بھی بہتر مجموعہ پنجابی ترشے کو میں جانے اور انہیں خیال نہیں کرتا لیکن اس سے بہتر کوئی ترہم کم کم سہولت میر علی خیال میں نہیں آتا! اگلا زیادہ سچے بیسے اور اپنے کام سے ہم رکھنے والے اہل علم و کمال کی قدر دہلی کا لگا نہیں لگے۔ دہلی میں اہل علم و کمال کی کم و بیش کو ہم دہلی میں نقل دیتے تھے۔ غالب کو یہ صورت دہلی کو کوئی انہیں اس کے کام ہی کے دہلی دہلی دہلی اور انہیں دہلی سے لواتا۔

میں پہلی سوانح نامہ رحیل مر کے حوالے سے ناصر علی سرمدی کے دہلی کی طرف توجہ دلاؤ۔ انہوں نے ناصر علی سرمدی کوئی بڑا شعر نہ قدر سوانح لکھنے نے شعر انہیں میں ناصر علی کو اہل ہند کی قدسی شہری کا لائق پکارنے دہلی میں شہر کیا ہے۔ سہولت سے دہلی ان کے پاس بچا ہوا ہے۔ پچا تدریس شعر کی ایک نئی دہلی ان کے دربار میں چڑھی۔ سوانح آزاد نگاری فرماتے ہیں کہ دہلی ان کے ایک باغی اور بڑی رقم ملے میں دی۔ میر علی نے لڑ ہے خبر نگاری سفید ہے "فر" میں لکھتے ہیں کہ دہلی ان کے دہلی ان کے دہلی ان کے ایک باغی اور میں بڑا مدد دے اور کما کر اپنی اشعار کامل دہلی کی گھر میں صحت نہیں اس لیے نہ ملنے جائیں۔ اسے غالب کی

پیداہنگی سے صرف ایک سو سال پیش کا واقعہ ہے۔ (انقرض غالب گذر ۱۹۹۵ء ص ۲۹۰)

کہاں ہے کہ امیر علیہ نے غالب کے اردو کلام کا اناطیل پانچے اور پانچے اور ترجمہ کیا ہے کہ اس پر انھیں سرکارِ دہراد سے کوئی اعزاز انعام ملے نہ ملے تو قابلیت میں ایک مستقل مقام اختیار پاگئے ہیں اور یہ وہ اعزاز ہے جسے ذوالِ ضمیمہ اور اب آخر میں غالب پر ایک انگریزی کتب کے تحریری رشتے کا ذکر فرماتا ہے۔

غالب کے بارے میں پروفیسر محمد حبیب کی ایک مختصر لیکن مفید اور موثر انگریزی کتب کا تحریری ذیل میں ترجمہ ہوا ہے۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر مرغوب ہاشمی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہ ترجمہ ساینٹ اٹھری دہلی سے ۱۹۸۵ء میں پہلا مطبوعات (۱۹۸۵ء) کتب کے آخری مطبوعات (۱۹۸۵ء) اشعار غالب کے تراجم پر مبنی دیکھائی دیتے ہیں۔

پندرہویں صدیء اسلامی کی دہائی پانچویں پروفیسر محمد حبیب (۱۹۸۵ء) اپنے معاصر اور صحابہ دانشوروں میں ایک امتیاز خاص کے حامل رہے۔ غالب سے انھیں اوائلی عمر ہی سے بڑا شغف تھا۔ ایک آزادِ روایت یہ ہے کہ انہوں نے ۱۹۳۲ء میں برصغیر میں برصغیر کے گھڑائی پٹن میں چھپنے والے غالب اردو زبان کی کچھ رنگ کی کتاب۔

غالب کا یہ طوط صورتِ زبان اسی رنگ میں ڈاکٹر ڈاکٹر حبیب کی فرمائش اور کوشش سے چھپاؤ انگلستان میں حبیب علی کا کہنا ہے کہ اس زبان کی کچھ رنگ کا نام ڈاکٹر ڈاکٹر حبیب نے انعام دیا۔ جب حبیب نے کچھ رنگ کی کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے لی کہ انعام دیا ۱۹۳۲ء کا تمام ۱۹۳۲ء میں برصغیر میں ایک ساتھ تھا۔ برصغیر میں میں شہ حبیب نے کچھ رنگ کی کتاب کو اپنے دہرے رنگ ڈاکٹر ڈاکٹر حبیب اور پروفیسر علیہ حبیب کی طرح غالب سے بھارت دیکھی تھی۔

لی گزشتہ مسلم پندرہویں کی جانب سے تاریخ ۱۹۳۲ء میں غالب کی پہلی سیرِ سارِ بری کے موقع پر ایک غالب سیمینار کا اہتمام کیا گیا۔ اس کا انعقاد پروفیسر محمد حبیب نے کیا جن کی غالب پر انگریزی اور اردو کتابیں بھارت کی اہم سیرِ سارِ بری میں ایک بڑے مقام رکھتی ہیں۔

پروفیسر محمد حبیب کو غالب شناسوں میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ دہلی اور صوبائی کی طرح ان کی فن کی زندگی ہی میں اپنے لکھنے والی کی سچ کا عقلی حکم بولے۔ دہلی صاحب پر عقلی حکم ان کے بھائی حبیب علیہ کی طرح ان کے بارے میں لکھے جانے والا عقائد بھی حبیب صاحب کی زندگی میں دہلی سے آراستہ ہوئے۔ یہ امتیاز دہلی اور صوبائی اور پروفیسر محمد حبیب کے عقائد کا نام کسی دوسرے غالب شناس کو میر نہیں بولے۔ دہلی صاحب پر عقائد ان کی زندگی میں دہلی پچاس حبیب صاحب پر عقائد کی مہارت ان کے عقل سے وہ پہلے عمل میں تھی۔

غالب پر پروفیسر محمد حبیب کی کتب کا تحریری ذیل میں ترجمہ غالب کو پڑھنے والوں کا ایک جہان تہ فراہم کرتا ہے جس کے لئے ڈاکٹر مرغوب ہاشمی انھیں اور انھیں کے مستحق ہیں۔

۱۔ دہلی ملک میں اردو عربی ڈاکٹر انعام الحق جلیہ "عقائد قوی زبان" اسلام آباد ۱۹۳۲ء ص ۳۱
۲۔ "پروفیسر سوزی کی آگاہی نے غالب — حیات اور کام" کے موضوع پر بھی لکھا ہے "ایضاً" ص ۳۱

۳۰ اس ضمن میں دیکھئے :

(۱) غالب کے کلام میں الطبقی حصار 'طبع سٹیجری' کراچی ۱۹۷۰ء میں ۵۵-۷۷ء

(۲) مضمون : کل داس گچھا رضا' غالب ہند 'دہلی جنوری ۱۹۹۷ء میں ۳۵ء و ۳۶ء

۳۷ ڈاکٹر سلقہ دلی 'گرہ جیب - حیات اور ادبی خدمات دہلی ۱۹۸۳ء میں ۳۷

۳۸ یادوں کی دنیا 'اعظم مکتبہ' ۱۹۹۷ء میں ۳۸

۳۹ رشید احمد صدیقی - شخصیت اور فن 'آزاد ڈاکٹر سلیمان الطمر جلیو' طبع لوسن ۱۹۶۸ء طبع ۵۰ حیدر آباد دکن پانڈہ ہون ۱۹۷۶ء میں ۴۲۵
اس حقلے پر ہمارے مکتبے سے ڈاکٹر یٹ دلی - گرہ جیب کا پروفیسر مسعود حسین خان تھے۔

۴۰ ڈاکٹر سلقہ دلی کا مقالہ 'گرہ جیب - حیات اور ادبی خدمات' پر ہمارے لیے ایسا ہی 'دلی نے کیا لکھا' کی ڈگری تخریص کی ہے جو تحقیق
ہم پروفیسر گوپا چند ہارگ کی گہرائی میں انجام پلا۔ کتاب اکتوبر ۱۹۸۳ء میں دلی سے شائع ہوئی (مجلت ۳۳۶) پروفیسر گرہ جیب کا انتقال
جنوری ۱۹۸۵ء میں ہوا۔



گالیب —

گہاڑی ہاتھک ڈال بولے

کتاب — غوث جاکہ جاکہ

© 1999 by the author

پروفیسر کمال حسین

پیشکش

© 1999 by the author

ادوارہ - رحیم آباد

پاکستان

© 1999 by the author

ڈیٹا ہاؤس ڈیٹا ہاؤس گالیب گہاڑی، (پاکستان)

ادوارہ - رحیم آباد

[1999]

گالیب

چندوں کو کوئی چنگ (میں)

اردو

پروفیسر کمال حسین

کتاب

پیشکش

© 1999 by the author

گالیب

سپ چگو جنہن کی چون

اردو - پروفیسر کمال حسین

پیشکش - پروفیسر کمال حسین

© 1999 by the author

پروفیسر کمال حسین - اردو کتاب

"گالیب چہ ہر شوک لے وائے سہ"

پیشکش -

گالیب

چہ ہر شوک لے وائے سہ

پیشکش - پروفیسر کمال حسین

© 1999 by the author

گالیب

کہ ہر کس آنبا سازایت

پیشکش - پروفیسر کمال حسین

© 1999 by the author

غالبِ پنجابی میں



گنتے ہیں، ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے

کیا بنے بات جہاں بات جاسکے نہ بنے
میں بلانا تو ہوں اس کو گر اسے جذبہٴ دل

اس پر ہی جائے کہ اس کی آئے نہ بنے
کھیل بھلا ہے کس میں پڑنے بھول نہ جائے

لاشِ بولِ گل جو کہیں میرے ساتھ نہ بنے
غیر میرا ہے تے توں تو سے خط کو اگر

کوئی پاچے کہ یہ کیل ہے تو چھپائے نہ بنے
اس نزاکت کا بڑا ہے وہ بھلے ہی تو کیا

ہاتھ آویں تو انہیں اتر لگاتے نہ بنے
کہہ سکے کن کہ چسبہ گری کس کی ہے

پرودہ چھڑا ہے تو اس کے کائنات نہ بنے
موت کی راہ نہ دیکھوں کہیں گئے نہ بنے

تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
لو جو وہ میرے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے

کام وہ آں پڑا ہے کہ سنائے نہ بنے
جنت پر زور نہیں ہے یہ وہ آتشِ غالب

کہ لگاتے نہ لگے اور بھائے نہ بنے

اور پڑتے ہے پر جتنی اسے دامنوں دکھلا سٹاؤں گی نہ بنے

اتھو گے کہیں کی ہی سہی ہے سچنگ دی بتایاں گی نہ بنے
میرے سندیں آؤ نہ انہیں تجھ اور میں ہی ہے کچھ کا کچھ

دوبے دل توں کی دھیس ٹپتے ہنرِ شہر آؤں گی نہ بنے
حالت تے جائے دل کیوں کہے جھلدا جھلدا نہیں نہ بنے

نہ سوئے دل وہی پاؤ ہے ہنرِ ستاروں گی نہ بنے
جو غیر توں خط دکھ بٹھائیں رنجی کے لئے دہنوں چھڑاؤں

کوئی دیکھ کر بھگے ایسے کیلے وہ بھگتوں نکلیں گی نہ بنے
میں نیا آپ تے ہے جنگا، ڈیڑی ہندو کوکے تے بگتیں

کوئی قسمت کل ہے ہنر کو سے بقا الہامیوں گی نہ بنے
ہرے دھن توں عزم کو کدا، کوئی دیکھیں دلاؤ سدا نہیں

اور پرودہ ہونے شیا ہے ہنرِ الہامیوں گی نہ بنے
کہیں موت دی راہ نہ کی بھگتے جتنے کہے آؤ تو انہیں نہ بنے

بھگت تیرا ہے اتھو سدا دھنوں نہ لیاؤں گی نہ بنے
موتوں پروردی گنہ گری ڈانٹ لے کر گنہ گری کا گنہ گری

کوئی دھوی برتے پڑ پڑی سٹوں برکھیاں گی نہ بنے
تیں جنت جہاں تے زور کوئی، ایسا لگتے غلاب کھڑا ہے

کہ جہاں دیکھتے تیں نہوی، پانی تال بھلیاں گی نہ بنے

غالب سرائیکی میں

’ہم کہہ رہے ہیں اسے جس ہمیں اس دا آئے‘ اس لئے امید ہے ’لوہ طوں معزلات ملہی پاکستان کی ہیل‘ سرائیکی کو نہ جانتے ہوئے بھی اپنے محبوب شاعر غالب کو پہچان لیں گے۔ ہر اس شعر میں جلوہ گر ہے حرم کے صحن سے دیوانہ لودہ تمام وکیل سرائیکی میں غزل ہو چکا ہے۔

لہو نہ ی املای قسمت ’ ہر وصل پار ہوندا
دے دے دے تے جی پیندے تی لہ ہلی کوڑ بھیر
چیزی تار کی کھوں پھر دھا پا قل اعلیٰ
کوئی میڈے دل توں پچھے میڈے تیر لہو پچھے کون
لہ کھوں دی دوستی ہے ہر غزل ہے دوست نام
ہر ہجر وہوں لہ دگرا تہی لو کلاہیں نہ تھوڑا
لہ ہر دکھ ہے جان کھس لہ ہر دل ہے ڈالی کرا
میں ہر آملی ’ کیوں آملی ڈکی دلت کب بلا ہے
تھے مرنے دی ہر رسوا تھے کیں نہ غری دوا
لوکوں ڈیکھ کون کرا ہر ہے کاکہ تے دگرا

ہر چلوی پیندے دے اہو انگار ہوندا
میں خوشی توں مزہ دے ہر کھ اہو ہوندا
نہ توڑ لکھن گدا ’ ہر لہو پکی تہ ہوندا
لہو دل کیں نہ کھدا ہر ہجر دے پار ہوندا
کوئی میڈا دلو ہوندا کوئی غلہ ہوندا
کیوں دکھ کھ گدا ی ہر اہو شرار ہوندا
ہر لہو مٹتی دکھ نہ ہوندا ڈکی دوا ہوندا
نہ نیکیں مٹن رہا ہر لہو کی دوا ہوندا
نہ جتانہ کوئی چرا ’ نہ کوئی حذر ہوندا
کوئی ڈوبلوی ہر ہوندا تہی ملندہ ہوندا

اچھے سنے تے صرف لہ بیڑا جان غالب

کیوں تہی دل کھسے ہر نہ پتا خواہ ہوندا

عالم کے خطوط کا دورا شروع ہوا۔ ۱۸۷۷ء کے ۱۰ روزہ ہیر ۶ مارچ ۱۸۷۷ء طبع اکمل افغان میں پہلا کر چھپا۔ ہر دو روزہ دوم ۱۸۷۷ء میں طبع پہلی دفعہ ملی سے شروع ہوا اس کے ساتھ ساتھ اولیٰ عالم کا ہر پہلے میں پہلا شمارہ دوم میں خاص

۱۰ مراد ہے جو خاتم المرسل کا قصور قرار ہی حقیقت ہے شہادت گوری کی "اور یہی سنی ہیں رحمت اللہ علیہ کے — جب لوہار نے کہ وہ انکار دہائی ہیں، دیکھا کہ نقوش بڑی پر دم غالب ہے اور مظلومہ دعوتِ اہل سنت سے محروم رہ جاتے ہیں اور یہی ان کو اکھاڑنے کے راہ پر نہ آئیں گے" پھر افسوس اور کافور وضع کیے تاکہ قوت "میلہ اس سے اچھی دے اور دہرہ دہرہ ہے غوری غازی ہو جانے" نتیجہ یہ نتیجہ ملتی ہوئی ہیں لیکن ان کا ذکر یہاں اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ غالب کی ہی یہ خبر ہے اس خبر کو چند کر اس دور کی خبر کا اثر ہو گیا جاسکتا ہے اب بعد میں ہر غالب کی ہی خبر کے نمونے ملتے آئیں گے جن سے موازنہ کرنے میں تسلی ہو گی اس تبدیلی کا بھی اثر ہو گا کہ غالب کی خبریں کتنی تبدیلی تھیں۔ اس میں شک نہ ہو گی جاسکتی ہے کہ وہ کیا وہ بات تھیں جو غالب میں تبدیلی کا سبب بنیں۔ (جے۔ ک)

لیکن جب غالب اس تبدیلی کی زد میں آئے تو ان کے ہاں لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنی ایک گوری شہادت ضرور پہنچے تھے جب انہوں نے ارد میں خط لکھے شروع کے وہ پتا پر محبوبہ دور تھا سہاسی "سلاخی" سلاخی اور لٹاخی قدرتی فوج دی تھیں۔ غالب بھی سلاخی حکمت کا انکار تھے اسی کوئی نہیں تھی جتنے اثرات تھے اس لئے اگ دست تھے اپنی غازی روایت کو زندہ رکھنے کے لئے وہ قرض میں لیتے تھے۔ ان ہاں کا ان کے خطوط میں بڑا افسار داتا ہے انہوں نے جو طریقہ اپنایا اور اس میں وہ نہیں بدلتے انہیں اور ان کو اس "حزم" "اہتمام" اور کمال کے ساتھ برآ اس میں وہ لعل بھی ہیں اور آخر بھی کبھی کبھی وہ غازی میں بھی ضرورت کے وقت لکھتے رہے لیکن ۱۸۷۵ء میں انہوں نے غازی گوری قلعہ پھوڑ دی اور اپنی وفات تک ۱۸۷۸ء تک وہ ارد میں ہی خطوط لکھتے رہے۔

ان کے خطوط کے چار سے زیادہ مجموعے ہیں یہ قریباً ۱۲۰ صفحات ہیں۔ خطوط کی تعداد ۱۸۷۵ء کے قریب تھی اگرچہ وفات کا اثر تصنیف میں نہیں ہوا لیکن یہاں سبب "مجموعہ" غالب کی مستقل تصنیف کلاں کا ان خطوط میں غالب کی لکھا کہ طرزِ تحریر ہے ان کی شرفی "قرینت" و ادبی لہجہ ان کی غازی مہلت و اس کی تخریج و شاعریوں کے کام کی اصلاحات ہیں عام خطوط کی نسبت ان میں وہ بات نہیں ہے وہ یہ ہے کہ "عجب" "کتاب" حراج پر ہی اور قیمت گوری چاہی نہیں یہ بات نہیں کہ ان ہاں کا ذکر ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ کیا کہ ان ہاں کے ارد اور ترکیب کے وہ کمال نہیں تھے کبھی وہ لعل طرز سے ہی مضمون شروع کر دیتے کبھی لکھتے تھے ۳۰ سے "مختصر" "موزوں" عجب لکھتے تھے "شعر" میں "بروزگار" "نور" "مردار" "دور" "مردار" "میل" صاحب میری جان کے کئی میں سرسراؤ میں میرے میں میری جان میرا نقد غنی دین "کبھی یہ سب عجب اور خط کا انداز ہے ہونگہ ہاں صاحب تم کیا چاہتے ہو؟ یاد دلاؤ "تاریخ" "عجب" "میل" سے اسی طرز دیا سلام اور اپنا نام اور مذبح لکھنے میں بھی کوئی پندی نہ تھی مثلاً "اور جنم دانت" ہاں میر سرسراؤ میں بیچے دہرہ اور خوش رہو" "بلکہ کبھی کہ کو یہ بھی خیال آتا ہے کہ کوئی طراوت دست غالب کلاں ہے وہ کیا کلاں رہا ہے اور کیوں کر جیتا ہے۔

مکالمے کا انداز ملاحظہ ہو

"میل" تھے میں اور تم میں بد گوری کا ہے کہ ہے اب صورت سے باہر کر چکا خط کو سرسرا کر کے کہو کہ وہاں" — میرا مختصر سرور ہے وہاں بیٹا ہوا ہے خطا کہہ باہر غریب مل چک دوسرے لفظ یعنی غریب مل چک "لوہار کی سولہاں دہائی ہو گئیں؟

صورت ابھی نہیں!

کیا آج نہ جائیں گی؟

آج ضرور جائیں گی چندی ہو رہی ہے!

مراقبہ "عجب" کیم جون دہائی ۶ بجے ۷ کے محل میں ۱۸۷۸ء غالب

ہوا انہوں نے ہرج و مرج میں سب کو کیا ہے یہ کوئی شعوری فعل نہیں تھا اس میں ہوں ہی اتنی اپنے دکھ تک دوستوں میں جان کر رہا ہے
 ہمیں بہت سی فن کی ذاتی باتیں کاظم بن غلطو سے ہی ہوتی ہیں۔ انہوں نے خود کے حالات میں اتھار سے لکھے ہیں اس میں ان کی فنی
 زندگی اور اشیاء کو دخل ہے لیکن یہ بات یاد رہے کہ عادل کی گمراہیوں سے انگریزوں کی چھائی اور سکاری سے ہوں تھے بن غلطو کی
 روشنی میں عام فنی حالات کے متعلق بھی خاص معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ انہوں نے رشک و محافل پر بہت سے غلطو میں تفصیل
 لکھی ہے مگر کام چاہیں کو لکھتے ہیں۔

انہوں نے جنگ آزادی کی جگہ طرہ کافی لفظ استعمال کیا ہے اس میں وہ تو بہت کم کاغذ سلسلہ شروع ہوا اس
 سے پوری قوم پر اثر ہوا۔ غالب کے ذہن میں جنگ آزادی کا تصور بہت دور سے ہی انوار سے ہے وہ نہیں چاہتے
 تھے کہ انگریزوں کو وہ کھل کر برا کہیں اور انتہائی کلامیں انگریزوں کی عام روش سے وہ انکی طرف دیکھتے تھے۔ وہ
 فن کے غم و حتم کا تصور بھی دے رہے تھے۔

"گرہ گنگوں نے میر کی ہمار دکھائی" یہ ساری دہائی دواؤں ہونے کی لڑائی میں لڑی۔ باتوں سے پہلے انہوں نے "ہر" غلط ہمارت
 غلط دماغ، غلط دل، غلط صدا، "فن سب مشغول پر غلط طریقہ کیوں کر قصہ ستر کہیں؟" یہی چار شاید روز قلم میں کس طرح ہر
 کہیں؟

ایک اور خط میں عام پر سے لکھتے ہیں۔

میں سب اعلیٰ اعلیٰ صاحب کے دوستوں کیا ہوں اور اپنی عقلی پارہ میں کے گورنمنٹ سے جانتا ہوں۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔
 کتاب دستور اور عرضی توسط ماہوری ۱۸۷۳ء میں ولایت کو روانہ کر کے پہنچ گیا ہوں۔ پچھلے میں ہمارا بیٹا ہے جی ہے کہ بارسل
 ولایت پہنچ گیا ہو گا۔

ایک وہ جگہ میں ہوا انہوں نے طرہ کی عام حالت کے حوالے سے "انگریزوں کے غم و حتم کے حوالے سے" سماجی سماجی اور سیاسی
 حوالے سے بہت بہت لکھا ہے کہیں کہیں تو وہ جذباتی بھی ہو گئے ہیں یہ وہ دور تھا جب ذرا سی بات پر ذہن کھینچ لی جاتی تھی۔ کالے پانی کی
 مرا عام تھی۔

غالب کے یہ غلطو عام غلطو اس لئے بھی نہیں ہیں کہ غالب نے انہیں قطعی فنی اور ضرورت کے تحت نہیں لکھا۔ ان کا مقصد اپنے ذاتی
 حالات اپنے محبوب پر ایک پہچان تھا لیکن فن کے انکسور دیکھ کر غلطو اپنے لوگوں کے سامنے تھے جو طبعی اپنی اپنی رہتے تھے۔ غالب کے خود
 دہن تھے۔ فن سے بغیر حاصل کرنا چاہتے تھے۔ فن کی مدد کرنے میں فراموش کرتے تھے۔ وہ فن کے ہر دور، دور دور پر ہوتا تھے اس
 لئے بھی فن غلطو کی اہمیت مختلف ہے۔

غالب شاعر تھے فن کی ہر بات میں شمولیت دیکھتا تھا وہ اپنی بات کی درجہ بندی کرتے ہی خود تھے فن کے اسلوب کے فنی طریق
 کی درجہ بندی میں بھی لطف ہے اس سے فن کی شخصیت بھی اظہر کر سکتے آتی ہے اور فن کے مقصد کے کاہلی اعلیٰ ہوتا ہے ایک سطر کے
 بارے میں لکھتے ہیں۔

"وہ بھی گزری دن چڑھے غریب کو دھست کر کے رہی ہو۔ قصہ یہ تھا کہ دیکھو وہاں وہاں غلطی کی گھاٹیں نہ پائی۔ باج واکو
 روانہ ہوا وہاں پر خود دل ہاتھ میں اور میں میں علی گھوڑوں پر سوار تھے دیکھ چار گزری دن وہ میں باج واکو کے سرائے میں پہنچا۔ وہاں
 ہاتھوں کو پیٹے ہوئے اور گھوڑوں کو چلتے ہوئے پلٹ گزری ہر دن وہ قافلہ گرا۔ میں نے پچھانک ہر کسی دماغ کیا۔ وہ فنی کہاں اس
 میں دل دیکھتے رات ہو گئی تھی۔ شراب پی لی؟ کہاں کہاں لکھنے لکھنے نے وہ کی پگھڑی بکائی۔ نوب بھی ادا کر کہہ بھی کہتی اور سر

انہیں اس بات کا شوق ہے اس میں حاکم وہ انہیں کے لئے سے ایک کی چیز پیش کر رہے ہیں جب سے انہیں اس بات کا علم ہوا کہ ان کے یہ غلوہ شیعہ ہو۔ یہ ہیں اس وقت سے کہ شوری کو خلیفہ بھی پیش ہو گی لوگ جب کے ساتھ جوں بھی تھے کہ غالب نے یہ نیا جنگ لڑا ہے اللہ کو کم نصیب دینے کی وجہ سے کہ غالب نے اپنے کو بیٹم پہنچانے کے حوالہ دی میں کہہ بات کرنے کے حوالہ گئے تھے جسے کوئی وجہ نہ ہو سکتا کہ وہ اس وجہ سے بھی اس میں ذرا بھی ضرر نہیں ہو گیا انہوں نے اپنے غلوہ کے لئے یہ کی طرح بھی وضاحت کی ہے "یہ وہ غلوہ نہیں ہے جتنی کہتی ہیں اور یہی سب ہے کہ میں اللہ کو غالب و کتاب میں لکھتا ایک اور جگہ لکھتے ہیں "میرزا صاحب نے وہ غلوہ تو حق لکھا کیا ہے کہ غلوہ کو منکر بنا دیا ہے بڑا کوس بڑا ہی قسم دیا ہے کیا کہہ۔ جہ میں اصل کے غلوہ لیا کہہ کیا کرتے تھے سے بات کرنے کی قسم کھائی ہے لکھا تو کہہ کہ یہ کیا بات کہہ رہے ہیں میں اتنی ہے "یہ غلوہ کو کہہ منکر حال ہے غالب نے شوری نے یہ سہارا لیا ہے اس میں میں کی طرف سے ہے جتنی کرنے کی غرض غالب کے غلوہ کی بڑی غلطی ہے۔

جہت اور طرح کو غالب کی عقل میں پہلی قسم غلوہ کو شروع کرنے میں انہوں نے پہلی جہتوں سے ہم لیا ہے غلوہ کے شروع میں ایک ذرا بھی کلیتہً نظر آتی ہے مثلاً "یوسف میرزا کو لکھتے ہیں "میں نے ذرا بہت میرزا کو خلاف۔ وہ آئے ہیں میں نے تم کو لکھا تھا ہے مگر مسئلہ ایک سوال کا جواب نہ گیا ہے۔"

غالب کی یہ عقلی جگہ ہونے کی جگہ "پہلی" دہائی کی خلافت بھارتی کا غلوہ اپنے اندر مشرقی ہونے کی طرف کی فرائضی طرز کی سادگی "ساحلی" قدیم لفظی اور ترقی دہائی پر "تجربہ" غالب کے ذاتی مسائل میں ان میں "وضع داری" دیکھ رکھتا "ساحلی" سادگی اپنی جگہ کا احساس "غلوہ" غلوہ اور غلوہ کی مشرقی "شعبی" میں اصل کو لکھا پڑھا جانے کی صلاحیت "انگریز" جگہوں سے تعلقات "انہوں کی حد" جتنی کا وہ قیدی کے غلوہ بھارتی کی روشنی میں غالب کے غلوہ کی حاکم "جس میں ہو گا" نہیں سے کوئی مدد تھی ہے تو اس کا غلوہ طور پر مشرق لکھا غالب کی یہ پہلی اور سادگی "یہ عقلی" حاکم پر غلوہ "قر" میں اور غلطی حیثیت "غلیب" انہیں ہونے کی طرف سے غلوہ سے غلوہ ملنے ایسے تھے جو ان غلوہ میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں جس سے ہمیں غالب کی شخصیت کے ہر پہلو کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

وہ باروں کا پہلو تو کہتے ہیں جس میں کہیں کہیں غلوہ بھی نظر آتے ہیں جس میں ہمیں کے چنے کی وجہ سے "نکات" کا انہیں ہے وہ خیال ہے اپنی تا۔ اور وقت خیال دیکھتے ہیں۔ اپنی غلوہ کا صاحب دیکھتے ہیں اور کوئی بات انہیں نہیں ہونے دیتے جو ان کے دیکھ رکھتا میں فرق دیکھتا ہے انہیں کے لئے کہ وہ طریقہ کار دہائی کے لئے ہوا ہے وہ پہلے تو غلوہ ذکر رکھتے جاتے ہیں کہ انہیں کی غلطی کے لئے میں کیا تو انہیں دیکھتا انہیں انہیں دیکھتا پندرہ دہائی میں میں ان کی رہی سہی عزت بھی دیکھتا ہے کہ پہلے اس طرح وہ اپنے عقیدے کی کوئی مسرت پندرہ نہیں کرتے۔ جہت صاف گو اور غلوہ ہونے کا ثبوت بھی کہتے ہیں اور غلوہ میں کہتے ہیں۔

حکیم یہ اور میں "دہائی" کو اپنی عقلی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"آپ کو میرے حال کی بھی خبر ہے؟ صرف نصیحت کو کافی کہید۔ عقل یہ ہے اور کہید عقلی میں جہت غلوہ خاص عقل ہو کہہ جہت تک ہو کہہ غالب کی خدمت ہا۔ ا۔ ا۔ اور عقلی لکھنے لکھنے دیکھا تھا اور اصل وجہ غالب نہ آگے سے انہیں طرح سوئے نہ بات سے انہیں طرح تھا پہلے۔ کہتے ہیں جہت غلوہ ملے ہو غلوہ کو جب کہیں کے غلوہ عقلی نے (غلوہ اور غلوہ) نے جہت صاف کردی تھی۔ میں طرح ہوں کہ میرے دوست خدمت اصل غلوہ میں صاف کریں۔ غلوہ غلوہ کا جواب جس صورت سے وہ لکھ لکھ دیکھیں گا لکھ لکھ لکھ۔"

"پہلی" غلوہ ہے یہ جہت نے لکھا کہ وہ ہے صرف "عقلی" سستی "گرو" جہت۔ غالب میں جہت ہے نہ جگہ ہے جہت ہے۔ جہت

میں دیتے ہیں۔ مثل گزشتہ ہی نو کہ بھیا کہ علاج غم خواں کا کام ہے اور میں اپنا آپ میں خواں نہیں بانگ مخرج ہوں کہ اس خدمت سے صاف رہوں۔ ہر جگہ مجھے آپ کی سرکار سے ملتا ہے۔ خواں خدمت مہلت میں شمار کیجئے تو میں شکر ہر کسی۔ روزہ غریب خواں سے اور اگر یہ صلیب قریب خدمت ہے تو ہر آپ کی مرضی ہے وہی میری قسمت ہے۔ بس وہی سے ہی کا کام نہیں آگے طرح ستوری کو سرنگ لگتی۔ اب دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے۔ آج تک خواں صاحب ازراہ جو انمولی دینے جانتے ہیں اور بھئی ستوری ملحق ہنرمند اور صاف ہو گئی۔ رہب و باہن تھوڑے کام میں نہیں رہا اور اگر خواں نہ خواں ستارا عقیدہ کی ہے کہ علاج ضرور ہے تو میری جان میرے بعد کیا کرے۔ میں چنانچہ دم صبح و آفتاب سرگرم ہوں ناٹھ و ناچا رہا ہوں اس طرح کا اپنی ستوری کا ایک ادا مزاج صاف کے نام سے لکھتے ہیں

محبت مڑا ہوا حال سوائے میرے خدا اور خداؤں کے کوئی نہیں جانے۔ کوئی محبت تم سے سوائی ہو جاتے ہیں۔ محبت چلتی رہتی ہے۔ اگر اس محبت تم میں میری قوت خدا کی ہے تو جب سے جب اس کا بار نہ کرنا مطلب ہے۔ پرہیزگار کیا تم ہے۔ تم مرگ تم رقیق تم حوت۔ تم مرگ۔ تم خدا مرگ سے قطع نظر کر کے اقل شر کو نکلیں مگر اصول میرا ماسٹر ہے۔ میرا ہاتھ اس کا دھنا ہے۔ میرا انیس برس کا بچہ۔ مصطفیٰ علی ہیں انھم اصول اس کے دو بیٹے ارشد علی اور مرشد علی کا بیٹا علی ہیں کیا میں ان کو اپنے عزیزوں کے برابر نہیں جانتا۔۔۔ جب قصور کرنا ہوں تو مجھے شک ہے کہ وہ اسے کہنے کو بروا کرتی ہیں کہ سنا ہے مگر میں ان کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں انہوں کے خلاف میں قائم میری فکر میں تھوہہ دیکھ ہے۔ حقیقی میرا ہاتھ ہے۔ میرا اس کی بیٹی اس کے چار بیٹے اس کی بی بی بیٹی میری بھانجی ہے۔ پور میں چاہے ہوئے ہیں اس میں ایک مدینہ میں کو نہیں سمجھا جیجی کیا کہتی ہو گی کہ میرا بھی کوئی بچا ہے۔ یہاں افغان اور امرا کے اندراج اور اور ایک مانتے باہریں اور میں دیکھوں اس صحبت کی کب ناسے کو جگر چاہئے۔۔۔ جیسے ایک فکر رہے چلتی ہے۔ کوئی ہوں دی نہیں۔ محبت نہیں ان امور کا اٹھل کیوں کر کہیں۔ بدنامی صنعت قوی لب لکھ دیکھ تو جاکر میرا کیا رنگ ہے شاید وہ چار کوئی رشتہ ہوں وہ نہ چار رہتا ہوں گویا صاحب لڑائی ہوں نہ کہیں جانے کا اٹھنا نہ کوئی میرے پاس آئے وہ وہ حق ہو پتھر طاقت جانے رکنا خواب بھر نہیں۔ سب سے بڑا کہ تو کہہ گود صنعت کا رنگ ہے وہ وہ میں جانا تھا صنعت کا دل پانا تھا وہ صورت اسے فکر نہیں آئی وہ طویل ہوں نہ حضور ہوں۔ نہ سہ کلمہ ہوں نہ کب بگڑ ہوں نہ بگڑت منہ بہت اب قری کہہ کہ اگر یہاں دیکھ ہوا اور میں بلایا چلتی تو خدا کیل سے الگ۔۔۔

آخری عمر کے خطوط میں کف السوس نے اپنی بیوی اور اپنی سہیلی کا ذکر ہے اور اہل بیت علیہ السلام کے اوصاف پر مبنی ہے۔

”۔۔۔ مجھے بحر سے صاحب فرائض ہوئے۔ صبح سے شام تک چنگ پر چڑھتا ہوں۔ کل مراٹے اگرچہ دواؤں خانے کے بہت قریب ہے، یہ کہا انسان ہر جا سکوں۔ صبح کو نو بجے کھانا بھی آتا ہے چنگ سے کھس پا داتا، نہ دھو کر کھانا کھاتا، پھر پانی دھوئے لگی کی چنگ پر جا چنگ چنگ کے پاس جاتی تھی راتلی سے اٹھا اور جاتی میں چھوٹ چکا اور چار دہہ خوراک سے یہ عرض ہے کہ چھوٹا جلد جلد آتا ہے اس صاحب فرائض ہونے کو دیکھو اور دم پر دم نکلتے، ہاتھ پاؤں کو دیکھو۔ پھانسلے اگرچہ دن رات میں ایک دھار پاتا ہوں مگر صوبت کو تھوہر کہہ۔ ٹھیک پورا دوا میں پیچھے میں جس کو سہلہ کہتے ہیں۔ نہ پھوڑے نہ تھیں پیچھے میں یہ سہل ہیں۔ انہیں پاؤں میں کف پڑھتے پاتے سنے کہ کوئی پھل تک دم اور دم بھی تخت دوا، طبع، سحر، ہے کہ نہ ہوا اب تھوہر ہے کہ نیم کا پھر پاتے جب کچھ پھرنے تب مریم نکلتے کہ کف پائیں جو سخت کا کل ہوا آج تمام کا کل نکلتا۔“

اسی طرح پہلی سہ ماہی کو نکلتے ہی

”مگر ضعف کی وہ شہوت ہے کہ خدا کی پند۔ ضعف کیوں کر نہ ہو۔ برس دن صاحب قرائل رہا ہوں۔ ستر برس کی عمر تھا خون بہان میں تھا ہے مہلکہ گویا اس میں سے دھپ ہو کر نکل گیا۔ یہ کئی عذاب بھر گیا وہ دم صلح ہو۔ ہرمل زندہ ہوں اور مجاہد۔“

غالب کی شخصیت میں ایک لاشعری شہنشاہی نظر آتی ہے انہوں نے اردو شاعری کو ایک نئے انداز سے سمجھا کیا بلکہ اردو نثر کو بھی ایک نیا اسلوب دیا اس اعتبار سے وہ ہماری نظم نثر دونوں میں ایک انقلابی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے یہ خطوط اردو نثر کا ایک عظیم سرمایہ ہیں۔ ان کی بے تکلفی، روانی بے ساختگی، ”اسلوب اور طرزِ لہجہ“ ڈیپ انگلیزی، ”ذیل آفرینی“ ان کی شخصیت کا پہلا ”سوزن“ کا ہر حرف ان خطوط سے نمایاں ہے۔ وہ ہنگام آفرینی کے اثرات سے بہت متاثر تھے۔ ان خطوط میں ان کی وہی کیفیت برہا موجود ہے۔ انہوں نے اپنے سیاسی، ادبی، تہذیبی، اخلاقی، عقلی اور تخلیقی مسائل کو اپنے خطوط کا ایک اہم حصہ بنایا ہے تہذیب، انقلاب، کالیں، منظر، جاسا، لیلیاں ہے یہ اہم ترین اور اہم ترین کے خطوط جو بڑے بے کی گمراہیوں سے گئے تھے ہیں۔ عام معلومات اور لوگوں کے ساتھ تعلقات کے علاوہ عقلی و فطرت کے سونے بھی موجود ہیں۔

ہم ہم ان خطوط پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے ہنگام آفرینی ان کے سامنے لڑی گئی۔ اگرچہ بھی عالم چار اور لڑی قوم جس کے پاس حکومت کے علاوہ ہر طرح کے اختیارات بھی تھے پولیس حتی فوج حتی جدید اسلحہ تھا اور درہندہ نظام جبری صورت میں موجود تھے ان سے گھبراتا اور وہ بھی ایک بے معلوم قوم کے لئے بے سرسلائی کی حالت میں ایک ایسا مرحلہ تھا جس پر تاریخ نے کسی اور قسمی اپنی ہے۔ سارا نظام درہم برہم ہو گیا ایک اور ہی نوعیت کا انقلاب۔ خود لوٹ مار قتل و غارت۔ عام فہم غالب اس زمانے میں اپنے مکان میں ہی مقید رہے اور وہ کیے فکر محفوظ رہے اس کا ذکر انہوں نے اپنے ایک خط میں کیا بھی ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ غالب کو اس وقت کے زمانے میں بے فکر، غلاب کا سامنا کرنا چاہی ان کے تخلیقی پہلی ہوسٹ مرزا اس زمانے میں دہلی آگے کے عالم میں مرسہ۔ ان ہماری باتوں کا تذکرہ انہوں نے اپنی کتاب ”رحلتہ“ میں کیا ہے وہ ایک تاریخی حیثیت ہے بلکہ یہی واقعات انہوں نے خطوط میں الگ الگ لوگوں کو لکھے تو ان کے وہی جذبات اور کیفیات کے علاوہ ان کے غالب ہماری زندگی ایک کٹھن بنے رہے۔ زندگی ان کا ساتھ نہ دے سکی۔ لیکن انہوں نے زندگی کا بغیر ساتھ دیا وہ اس زندگی کے حالات سے خوش نہیں تھے لیکن ہر کرنا جانتے تھے انہوں نے زندگی اور اس کے بدلے ہوئے حالات سے بڑی حد تک مطابقت پیدا کرنے کی اپنی کوشش کی۔ ان حالات کو سمجھا بھی ہے اور انہیں سمجھ کر رہا بھی ہے وہ زندگی کے گمراہے تھے ان کے ہر پہلو پر ان کی فکر گمراہی کے ساتھ چلتی تھی اور وہ اس میں سے نئے پہلو نکال دیتے تھے۔

ان کے مزاج میں گمراہی کے ساتھ جدت پسندی بھی شامل تھی کسی چیز کا نہ ہونا انہیں اوس اور فکریں خیر کرنا ہے لیکن وہ اس کے حاصل کرنے کے لئے تھک کر نہیں بیٹھ جاتے تھے۔ اس کو حاصل کرنے کی دھن میں گئے رچے بچے شاہد کی ان کی زندگی کا انقلابی پہلو بھی ہے۔

یہ خطوط ان کی زندگی کا گمراہی کے ساتھ مطالعہ کرنے میں ہماری خاص رہنمائی کرتے ہیں۔ ان خطوط سے غالب کی وہ صورتیں بھی سامنے آتی ہیں جن کا اکثر ان کی شاعری میں مشکل سے ہی ملے گا۔

غالب اور فلسفہ وجودیت

شعر اور فلسفہ میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں ہے۔ فلسفہ دلوں کے دماغ میں جلدی حقیقت کے بارے میں ایک ایسے سوالات پیدا کرتے ہیں اور غارتی مناظر سے دونوں ایک طرح سے ہی جڑا ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے داخلی تجربے کے اظہار کے لئے دونوں ایک ایک راستے اختیار کرتے ہیں۔ شعر اپنے قاری کو محسوس اور جذباتی جڑاؤ میں مبتلا کرتا ہے جب کہ فلسفہ اپنے قاری کو عقلی استدلال کے طالب میں مبتلا کرتا ہے۔ اگر دیکھنا چاہوں تو ہر شعری تجربے کوئی کے ہیں، یہ وہی خصوصیت شعر و شاعری کا ایک عقلی ذہان پر شعر آئے گا جس لحاظ سے غالب دیگر شعرا میں ایک خصوصیت اور منفرد مقام رکھتا ہے کیونکہ اس کی دہائیوں حیات و ادائیت کے ادبی معنوں کے باغیر میں محض ایک جذباتی اور محسوس ہی نہیں بلکہ ایک خصوصیت تمام فکر کا اظہار اور اظہار ہی ہے۔

غالب فارسی روایت کے لحاظ سے قدیم شعراء و حکماء کے شعر و خیالات سے مکمل واقف تھا۔ لیکن وہ ہے کہ اس کے کام میں ہر ایک قبول کے مسائل اور عقل و دھند کے درمیان سوالات کی مراد سے باز فطرت جتنی بھی ہے۔ فلسفہ وجودیت اور غالب کا جس موضوع ہے اور اس نے حدود یکسوئی پر عقل و دھند اور وجودیت اور محسوس مسائل کو وحدت صورت کے ساتھ اپنے خیالات میں جڑا دیا ہے۔ غالب کے خیالات نے بھی بہت تفصیل کے ساتھ اس کے وجود اور وجودیت کی تفہیم کی ضرورت کی ہے۔ لیکن اس کے شعر میں فلسفہ وجودیت (Existentialism) کے وہ واقعات اپنے جلتے ہیں جن سے کسی نے قرض نہیں کیا۔ مثلاً اس کی وجہ یہ ہے کہ وجودیت کا فلسفہ غالب کے ہونے پر بدلتا ہے اور اس کی نشوونما بھی یورپ ہی میں ہوئی تھی لیکن چونکہ غالب کی شاعری کا بیسار مصرع میں مذہبی و عقلی باغیر خاندانی و باغیر دین میں وجودیت کا احساس نے ہمیں غالب کے شعر اور وجودیت کے تفہیم میں حیرت انگیز ممانعت نظر آئی ہے۔ مثلاً اس میں ہم وجودیت کے چند اہم نکات کا خلاصہ دیکھ سکتے ہیں اور پھر اس کے باغیر میں غالب کے بعض خیالات کا جائزہ لیں گے تاکہ ان کے خاتمہ و عقلی کی ایک نئی جہت ہمارے سامنے آسکے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ جدید یورپ میں جتنی بھی عقل و فکر قریب قریب اٹھیں (Hegel) کے فلسفے کے رد عمل کے طور پر اٹھیں۔ ویکسٹر کا عقلی نقطہ ہو یا کامل احساس کی جذباتی لحاظ ہو یا کبیر کیہ گیارڈ کی وجودیت، سب کے سب دھنک کے تمام فکر کے جواب میں ہی اٹھتے تھے۔ دھنک کے تمام کی مناسبت (Absolutism) اور انتہائی گہری نوعیت نے قریب قریب کو باطل علم کو رد کیا۔ لیکن نے مذہبی نقطے اور عقائد کی صورت کو اس حد تک دور کیا کہ قریب قریب فلسفہ و شعر کا محض ایک عقلی یا جذباتی اظہار قرار پایا جس کی اپنی کوئی مستقل حیثیت نہیں تھی۔ اس کے نزدیک قریب قریب فیصلہ اسی میں ہے کہ وہ وجود عقلی میں اپنی اسٹی کو گم کر دے۔ اسی بات کے اس دور کو کبیر کیہ گیارڈ نے اپنے فلسفے میں لکھا ہے کہ جب میں ہی سوچتا ہوں کہ میں ایک تمام کا محض ایک حصہ ہوں یا کل کا ایک ہے اس سوچ میں جو ہوں تو میں کہتا ہوں۔ چنانچہ کبیر کیہ گیارڈ نے مذہبی نقطے اور باطنی امور کے فلسفے سے ابتداء کر دی جس میں اصل حیثیت وجودیت (Existence) کی عقلی اور وجود (Existence) کو عقلی اور باطنی قرار دے کر نظر انداز کر دیا۔ چنانچہ وجودیت کا خلاصہ ہے "Existence precedes Essence" یعنی وجود وجود پر اولیت ہے۔ حتم ہے کبیر کیہ گیارڈ نے یہ وجودیت کا نام ہے اپنی پوری زندگی اپنے وجود پر مرکوز کرتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے باطنی نقطے عقلی اور باطنی سے کہتا کہ اس میں ہر دور کرتا ہے کہ میں کون ہوں اور میری حقیقت کیا ہے؟ اپنے آپ کو وہ کسی بلا تہ ہو کر وجودیت کا حقیقت عقلی کی تجلے میں دم کرتے ہے چار فیصد چنانچہ پورا اختلاف اس پر یہ ہوتا ہے کہ وہ ہماری دنیا میں اٹھتا ہے اور اسے ایک طرح کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

جیسا طرز زندگی کو، اسے اپنے وجود میں اور فرد کے معاشرے سے علیحدہ دیکھ سکتا ہے۔ یعنی اس طرز زندگی کو اس نے خود اختراع نہیں کیا بلکہ وہ سہولتوں سے اس کے لیے وضع کیا ہے۔ ایسی زندگی کو وہ دیکھ غیر صدقہ (inauthentic existence) بھی کہتا ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے کبیر کی گیارہواں ایک اپنے گاڑی بان کی مثال دیتا ہے جو سہواً وہ اور ٹھونڈوں کی بانگس اگرچہ اس کے ہاتھ میں ہوں لیکن ٹھونڈے خود بخود غلط راستے پر چلے جا رہے ہوں۔ گویا گاڑی بان ٹھونڈوں کو نہ چنا دیا وہ بلکہ ٹھونڈے اسے لیے چلے جا رہے ہوں۔ اس مثال سے کبیر کی گیارہویں صحت کرتا ہے کہ معاشرے میں اکثر لوگ چلے پھرے تمام کالج کرتے نظر آتے ہیں لیکن ان کی حیثیت زندہ انسانوں کی ہی جیسی ہے کیونکہ وہ رسوم و رواج کے پلندہ ہوتے ہیں اور گلی بندھی زندگی وہ انہیں دہانے میں بی بی جاتی ہے وہی ہر کرتے چلے جاتے ہیں، انہی وہ یہ نہیں سوچتے کہ ہم کتنے ہیں اور ہمارے دیکھ سہولتوں کے کیا فائدے ہیں۔

کبیر کی گیارہویں جب رسوم و رواج اور معاشرتی طائفوں و دھاروں سے کٹ کر صرف اپنے وجود پر غور کرتا ہے تو پیدا احساس ہے اس کے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے وہ ایک شعبہ جسم کی تنہائی (Loneliness) اور سادگت (Alienation) کا جیسا ہی لگنے وہ کہتا ہے کہ میری مثال ایک غریب و سیدہ دوست کی گڑبگڑاؤں پر نہیں ہوتی انہی زندگی کی سی ہے۔

تنہائی اور سادگت دیکھ سہولتوں کے لئے وجود کی ابتدائی شرط ہے۔ جب بھی ہم اپنے وجود پر غور کرتے ہیں اور اسے سلیقہ و اعتمادی دہانہ و طائفوں سے صبرتی کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ تنہائی اور سادگت کے احساس کی صورت میں آتا ہے۔ ہر جب وجود کی نوعیت پر غور غور کرتے ہیں تو یہ پتا چلتا ہے کہ یہ وہ انتہائی بے ادبی اور موت کے جہنم کا ایک واقعہ ہے۔ موت اور بے ادبی ایسی حقیقتیں ہیں جن پر ہمیں کوئی اختیار نہیں تمام ان سے ہم انہیں نہیں چاہتے ہم اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوئے ہم نے جب شعور کی آگاہی کوئی خود کو دنیا میں پلایا اسے دیکھ سہولتوں (Thrownness) کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ کسی نے ہمیں نہ خود وجود پر دیکھ لیا ہے۔ ہر جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ ایک واقعہ آئے گا جب موت ہمارے وجود کے راستے کو مسدود کر دے گی۔ تو ہم متوجہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ موت کا انڈیشہ دہشت (Dread) کو پیدا کرتا ہے لیکن جب ہم موت کو ایک ایسی حقیقت کے طور پر قبول کر لیتے ہیں جسے ہم جان نہیں سکتے تو دہشت سے بے جا ہوتے ہیں لیکن خوف (Fear) سے ہم بھاگ نہیں پاتے کیونکہ خوف کسی شے کا خوف نہیں ہوتا بلکہ یہ ہمارے وجود کے ساتھ لگا ہوا ہے اور جب تک ہم زندہ رہتے ہیں، اس کے سامنے ہمارے وجود پر پھیلے رہتے ہیں۔ تاہم موت کو ایک ناقابل انکار حقیقت کے طور پر قبول کرنے کے بعد ایک مثبت رویہ اٹھتا ہے کہ جب تک ہم زندہ ہیں ہم صدقہ (Authentic) زندگی گزاریں۔ یعنی اپنے وجود سہولتوں کے تقاضوں کی تکمیل کریں اور اپنے شعوری فیصلوں کی روشنی میں شاپروہ حیات کا سفر طے کریں۔ یہی دیکھ سہولتوں کا وہ مخصوص نقشہ اٹھتا ہے جو انتخاب اور آزادی سے متعلق ہے۔ کبیر کی گیارہویں صحت ابراہیم کی مثال دیتا ہے صحت ابراہیم کو جب وہ حقیر و راجی ذرا قرآن کا ایک ہی خواب نظر آیا تو وہ فیصلہ نہ کر پائے کہ یہ واقعی تم حق ہے یا کوئی شیطان دوسرے اس کو کہہ کی کیفیت سے کرب (Anguish) کی کیفیت پیدا ہوئی لیکن جب انہوں نے ایک فیصلہ کر لیا اور ایک رات کو عمل منتخب کر لیا تو انہیں کرب سے بے جا ہوتی گئی۔ زندگی جو کسی فیصلے کی رو میں صحت ہو صدقہ ہوتی ہے لیکن جس طرز زندگی کا غور انسان کا فیصلہ اور انتخاب نہ ہو تو غیر صدقہ ہوتی ہے جیسا کہ سارتر نے مدد سے کے لیل "حقی" (Hawson) کا ایک طویل عرصہ تک کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا اور کیناک اور غیر صدقہ زندگی گزارتا ہے۔ سارتر نے اسے ہی جیسا کہ ایک فیصلہ ہو جاتا ہے کہ انسان کو خدا دیکھنا "مطلوبہ" چاہیے ہے۔

"Man is condemned to be free" (ہر لوگ اپنا حق آزادی اور حق انتخاب استعمال نہیں کرتے وہ غیر صدقہ اور کیناک زندگی گزارتے ہیں۔)

دیکھ سہولتوں اور سے باہر کی طرف نہیں بلکہ ہمارے اندر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنی اطاعت کو کسی خارجی وحدت میں

کم کرنے کی بجائے اس کا مثبت کرتے ہیں اور اپنی سوشلزمیت کو صداقت ماننے میں کہنے سے باہر کسی حقیقت کو صداقت (Truth) قرار نہیں دیتے۔ اس کے نزدیک عقلی، سائنس، ٹیکنالوجی، کرب، عجب اور انسانی الٹی دنیاوی حقائق ہیں جو کہ عقلی صورتِ مل (Human Predicament) سے متعلق ہیں۔

خواہ کبیر کی نگارڈ کی انسانی وجودیت ہو یا سارتر کی عقلی وجودیت، اس کے بنیادی تصورِ عقل وہ ہیں جو لوہے جیٹ کے گئے ہیں۔ اگر ہم غالب اور وجودیت کے عقلی اور تکنیکی رجحان پر غور کریں تو وہاں میں گرمی، سائنس، بائیس کے وجودیت کی تحریک وہ ہیں جنہوں کے بعد ابھی وہی عقلی غور کی کوئی قدر و قیمت نہ رہی اور رنگ کے عقلی نے شہر کے شراب خانہ کے دھڑکا دالے تو عقلیت پر غور۔ عقل کے خلاف ردِ عمل پیدا ہوا اور فرد کی انفرادیت کو پہلنے کا رجحان ابھرا وہ پڑے پڑے آدھ میں کے پیچھے قوی وابستہ کیوں اور سیاسی مذہبی مفادات پر مشرور تھے اور جن کی ہیئت پرزادوں انہوں عقلی جانی چند بجلی تھیں سائنس مغربی کی عقلوں سے کر گئے۔ اس میں نے گرمی اور قوی عقل اور عقلی حکم کو پہلنے کی بجائے فرد اور اس کی انفرادیت کو پہلنے کی کم شہر کر دی۔ غالب نے بھی جب شعور کی آگ کھلی تو اپنے فرد گرد سیاسی و ملکی رویوں عقل کے مناظر دیکھے۔ ایک عظیم عقلی سلطنت کے اندام کے آخری مراحل میں کی آگہوں کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ اگرچہ وہی عقلی فرائیڈ کی ہے یہی اور بد عقلی عقل کی فرائیڈ اور عہدہ کی عقل و عمارت کے واقعات نے اسے بھی عقلی صورتِ مل کو اسی زاویہ نگاہ سے دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا جس سے عقلی مغربی نے رنگ کے بعد بد عقلی عوام کو دیکھا تھا۔ چاہے یہی شہر کی منطق سے غالب کی داخلی وادرات کو وجودیت کے حربے رنگ میں رنگ رہا یہی ہے جس میں غالب میں عقلیت سے بڑا ہی فرد کی انفرادیت کو پہلنے کا قوی رجحان نظر آتا ہے۔ بنیادی عقلی صورتِ مل کے بارے میں اس کے بعض افسانہ سے بہتر اور واضح ہے کہ وجودیت کا فلسفہ اس کی گرد کو بھی نہیں بھیج سکتا۔ بلکہ میں ہم غالب کے چند افسانہ کا چارہ لیتے ہیں جو بنیادی عقلی صورتِ مل کی وجودیت کے رنگ میں لکھی کرتے ہیں۔

کلر کو سخت جانی ہائے عقلی نہ پچھ

مج کا شام کا آگاہ ہے بڑے شیر کا

اس شعر میں غالب نے عقلی صورتِ مل کی ایک بنیادی کیفیت یعنی عقلی کو اپنی طرح سے لکھا اور تفکر اور صداقت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حدود عقلیت پر عقلی عقلی طرح بھی اس طرح اسے پیش نہیں کر سکتی۔ جس طرح سائنس دہن اپنے مخصوص طریق کار اور طریقہ سائنس سے سبب عقلی سائنس حقائق کو طرہ عام پر لانا ہے اس طرح ایک ایسا اثر عقلی ذات کی مرضی صداقتوں کو اپنے افسانہ میں پیش کرنا ہے۔ وجودیت کا فلسفہ بھی عقلی کی اساسی صداقتوں سے قرض کرتا ہے اور اس ضمن میں عقلی کی کیفیت کا سب سے پہلے ذکر کرتا ہے کہ کہ عقلی وہی عقلی صورتِ مل پر سبب کی سے نور کرتا ہے تو عقلی کے اساس کا اسے سب سے پہلے سنا کر پڑا ہے۔ عقلی عقیدہ کا طریقہ ذہنوں سے چھڑنے کا علم نہیں بلکہ ایک ایسا عقلی اساس ہے جو عقلی کے طرہ میں گھومنا ہوا ہے۔ حدود عقلی کی کیفیات اسے علم منطوق عقلی اور صورتِ مل دینا عقلی کے اسی اساس سے پھرتے ہیں۔ ایک عظیم تفکر میں اساس عقلی بہت زیادہ ہوتا ہے کہ کہ وہ عوام کی بیز ہلا سے گریض ہوتا ہے۔ کبیر کی نگارڈ کی طرح غالب بھی عوامی بیز ہلا اور عوام کا فلسفہ نہ تھا۔ اپنے تفکروں کی صورتِ مل اور بنیادی عقلی اساس عوام کی ذاتی رخ سے بہت دور لے جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے تفکروں کی عوامی رخ پر قدر نہیں ہوتی اور وہ ایک قسم کے اساس عوامی کا فکر رہتے ہیں۔ کبیر کی نگارڈ سبب ہو کہ ایک عوامی بیز کا کہ کہ لکھ لکھنے درست کی شرح پر دینا ہوا ہے تو دراصل اس نے اپنی اسی عقلی اور عوامی کا عوامی دینا ہے۔ غالب کا بھی یہی حال تھا۔

میں ہوں اور افسردگی کی گونج غالب کے دل

دیکھ کر غمزدہ پنک اہل دانا جلی گیا

وہ اصل ایک ایسے مفکر کی حسین دستاویز کے لیے اہل عرف کے ساتھ ذہنی افق کا وسیع ہوا بھی ضروری ہوتا ہے۔ تمام انسانی صفات سے محروم ہوتے ہیں اور غالب کے افکار تو دیکھنے ہی اپنے عہد سے بہت آگے تھے اسی لیے اسے اپنے ہم وطنوں سے بڑا گھروہ تھا۔ ہم کہیں کے دانا تھے اس قدر میں بیکار تھے

بے سبب ہوا غالب دشمن کہیں اپنا

لوگوں کی بے قدری، منافقت اور کرب کا احساس غالب کو دو سطروں پر قد تک رسا تو صرف ہندو ہے، فنکاروں کے لیے مخصوص ہے۔ اپنی عورت فکر اور غیر معمولی محبت کی وجہ سے وہ عام لوگوں سے کٹ چلتے ہیں۔ وہ سری رسا ہے وہ جنم نئی قریب انسانی کے ساتھ عقلی منافقت اور کرب کا شکار ہوتے ہیں۔ یعنی یہ صورت حال مخصوص سماجی مطلق و مذہبی مصلحت کی پیدائش نہیں بلکہ خاصیت انسانی صورت حال ہے اور جنم انسانی کی شکل طور پر اس کا شکار ہیں۔

تو نہایت و بد فہم اصل میں دونوں ایک ہیں

سوت سے پہلے کوئی فہم سے نہایت ہائے کیوں

یہی غالب نے تو نہایت اور بد فہم کو اسی مضمون میں استعمال کیا ہے جس میں یہی کتبہ بگڑا دے کہ کرب نہایت کو غمزدہ کا رنگ "Anguish is natural to man" (Sickness unto Death) کیا ہے۔ سادہ طور سے اس بنیادی صورت حال کی تشریح و توضیح کے لیے کوئی پڑائی ہمیشہ کی ہیں لیکن غالب نے محدود ہوا

ایک ہی شعر میں وہاں کو اسے میں بد کر دیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑا افکار دو سطروں پر منافقت اور عقلی کا شکار ہوتا ہے۔ ایک عقلی رسا ہے جس پر کہ جنم انسانی اس کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ صرف مخصوص رسا پر عقل اسے عقلی فکر ہوتے کا کرب سمجھتا پڑا ہے۔

غالب کے اشعار کی تفہیم کی ایک عام اور دوامی رسا ہے جس پر کہ اس کے اشعار کو سمجھا جاتا ہے لیکن ان میں یہ صلاحیت بھی موجود ہے کہ انہیں ایک بانہ زبیر الطبیعیاتی رسا پر بھی سمجھا جاسکے۔ ایک عظیم فن پارے کا یہ وصف ہوتا ہے کہ وہ ذہنی دشمنان کی حد بندیوں کو محدود کر کے اپنی صداقتوں کی روحانی سے منور ہو جاتا ہے۔ کام غالب کا کوئی بھی سوال ہے۔ جو کہ یہ ایک گہری روحانی وارفتگی سے گھرا ہوا ہے اس لیے اس میں ہمیں وحدت وجود، خصوصیت، انسانیت، دوستی اور دشمنیت کی بنیادی صداقتوں کا انعکاس ملتا ہے۔ وحدت میں جس طرح عقلی منافقت اور کرب بنیادی انسانی صورت حال سے متعلق ہیں اس طرح آدھاری "انقلاب اور لوہہ بھی اس سے متعلق ہیں۔ اگر ہم وحدت کے تصور انقلاب و آدھاری کے جائز میں غالب کے بعض اشعار کا جائزہ لیں تو بیکر نے مطلب بدلے دینے آئیں گے۔

عقل بنیادی ہے کس کی شہنی قہر کا

عقلی ہے جو میں ہر حکم قصور کا

عقل میں بندوبست برکتی دگر ہے قہر

قہر کا طعن مطلق وحدت وہ ہے قہر

”آ ہے آہد پارہ دن ہ صبح کے ساتھ

نہ صبح نہ شام نہ دن سے نہ

”غالب یہ کہ ہے کہ کوئی ان کی فطرت و عظمت سے انکے نہیں اور وہ نکاتے وہ اس کی ترسہ نہیں انکی اپنے چہلے وہ اس
 ”آ ہے کہ خدا نہیں پہنچتی اولیٰ عطا کرے کہ وہ اس کے عظمت کو سمجھ نہیں۔

”غالب وہ نہ کہجے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات

وہے اور دل ان کو نہ دے نہ کہ کو نہ جانے اور

”لیکن تو، غالب اپنی فطرت و عظمت سے پوری طرح انکے ہے اور بھڑکی بکے عظمت کے پھر اپنے منصب تحقیق ہے، شہداد ہوئے
 کو چار نہیں۔

”پھر انوں کا میں نہ اس بات نظر کا پہنچ

پھر اسے نہ حق کو مجھے ان کے بغیر

”اس شعر سے یہ چہا ہے کہ غالب کی اپنے فہ سے کسی قدر گہری شکست صحت“ حق کسی قیمت پر بھی میں ان سے دور کر دیتی
 — لے چار نہیں اس کا یہی چہا اسے ”حقہ از حق“ ہا آ ہے اپنے منصب اور اپنے توفیق سے اس کی وطن و باطنی اسے تمام انوں
 سے ہوا کہ وہی ہے توفیق اور عظمت کا اس میں اپنی بکے ”لیکن غالب اپنی“ شکست صحت“ سے اور یہ بھی جیسے نہیں جتا اس نے اسے
 ”خود کی عظمت میں“ خود صحت“ قرار دیا ہا نکات ہے۔

”ہب وہ اپنی دھوز صحت مر بخود

”تپ ہی سزا فکار سوز پہ میں نہ پہنچائے کیوں

”ایک عظیم فکار کے اپنے ہی معاشرے میں انہی کو پہنچا کا یہاں ”ہب وہ آ ہے کہ وہ صوبہ پنج اور محکمہ ہئی دار ہے چہا ہند میں
 کر سہ، اپنی ایک دنیا تخلیق کر آ ہے اور اس کی محکمہ فکار میں شب و روز گزار آ ہے، اپنی باطنی و اوقات میں تو کوں کو شریک کرے کی
 نہ فکری کر آ ہے لیکن اسے ہاں ہی ہے سب کچھ کہ ہے کہ جس جنت کے حصول کے لئے وہ فہم لڑتی رہا ہے اور ان فکری
 حقیقتیں کہتے ہیں وہ آ میرے فہم الشور کا اپنی کر ہے۔

”سائل کہ ہے زلمہ اس قدر میں ہاں روضوں کا

”وہ آہ لکھتے ہے ہم روضوں کے حق نہیں کا

”غالب پہل روضوں کا سفر نہیں اس کے بندے تو انہی اور فاضلوں سے غرت ہے فہم کا طر آتے ہاں نکات ہے کہ اسے جسے
 نے لے بھی روانی طریق کے ہاں اور کوئی طریق نہ سہا۔

”چہا ہر مر نہ کا آہیں اسے

”مرکتبہ عالم روضہ و تہو کا

”غالب کے لئے فہم روانی فکار کی حاکم ہے ہاں لے ”اسے ہاں ہی کی نظر سے نہیں دیکھتے فہم کا ہر ہاں اسے ہاں ہی
 ”لکھنے کی سہی کر آ ایک عام ی اور روانی بات ہے۔ ہر کے جسے سے سہا اور ہاں ہی کے عالم میں خود بخود کر لہا عام اور روانی باتیں ہیں
 جس میں تحقیق و حجت اور عقل کی جگہ پر دانی کا فہم نظر آتا ہے۔

کو کس تلاش پہ تھل تھری تھا اسد
 شک سے سوار کر ہوسے نہ چلا آگیا
 دلائل لگاؤں کے ہی ازلہ دور کو تحقیق لاری کے ایک بانہ ترسے پے مار بکتا ہے۔
 لغو اپنا ہی حقیقت میں ہے دلیلیں
 ہم کو تھپہ شک علیہ تصور نہیں
 میں داری اصل بھی اگرچہ قوی ہے لیکن ہم تصور کی کم عقلی میں اس کی طرح ناقابلِ تاخیر میں لگتے تھپہ سے گریز اور بے
 پیر کی تلاش غالب میں اتنی شدید ہے کہ وہ کہلاتا ہے۔

دلیلیں کی رسم کہ گرد و غبار دوزخ جاسے من
 واسے گرہنہ ہمیں اموز من فوہائے من

یعنی مجھے دوزخ سے لگا دار نہیں لگا ہوا اس بات سے لگتا ہے کہ کہیں کی کم پختہ زندگی عورت کر آئے اور صوبہ صوبہ و فوادا
 و آفرات میں تکیں ہو جائیں۔ غالب کے نزدیک یکسانیت اور ایک ہی ڈگر پر چلنے والا غالب دوزخ سے بھی بڑا ہے۔
 اصل لوگ غالب کو حقیقت پرستی کا طعن دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب میں ہمیں عقول کی طرح کی دہانیت اور
 لولہ صوری فکر میں آتی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ فطری احساس کو بدھا کر اس کی تہذیب و تہذیب کی علامت بدل دیا معلوم ہو
 رہی تھی۔ وہ دوزخ اور پستی اور ستوں کو سوارا دے کر نفس بوس ہوئے سے چاہیں سکا تھلہ لگا اس نے وہ دوزخ پاتا جس میں
 انسان اپنی صورت حال (Predicament) پر سمجھتی ہے۔ غور کرتا ہے اور دوزخ کی فن شرافت و کیا بات کو نکلے دل سے قبول کر لیتا ہے
 جن سے طر حلق نہیں۔ لہذا عقلی معانات کہہ سکتے ہیں کہ وہ دوزخ و دوزخ کا اس نے لاکھوں تہذیب کی حیثیت سے اپنی شعری و تنقیدی
 قریبوں میں تاکہ کیا ہے۔ اس سے اسے فطری سمجھتا ہے۔ لیکن اس کی اپنے آواز سے دہائی اور ہیئت ایک فکر تخلیقی کو سہ
 سہت کہ حقیقت پرستی ہے۔ اس نے اپنی جیسے لولہ صوم اور دہانیت پرست شعرو حکیم کو اس دقت قریبہ عقل دی وہ کہ ”تہذیب نام“ کے
 بعد ”تہذیب نام“ کا فعل جاری ہو چکا تھا۔

غالب کی تخیلی فکر

غالب کی شاعری کو بخیریت سمجھنا تین امور میں تقسیم کیا جا سکتا ہے تاریخی طور پر پہلا دور وہ ہے جس میں بیدل کے اثرات نمایاں ہیں اس دور میں غالب نے فارسی شاعری میں اپنی ہیبت ستواسے پر توجہ مرکوز کرنے اور کئی دور کو فارسی کی شعری روایت کا احاطہ سمجھنے کے لیے اور اپنا مقام دینی نظری اور بیدل کی صف میں دیکھنا چاہتے تھے اپنی شعرا کی طرز پر شعر کہنے کی انہوں نے غالب کو مشکل پہنچا دیا اور ان کی اور شاعری پرستان سازی کا عمل بھی کئی دور سے دور میں ان کے اہلکار میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی۔ دوسرا دور ہے جس پر ان کی شاعرانہ عقلیت کا اضمحلال ہے تیسرے دور میں غالب کا کام سل مسیح کی عہد مثل ہے۔ غالب کے پہلے دور کی شاعری کو سمجھنے کے لیے ان کا ایک شعر دیکھتے۔

کلفت دہا این وقت فطرت دہا کج

شوق کسے ہو سرگرمی فعل غالب ہا کج

یہاں این وقت سے دنیا اور فطرت مراد ہے جس کے درمیان ربط اور ہم آہنگی کی کاوش کو زندگی کے مقاصد سے فطرت قرار دیا گیا ہے جب کہ غالب کے نزدیک انسان کو چاہئے کہ وہ شوق کو رہنما کرے اور اگر وہاں تک بھی جائے تو سر کے بل چہا چاہئے کہ حرکت ہی زندگی ہے اور رک چاہا سو۔ ہم اس مضمون تک پہنچنے کے لیے ابھی خاصی دینی وردش کی ضرورت ہے اس دور میں غالب جس طرح فارسی زبان کی حدیث کے ادیب کیلیوں کو مجسم کرتے ہیں اس کی ایک مثال ان اشعار میں دیکھ لیتے۔

بہن زار خنیا ہو کیا صرف غرض نہیں

بہار نام رنگ تو صورت فاک جاتی ہے

نہ حیرت ہنم سہلی کی نہ صہبت دور سفر کی

مری مصلحت میں غالب گردش افکار جاتی ہے

اس وقت تک اردو شاعری بہت آگے جا چکی تھی اس لیے غالب کا یہ انداز سانسے باقی کڑی میں اپنا ہے اس نے زیادہ سے زیادہ ان کی انفرادیت کا ایک نقش قائم کرنے کے کوئی ایسا آثر یا ایسی جوش نگاہ ہے ان کے کہ جس کی وسعت اور شدت سے طبیعت کو عہد کشف کی لذت نصیب ہو سکتی۔ غالب ہی کے بقول۔

بہن گسے سے دل دم شکوہ کردہ

لذت غرض شکوہ عہد مشکل نہ چاہے

غالب سے پہلے اردو شاعری دو نہایت شعور کو سراہا دیکھ چکی تھی جس میں سے ایک دور دہلی کا تھا جس کے لائق شعرا میر تقی میر اور دہلی کے دوسرا دور گھنٹہ کا تھا جس کے سرگرم شعرا میں آغلی و قلی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ شعرا شعرا میں غالب نے جس نوع کی شاعری اردو میں کی اسے نہایت معقول و مدلل کے بعد فارسی میں مشکل کیا جا سکتا ہے۔ وہی امرتہ فارسی کے عہد اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ غالب کے شعری مطالب اس زبان میں لادھیں کے چاہتے تھے جو ان کے عہد کی زبان تھی اور جس کے لائق شعرا نہ تھے۔ ذوق کی شاعری اپنے عہد کی دہلی کے اہلکاروں اور دہلی سے موزن تھی یہی وجہ ہے کہ وہ انداز کے عہد سے غالب سے بہر شاعر کہے جاتے تھے اس وقت ایک طرف تو دہلی کی روایت ہندی اور عہد ہندی تھی اور دوسری طرف گھنٹہ کی عہدیت ہندی اور دہلی انہیں کے شعری بیج دیکر اس کے

مصدق وہاں سے اصرہی ہے جذبہ اور تحلیل کی لہا میں سانس بچ ہے اور فکر کی پادشاه کو سر کرتی ہے شاعری سے رہا۔ وہاں وہ انکار چاہے
 ہیں جو دنیا کی تقابلاً ہر جہتی شاعری میں ہے چلتے ہیں۔

عالم کی شاعری کا وہ ہیں دور شاعرانہ صفت افسانہ کی پہچان کا مرحلہ ہے ہر بڑا شاعر مقام کے لئے نئے امکانات دریافت کرتا ہے جس عہد میں
 وہ رہتا ہے اس کا طرز ہیں اس سے لئے کافی ہوتا ہے اسی لئے وہ کبھی روایت سے دھریا کرتا ہے تو کبھی اپنے انفرادی تجربے اور انفرادہ کو روایت
 دیتا ہے اور باطن میں دونوں کے امتزاج سے ایک نئے تجربہ ایک نئی روایت اور ایک نئے اسلوب کا تشکیل دیتا ہے۔ عالم کا کمال یہ ہے کہ
 انہوں نے ہماری شاعری کے معجزوں کو اپنا اسلوب کے درپے اردو شاعری میں سودا اور ایک ایسی نئی شعری زبان ترتیب دی جسے نظم و نثر
 دونوں کی حیثیت پر مقرر کیا ہوا تھا۔ عالم کا شاعرانہ تجربہ یہ روایت ہے شخصیت مجموعی انضمام پذیر ہو چکی تھی عالم نے اسے ایک
 نئی ترقیاتی مہم کی اور اپنے انفرادی شعری تجربے سے اس کے حق سودا میں نئی دھاری پیدا کی۔ عالم کے اسلوب شاعری کا سب سے کمال ذکر
 یہ ہے کہ اس نے اردو شاعری و انکار چاہے کا حتمی پایا عالم سے پہلے بھی فکر کی آزادی شاعری میں موجود تھی اس طرح ہر بڑی شاعری میں
 آغاز طور پر ہوتے ہیں لیکن اردو شاعری میں یہ فکر کسی جہتی ترقی یافتہ سوچ کا تجربہ کی تائید واد نہیں بلکہ نئی تھی عالم سے پہلے کی اردو شاعری
 میں کمرے مطالب تھے جن صرف درد اور پھر کے پہلے بھروسہ۔ کے حوالے سے کسی قدر فکر کی ضرورت چلتے ہیں اسی طرح دہائی طور پر
 تصوف کے مضامین محدود سطح پر شعور کے پہلے موجود ہیں اس اعتبار سے دیکھا جائے تو عالم کے پہلے پہلی مرتبہ لہجوں تخلیق سوچ اور کسی
 حد تک مربوط فکر و کمالی دیتا ہے۔ عالم ہی نے شاعری میں حقیقی فکر کی گہرائی پیدا کی۔ ترقی یافتہ اور نیکرد شاعری میں یہ قوی امکان ہوتا ہے
 کہ شعریک راخا اور سلی ہو جائے یا اس میں شعوریت باقی نہ رہے جیسے عالم ہی کا یہ شعرا ہی دوسرے میں آتا ہے۔

نہ تھا کہ تو خدا تھا کہ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

دوایا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

جہاں کہ اردو شاعرانہ جذبہ اور تحلیل کی تہذیب کا نام ہے اور فلسفہ اپنی دہائی اور سوچ کے مختلف زوایوں کی تلاش کی کرنا
 ہے تاہم عالم کے پہلے ایک کوہ شعر کے سوا ہر جہت جذبہ اور فکر دونوں باہم جڑست نظر آتے ہیں دیکھئے۔

فطرت قطب ہے دنیا میں خدا ہو جا

درد کا درد سے گزرتا ہے روا ہو جا

ہے خیال حسن میں حسن فعل کا سا خیال

خدا کا اک دور ہے میری گود کے اندر کھلا

ہے رنگِ فلق و گلِ نرسن ہوا ہوا

ہر رنگ میں ہوا کا اثبات چاہئے

وہی اک ہلت ہے ہو یوں جس دہلی گھٹ مٹی ہے

ہمیں کا جلوہ چھٹ ہے مری رنجیں توئی کا

مرا ہستی و اسد ن سے ہو 2 مرے طبع

شعب ہر رنگ میں جلتی ہے عر ہونے تک

کھیل گردش عام سے گھرا نہ جائے بل
 انسان ہوں چلے و سفر نہیں ہوں میں
 دور آ جاؤں کھیل مشق نہیں
 ہم کہاں جاتے اگر حسن نہ ہو، خودی
 ہو خاص سوچ رنگ کے دھوکے میں سرگما
 اسے دانے تلے لب لبوں دانے کلی
 چشم لبوں غامضی میں بھی نوا پہاڑ ہے
 سورت کو کہو کہ دور خط کو کہو ہے
 دم و حرم آئینہ فکر قنار
 دلائی شوق تراشے ہے پتلی
 کہ ہے شوق کو دل میں بھی غلی ہوا
 سر میں محو ہوا بظرب رمل کا

عالم نے نزل کے دامن کو خضباتی ہارک بنی، تحلیل نفسی اور ادبی درجے کے شاعرانہ شعرتے بھروسے ہے انہوں نے یہ صرف اردو نزل کا درد اور سنے تجلیات اور انی انگیزیں کے لئے کھود بلکہ نزل کو گھر و احساس اور جذبہ تحلیل کی نئی دنیا عطاوا انکی ہزاروں درکابہ واضح کہیں جن کے ذریعے سے طرز احساس کی صورت گری ممکن ہوئی۔ اگر عالم کی شاعری نہ ہوتی تو شاید اقبال کی شاعری کو وہ فکری احساس میسر نہ ہوتی جس نے اقبال کی شاعری میں کھیلانہ انداز فکر اور قطعیانہ نقطہ نظر کو پیدا کیا اس اعتبار سے عالم اردو کے پہلے فلسفی شاعر اور اقبال بعد مذہب و سر۔ عالم کی شاعری میں فکری عناصر ہی طرح موجود ہیں جیسے عجب میں ابرمتے ہوئے ایک تاریخ کی نگاہ کا انکسار ہوتا ہے۔

اٹھرا ہوا غلب میں ہے میں کے ایک تار
مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو

جب کہ اقبل بعد ششہائی شعرا میں لئے ہیں کہ ان کے یہاں افکار کا پورا نظام حرکت کر رہا ہے۔ غالب نے اردو شاعری کے مستقبل کو فانیوار ہمت سے شکلا کیا تھا انہوں نے زندگی اور اس کے دیوان کا نکلت اور اس کے بعد وہ اور فطرت اور اس کی پساتیوں کو انکار کیا اگرچہ بعض صورتوں میں غالب کا نظریہ ٹھیک نہ رہا ہے تاہم ان کی شاعری میں شہرت اور عظمت تک وقت محدود رہا ہے یہی ان کی شاعری کا خصوصی آنگ ہے جو صرف اور صرف غالب کی پہچان ہے۔ امروا یہ ہے کہ غالب کے ہمت سے لہجہ کی افکار فاری شاعری سے آئے ہیں مگر ان کی دونوں زبانوں کی شاعری کو سامنے رکھا جائے تو غالب کے یہاں ایک نیا قصود انسان اور ان کا نظریہ آتا ہے وہ خود ہی ایک پنگاہ پرورد اور انتساب آفریں شخصیت کے طور پر سامنے آتے ہیں خصوصاً ان کی فاری شاعری بڑی دلور اور انجیز ہے اس میں وہ جہالت فر ہے جو ہمیں فاری میں عرفی کے یہاں دکھائی دیتی ہے۔ غالب اپنی فاری شاعری میں ہوش مہیات کے قریب دکھائی دیتے ہیں ان کی شاعری میں گرمی شکلا اور دلور تحقیق نے پیچھے دیا کہ اپنی خواہشوں اور آرزوؤں کے مطابق بدلنے کا عزم تھا ہے مگر ان کی اردو اور فاری شاعری کو ماکر دیکھا جائے تو وہ ایک حقیقی انتساب آفریں شاعر نظر آتے ہیں۔

مطلب کا نڈہ جیتہ ہستی کا قاضی شامی میں مظلومین فرسودہ اور ذلیلانہ ہونے کے لیے جسے اس میں بکڑی کی ملک و قبیحہ کا ایسا تھا اس میں

دست لگ کر شعر کوئی بنا اور ایک یا قصہ جیت سرے سے بلیہ تھا اس پس سحر میں غالب دست کی حاکم میں نکلے ان کی شاعری میں ایک نیرت
 انگیزہ غصیت نمودار ہوئی۔ شاعری کو دیکھیں تو میں لگتا ہے جیسے نوحہ کی ہے رنگ اور شکر دہن سے لافیت کا پتھر پھوٹ پڑا ہو۔ غالب کے
 یہاں انشیا میں اصرار والے ایک سے تمام ایک ہی تہذیب اور ایک سے تین کا تجربہ اور مشرق کی فنی "طنی اور اپنی روح دونوں ایک ایک
 مودہ ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں زندگی کے نفسانی حقائق کا گہرا شعور ملا ہے جس سے کہم لے کر انہوں نے عربی شاعری کو دنیا کی
 عظیم شاعری کا حریف بنادیا۔

یہاں شاعر اپنے ساتھ زبان و خیال کی وسیع دنیا لے کر آتا ہے کہ غالب کے یہاں بھی فکر کی گہرائی "ہندہ کی صورت امساں کی تونکی" عقل کی
 قدرت اور شاعرانہ تجربہ کی دست نگر آتی ہے۔ "وہ دلیات کی عقلی سے پاندی کے قائل نہیں بلکہ فرسودہ بے جان اور بوجہل دولت کے نزدیک
 گستاخ نظر آتے ہیں ان کی شاعری میں فکر کی ایک ہی دنیا" معنی کا ایک بے جان اور اصطلاحات کا ایک بے جان ایک مودہ ہے انہوں نے اپنے
 تعب و اس اور قصودات کے ذریعے ایک یا کھف حیات پیدا کیا وہ خود اگرچہ قدیم و جدید کی سرحد پر گزرتے تھے اور انہیں اپنی قدیمی فکر اور
 ترقی دلیات سے جھجھکنے کا باعث غم بھی تھا لیکن وہ باطنی پرست پرگزرتے تھے انہیں نو سے اور باہر طراکمن پہ لڑنے ان کی فطرت میں ہی رہا تھا
 اس لئے انہوں نے بے نڈے اور نئی تہذیب کا اشتہار دے کر ہر ش طریقے سے کہہ سرسید احمد علی کی کیف آئیں انہیں یہ انہوں نے جو
 معلوم تقریب یہ زبان فارسی کہیں اس میں سرسید کے کام کو مودہ پوری سے تعبیر کر کے نئی تہذیب کی کہ کاملا ان لفظوں میں کیا۔

نظر پائے دھڑ از ساز توند

قلب ہیں طائر پہاڑ توند

غالب کی معقول کی طرف گہرائی آنکھ نے ایک ہی دنیا کو تصور پائے ہوئے دیکھ لیا تھا کلک کو جو انگریزوں کی مرکز میں کام کر رہا غالب اپنی
 دہائی میں دیکھ آئے تھے اور وہاں کی رونقوں اور دلچسپیوں سے بے چارے حائر ہوئے تھے یہی وجہ ہے کہ غالب کی شاعری میں قدیم لہجے کے شعور
 سے ایک سے لہجے کے اور ایک تک کا سفر کوئی دیر ہے۔

اس ساری بحث کا مقصد غالب کے عقائد شعور کا کھنکھانا ہے۔ غالب سے پہلے عربی شاعری میں فکر کا عنصر محض تصوف کے مضامین کے
 حوالے سے ہے مگر مشکل یہ ہے کہ تصوف میں بطورائے اس حقیقتوں اور دلیوں کو موضوع دیا جاتا ہے ان موضوعات کا زندگی کے نفس مادی
 حقائق سے کچھ تعلق نہیں یہی وجہ ہے کہ تصوف کے مضامین محدود و پھوڑ کر اردو کے تمام شاعروں کے یہاں دہائی طور پر موجود ہیں۔ طوائف
 محدود ہیں کہ خود علامہ مصطفیٰ نے اس لئے ان کے یہاں تصوف کی بدولت "تہذیب تصوف کی اصطلاحوں میں بیان ہوئی ہے تمام انہوں نے بھی
 حقیقت کی حیل تک پہنچنے کے لئے ہمازی کی پیڑھی کو اشتہار کیا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ غالب سے پہلے عربی شاعری میں تصوف کے مضامین کو
 پھوڑ کر زندگی کے بدلے میں خالص عقائد غلط فکر موجود تھا۔ یہاں یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ کیا شاعری اور فلسفے میں کوئی ناگزیر تعلق
 ہے؟ کیا شاعری فلسفہ ہی تھی ہے؟ یا فلسفہ شاعری میں داخل نہ تھا ہے؟ فلسفہ تو زندگی کی بنیادی حقیقتوں کا سراغ لگاتا ہے۔ جی کیا ہے؟ کیوں
 ہے؟ کیسے ہے؟ اس لئے ہے؟ فلسفہ ان سوالات کو تحلیل کرنے میں محض کا کارواں اختیار کرتا ہے۔ فلسفہ کا ہدف بھی یہی ہے کہ ہم عقل کے
 ذریعے حقائق اور حقیقت کو جان سکتے ہیں۔ فلسفہ سائنس کے عام مواد سے اپنے اصول وضع کرتا ہے اور عناصر عقل کے ذریعے زندگی تک پہنچتا
 جاتا ہے انسان ہیں کہ اپنے حواس کے ذریعے علم حاصل کرتا ہے اس لئے قلیل کا تعلق لقیات سے بھی ہے جب کہ شاعری میں قلیل عقلی
 اموروں کے قصے نہیں بلکہ ایک مسئلہ کے تحت آتا ہے قصہ ہم شاعر کا فلسفہ جیت کتے ہیں یہ دراصل ایک عمومی مدعی ہے کہ ہر شاعر کے یہاں
 مودہ وہاں ہے خواہ وہ عقلی شاعر ہو یا نہ ہو۔ شاعر کچھ چیزوں کا عقلی اور ایک رکھتا ہے اور کچھ چیزوں کو صرف محسوس کرتا ہے کیسے وہ اور وہاں
 ہوتے ہیں یہ اس کا عقلی اور ایک ہے یا جیسے غفلت کا حسن محسوس کرنے کی چیز ہے اسی طرح محبت "غرابت" "فصل" "پیدا" "رحمت اور رنگ بنیادی

طور پر اس مکتب میں اس لئے شاعری اور فلسفہ دو الگ الگ اصطلاحیں اور فن کی صورتیں ہیں۔ شاعری فلسفہ ہی تو کہتی ہے بشرطیکہ اس کی شمعیت قائم رہے۔ جیسے فلسفہ شاعری میں داخل نہ کیا جاسکے۔ بلکہ یہی شاعری میں ڈال کر لیا ہوا ہے کہ تمام شاعری بنیادی طور پر جذبات اور احساسات سے تعلق رکھتی ہے اور انہی کے ذریعے سے ہمیں حقائق سمجھائی جاتے ہیں۔ شاعر غالب جذبات و احساس کے ذریعے حقائق ہم تک پہنچاتا ہے تو وہ محسوس کو محسوس اور محسوس کو محسوس بناتا ہے۔ یہی وہ مددگار ہے جس کو محسوس کو حقائق میں ڈال کر لیا جاتا ہے۔ شاعری اور فلسفہ میں یہی تعلق ہے اسی لئے شاعری اور فلسفہ کہاں تو ہو سکتے ہیں۔ لیکن شاعری بھی عمل طور پر فلسفہ کا فلسفہ بھی عمل طور پر شاعری نہیں ہی سکتا۔ مگر یہ کہ وہ شاعری سے بعد رہا ہے اس لئے کہ شاعری ہر صورت منطق نہیں ہے۔ شاعری عقل کی وسعت پر اور کام ہے منطق تو فکر میں رابطہ تلاش کرتی ہے اسے مستند کرتی ہے مگر شاعری فکر کو تخلیق سچا پر حرکت دے کر فکر اور جذبہ کو ہم آہنگ کر دیتی ہے اور یہی کام غالب کی شاعری نے بھی کیا ہے۔

درازاں دھڑلے اپنے نظریہ شاعری کے بیان میں کرتا تھا کہ شاعری میں فکر جذبہ کی آواز سے پہلے اٹھتا ہے غالب کا کہنا یہی ہے کہ احساس نے فکر اور جذبہ کو یک جہاں بنادیا ہے۔ فلسفیانہ شاعری وہ نہیں جس میں کسی قسم کے منظم کر دیا جائے۔ فلسفیانہ شاعری وہ ہے جو ہمیں زندگی کے بعض پہلوؤں اور مشکلات سے آشنا کرے اور جس میں حقائق کی جستجو کا عمل درخشاں ہے۔ یہی وہ شاعر ہے جو دنیا کی تمام بنی شاعری یہ آواز اپنے اندر لازمی طور پر رکھتی ہے۔ وہ ہمیں زندگی کا کھٹک اور انسان کے بارے میں کوئی نہ کوئی نئی بصیرت عطا کرتی ہے۔ غالب کی شاعری اپنی خیالی الطرز ہی بصیرت آمیز اور خود مددگار کی جدت و نیا کی بنی شاعری کی ہم پلہ ہے۔ اقبال نے تو انہیں عطا طور پر جو مٹی کے منظر شاعر گوشت کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ غالب کا یہ موقف اقبال نے سمجھا تھا اس کا شعر ہے۔

آ تو آزاری ہوئی دلی میں آوا مہد ہے

گھٹن دھڑ میں تیرا ہم تھا خوابیدہ ہے

غالب کا مزاج ایک شعور اور لطیفی کا مزاج تھا جس شخصیت سے ان کا دل دھڑکتا تھا وہی لطیفی سے ان کا دلکھ سوچتا تھا ان کے نزدیک جذبہ، عقل اور فہم و دانش یکساں حقیقت رکھتے تھے۔ وہ جس چیز کو اپنے حواس کے ذریعے محسوس کرتے تھے اس کا عمل تجربہ بھی کرنا چاہتے تھے ان کا یہی خیالی رویہ انہیں ان کی حقیقت کو جاننے کا شوق اور فلسفیانہ شعور غالب کے یہاں ہم آہنگ ہو جاتے تھے۔ حسی و عقلی ان کے لئے نہ اسلافیت تو ہے ہی مگر یہاں وہ جاننے کا خوف جان لیا ہے۔ غالب کا فلسفیانہ ذہن و عقل سے شاد ہم ہونے کا بول چال کرتا ہے۔

گر مجھے دل میں ہو خیال و عقل میں شوق کا نعل

موج تیرا عین آب میں دے ہے دست دیا کہ یوں

اسی طرح غالب زندگی کے سب سے اعلیٰ کسے کی طرف تک کو شوق کرتے نکرتے ہیں۔

ہوس کہ ہے نکلا کر کیا کیا

نہ ہو مہا تو پیچہ کا حلا کیا

گویا غالب کہتا ہے چاہتے ہیں کہ زندگی کی مدد ہی ہر ہی اور سدا لطف مہلت کی وجہ سے ہے یہ زندگی کا اشتعال ہی تو ہے جو زندگی میں زیادہ سے زیادہ لطف لٹا دے گا۔ اس حقیقت تک پہنچنے کے لئے غالب نے فلسفہ کے اس صوفیہ کسبے کو کہ چھٹی اپنی ضد سے پہچانی ہوئی ہیں ایک بھرور شعری جوش کے ساتھ بولی کیا ہے۔

کہہ دو کہ غالب کا رشتہ ہر ہی انسانی تاریخ سے ملتا ہے ان کا کہنا ہے کہ غالب کی فکر میں جامعیت ہے اور حجاز ابر کے داخل اور بعد نکتہ ویدی 'الفلسفیانہ' دانشمندانہ اور شعور کی فکر کا ارتداد غالب کے یہاں موجود ہے۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو غالب کی شاعری کا حلقہ ہیں 'دش' ہر عمل میں اور عطا۔ فلسفہ حق غیر ہادی کی فکر سے قائم کرتے ہیں۔ تمام غالب کے سو دس مولود ملتے دیکھ کر ہی ان کی شاعری کو سمجھا جاسکتا

ہے اور شاعری کو سمجھنے کے بعد ہی ان کی باطنی زندگی اور ان کے تصورات اور احساسات کی وسعتوں، بانسریں اور گمراہیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ غالب کی شاعری کی تقسیم کے لئے تاریخ، فن، مذہب، روایات، ادب، شاعری، فلسفہ، لطیفیت، مستقل تصوف اور دیگر انی علوم عقلی و عقلی کا ہونا ضروری ہے غالب کی شاعری میں بدلنا فکر کے اور انکسار ہے جسے ہیں انہیں مختلف علوم کی مدد سے ہی سمجھا جاسکتا ہے وہ عقلی طور پر عقلی شاعر تھے ان کے یہاں، عقل، جبر، کمالی، حقیقی، علم، فکر نہیں ہے بلکہ غالب کا ان کا تصور ہے "دل چاہے اور ہاتھ نہیں کاڑھتا"۔ یہ عقلیں ہمارے بھی ہیں، ان کی بھی اور دیکھیں بھی۔ انہی عقلوں کی بدولت غالب اپنے لیے حقیقت کو بھی تدابیراتی رنگ دے دیتے ہیں۔ غالب کے علم کی مہمات پر ان کی خوبصورت عقلوں کے حوالے سے ہم کرنے کی خاص گنجائش رکھتی رہتی ہے۔ غالب ہدایاتی مظاہر سے اپنے حقیقت نگار کے زندگی کا سرخ لگاتے ہیں یہاں غالب کی منہ سے زندگی کو عقلی کی نظر سے دیکھا ہے اور شاعری کی حیثیت سے بیان کیا ہے۔

دل بجز کہ ساحل دروازے خوں ہے اپ

اس رنگدہ میں جلوہ گل آئے گردِ خا

فجرِ یارِ نکاحیئے " آج ہم نے اپنا دل

خوں کا ہوا دیکھا " کم کیا ہوا پنا

فجرِ رنگدہس ہا رنگِ جلوتِ معظم

بادِ دل چنِ خوب گل پریش ہے

ہوئے گل " ہا دل " وہ چراغِ مصل

جو تری لام سے نکلا سو پریش نکلا

جلوہ گل نے کیا خاواں چڑھیں آب جو

یا رواں مڑھیں چشم تر سے خوں باب خا

آگ ما ہے در و دیوار پہ سوزِ غالب

ہم جلیبی میں ہیں اور گھر میں بیدار آئی ہے

عقل جو جلوہ نیرنگِ اقبال

مستی ہم ہے تئید کرِ مدد نہ ہو

ہجوم فکر سے دل مثلِ صبحِ لڑ سے ہے

کہ شیشہ ہلک و سبائے آئینہ گداز

غالب اور آئینہ

اردو شاعری میں آئینہ ایک مستقل اور ہر پر دستخود کی حیثیت سے مثال دیا ہے ایک ایسا لفظ یا رنگ کی طرح متحرک اور مدنی کی طرح چکا چوند کر دیتا ہے کہا جاتا ہے کہ آئینہ سب سے پہلے سکندر نے لکھ کر یا کر یہ بات محدود ہے کہ "میں نے سب سے پہلے اہل جہنم نے لکھ کر یا اور قریم جی تو کہیں میں ٹیٹھ کا ذکر کی منتقل ہوتا ہے اور آئینہ ٹیٹھ سے ہی بنا ہے مگر قریم مصر اور سکندر یہ میں کہنے کے بعد سے قبل کہ غلبہ رکھ کر چکا لکھا تھا اور آئینہ کی جگہ مستقل کیا جاتا تھا اس کے علاوہ اہل اپنا گھس آئینہ تب دہلی میں بھی دیکھا مگر ٹیٹھ سے بنے آئینہ نے دیگر کی حیثیت ختم کر دی۔

آئینہ کا لفظ فارسی ہے جس کے لغوی معنی "دیکھنے والا ٹیٹھ" ہیں۔ ششدر، سوڈن، حیران، غایب۔ صاف اور اہل کے ہیں جبکہ دہلی میں آئینہ کو آری۔ آدھن اور آسا کہتے ہیں امیر خسرو کی ایک کہ کہل ہے کہ۔

ہاری ہوئی۔ آئی نہ ——— دکی و مڑی پائی نہ

دہلی ہوئی آری آئے ——— خسرو کے نہ کوئے جلتے

(آئینہ)

فیروز اللغات مرزا، الطرح مولوی فیروز الدین میں آئینہ کے تسمیے سے زیادہ معنی اور مصلحت ملتی ہیں مگر غالب کے ہاں اس سے بھی زیادہ۔ میر نے آئینہ کی جگہ کی مقام پر ٹیٹھ سے بھی آئینہ کا ہی مفہوم لیا ہے۔

غالب کا خیال تھا کہ "غالب خستہ کے بغیر کوئی سے کہم نہ ہیں" یہ تو غالب کا خیال تھا لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ غالب کے بغیر اور کہم نہ ہوتے نہ ہوتے اور شاعری کا ایک وسیع ضرور بند رہتا جس میں ہماک لینے کے بعد ایسی خستہ کے خیالات سے آگے اور انسانی تعلیمات کی بچہ اور چھٹیوں سلجھنے کا سرچہ ہوتا ہے۔ معرفت ملی کا فہم ہے کہ فکر صاف و صحت آئینہ ہے۔ اور اسی فہم کی مدد سے دہلی میں دیکھا جلتے تو دہلی میں ہزار ہوں گورنمنٹری غالب کی آواز پہلی آواز ہے جو مل و دہلی دونوں کو پہنچاتی ہے غالب کے افسانہ ایسی د فکر دونوں کو پیچھرتے ہیں دونوں کو سمجھتے کرتے ہیں۔

انسانی تعلیمات کے خلف رخ میں چا کہ سچی اور خوبصورتی کے ساتھ مرزا غالب نے دیکھے ہیں انکی مثال پر ہی اردو شاعری میں کہیں نہیں ملتی۔ آئینہ کے ہی موضوع کو لکھنے غالب سے پہلے اردو شاعری میں دلی امیر تقی میر، خواجہ میر درد، نظام دہلوی، مسعودی، خواجہ حیدر علی آملی نے بھی فارسی شاعری کی روایت سے گزرا اثر قبول کیا اور صدیوں کے مسموئیت سے اس نے چھٹے اور صحت و صوفیت کا قبول کے ہی مضمون انہوں نے رقم کیے یہ فارسی کے صوفی شعرا کے کرم کے ہاں تھے غالب کے پاس چلنے سے پہلے ایک سرسری جائزہ قریم اردو شاعری کا پیش کرتا ہوں کہ۔

ہر تھہ ہوں منتقل وہ شرم سوں لب نہیں
جیوں کس تری میں مگر لوق آب ہوئے

میر تقی میر

چشم ہو تو آئینہ جلد ہے وہ
سہ فکر آتا ہے دجالوں کے کچ
ہر سر آئینہ رہتا ہے را سہ نکلا
دل کی تھید نہ کرنا تو نہ جیوں ہوں

خواجہ میر درد

دست میں تیری حرف دہلی کا نہ آئے
آئینہ کیا ہاں تجھے مد دکھا گئے
مخلص و کس میں آئینہ میں جلوہ قرا ہو گئے
ان نے دیکھا اپنے تئیں ہم اس میں پیدا ہو گئے

غلام مدنی مسکنی

ہم بھی ہیں ترے حسن کے قربان اور دیکھ
کیا آئینہ دیکھے ہے میری ہاں اور دیکھ

خواجہ میر درد علی آتش

دکھ رہی ہے دل کی صفا وہ جہلی کی میر
کیا آئینہ دکھا ہوا اپنے نگاہ میں ہے
آئینہ جینا صاحب نگہوں ہے کہ ہو گا
چہ شہر مخلصو میاں ہے کہ ہو گا
دل اپنا آئینہ سا صاف عکس پاک دکھتا ہے
قربان دیکھتا ہے حسن اس میں طو لبتی کا

مرزا غالب نے بھی آئینہ کے استعارے کو روایت کی تخلیق میں بھی استعمال کیا اور نئے ذہنوں اور نئے انداز اور نئے پہلوؤں سے بھی روشناس کر لیا بھل بہانوں گود کھودی مرزا محض فکر و فکر کے ہی ہاتھ نہیں بلکہ ان کا "انداز بھی" بھی اور ہے غالب کے اسلوب میں نیک وقت حقیقی قریب اور ہدایتی تہذیب کا احساس ہوتا ہے الفاظ ہوں یا تشبیہات و استعارات وہ انہیں جلی نیکر نہ فرزا آئی اور حسن لکراو طریقے سے استعمال کرتے ہیں

قاری شہزی کی روایت اور لکھ کے قدیم شعرا کے کلام سے عیاں ہوتا ہے کہ آئینہ غالب سے کئی غزل کے لئے کم اور حکمت و تصوف کے موضوعات کے حوالے سے اور شہزی میں لیلیٰں بہا اور آج بھی ہے اگر کج آئینہ کا استعارہ میر جھنی آفتاب کے سر سے بھی کم معنی میں زیر استعمال ہے۔

صوفیاء کے نزدیک دہرہ و راصل وحدت سے متصف ہے کائنات بھی و راصل خدا کا خیال ہے خیال کا صاحب خیال سے الگ کوئی دہرہ نہیں ہوتا ہمارا دہرہ حق تعالیٰ پر موقوف ہے اس کا تصور ہمارے ذہن سے ہے دماغ میں —۔ یہ مظاہر نظر آتے ہیں یہ و راصل ہم کے آئینے ہیں۔ جس میں حقیقت نے اپنا جلوہ دکھایا ہے جب آئینے کے سامنے کوئی شخص ہو کہ گات آئینے میں ہمیشہ چ جائیگی گی اس طرح کثرت کے یہ نظریں نظر آ رہے ہیں، مدام ہم جائیگی گے۔ یہ کی حیرت من قری کے لئے مشکل ہے۔ یہ غالب کے نزدیک مسکت میں ذات ہے اس لئے کائنات حق تعالیٰ ہے اور تمام اشیاء جب الگ ہی ذات کی طرح ہیں تو ہر ہم مولیٰ حق کی مختلف طرحوں پر قائم نہیں رہ سکتے۔

نورانی فلسفیوں نے حقیقت کی تاویل اس طرح کی ہے کہ "حقیقت مطلق اور تو ضرور ہے مگر وہ اپنے اظہار کے لئے یہ کائنات بنائی گئی ہے اور غالب بھی شاید یہی سمجھتے تھے کہ نور کی جگہ گری کے لئے ہمیں جوت کا دہرہ ضروری ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ۔

لطافت ہے کائنات جلوہ ہے اکر نہیں سخن
بہیں زنگار ہے آئینہ بہ بدلی کا

غالب صوفی مشرب تھے کہ نہیں یہ ایک آگ بحث ہے مگر غالب کسی بھی مسئلے کو دماغی نقطہ نظر سے نہیں سمجھتا چاہے نئے رنگ لئے کائنات کے ساتھ ساتھ اکی ذات بھی ایک دم مسئلہ حق اور وہ فرماتے ہیں کہ

میں ہے گوہر حصوہ جب خود نکالی میں
کہ یاں غراس ہی تشکل اور آئینہ دوا ہے
آئینہ دلخ حیرت و حیرت گنگا داس
سحاب بہترار و سہ بہترار

لہ و گل ہم آئینہ لفظ بہار
ہوں میں وہ دلخ کہ پھولوں میں بکھلا ہے گلے
دعا کو آوازے گشت دل ہے
آئینہ غلام میں کوئی لئے جاتا ہے گلے

میرا نے تصوف کے مادہ حکمت تعالیٰ سے ہر پر ہر مہاشیں بھی آئینے پر ہارے اور تجرید و مہاشیں کی دلیج بھلنے کے ساتھ ساتھ روایت سے ہٹ کر اسلوب اختیار کیا غالب کے یہاں ایسے اظہار میں داخلی شدت بھی پورے صوفیاء کی تھی ہے وہ فرماتے ہیں۔

اب میں ہوں اور نام یک شر کرد
دوا ہو آئے آئینہ تشکل دار تھا

جلوہ لا رہے تھے۔ کمرے کے
 دروازے کھلے ہوئے تھے۔
 کیا کہیں غلط کام ہو گیا ہے
 کہ میں تو خورشید عالم بخشی کا
 ایک فاضل نہیں تھا۔
 یاد کرتا ہوں میں اب سے کہ گریں
 بھلا

اس شعر کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تمہاری طرح کے ایک دو صحن شرمیں اور ہوں تو نہ معلوم شرم کا کیا حال ہو اور نہ سرمے سق ہو
ہیں کہ جب تم آئینے میں اپنے عکس ہی دیکھ کر اس سے لکھتے ہو اگر ایک دو صحن شرمیں اور بھی ہوں تو ہلنے ہلنے حد کے شرم کا کیا
حال ہو۔

مرزا غالب نے جدت ترکیب اور پہلو داری سے اردو زبان میں دوست و ارفاق کے حیرت انگیز امکانات پیدا کر دیئے اور اردو زبان میں
نہایت دلچسپ افکار و خیالات کے اظہار کی راہیں نکالیں۔ زبانِ غالب کے مطالعہ سے ایسی بینکوں کی ترکیبیں اور اشعار مل جاتے ہیں جو مرزا
غالب کی قصائد طبع اور جدتِ مزاج کے آئینہ دار ہیں۔ اگر ہم اپنے مضمون کا وہاں صرف آئینہ کے عوارض تک ہی محدود رکھیں گے (مرزا
غالب کے زبان و صورتِ کلام اس پیکارِ خدا میں آئینہ کے حوالے سے ۲۳ کے گہ ہلکے اشعار ہیں۔ اور دو غزلیں ایسی ہیں جنکی مدح آئینہ ہے

بلکہ مانگ ہے وہ دیکھ جلتا آئینے
ہے جس کو شعلہ آفتاب آئینے

میں نمبر ۳۸

ہر غزلِ ملتِ اشعار، مشکل ہے
بجز دو سری غزل کا مطلع ہے۔

اور سر آہ نہ مل د مل ہے آئینہ
طولی کو شعلہ جلت سے متل ہے آئینہ

میں ۳۳

ہر غزلِ ملتِ اشعار، مشکل ہے۔ بجز لڑکھار (۱۸۵۲ء - ۱۸۵۱ء) (مطابق زبانِ غالب کلام مرتبہ کلامی داس پیکار خدا) اور
زبانِ غالب کلام کے بابِ حقیقی (۱۸۳۱ء تا ۱۸۳۲ء) میں اس (۱۸۵۱ء تا ۱۸۵۲ء) میں ایک شعر بھی آئینے کے حوالے سے دستیاب نہیں ہے
بجز لڑکھار (۱۸۵۲ء) کے بابِ ثانی (زبانِ کلام ۱۸۵۱ء تا ۱۸۵۲ء) میں آئینے، مرزا کے صرف دو شعر ہیں اور دونوں
اشعار میں آئینہ بہت سیما کی ترکیب اشعار میں آئی ہے۔ گہرے اشعار کے مطالعے میں بہت شکوت ہے۔

کی کہتے ہو خود ہیں دلوں آرا ہوں نہ کہوں میں
بیٹھا ہے بہت آئینہ سیما میرے آگے
سب کو حلیل ہے دعویٰ تیری یکتائی کا
مردم کئی بہت آئینہ سیما نہ ہوا

اور نو شعر فی ۱۸۳۱ء تا ۱۸۳۲ء کے (۱۸۵۱ء تا ۱۸۵۲ء) مطابق زبانِ کلام کے بھی صرف دو اشعار میں آئینے کا استفادہ ہے

کب مجھے کونستہ دار میں رہنے کی وضع دار تھی؟
آئینہ دار میں کئی حیرت مھل پا کر ہوں

مگر تھمے کئے انہیں ہوائے محبت
دیکھ برسات میں سبز آئینے کا ہو چنا

اس طرح نو شیری باب کلام بعد از ۱۸۵۶ء اور کل ۱۸۸۵ء کے حصے میں صرف ایک شعر میں آئینے کا استعارہ ملتا نظر آتا ہے
(ص ۳۸ تا ۳۹)

کیا آئینہ چلنے کو، نقشہ تیرے جلوے نے
کسے ہو؟ تو فریاد عالمِ بے بسی کا

نحو بھول لحاظ قالب (۱۸۸۳ء تا ۱۸۹۶ء) میں سب سے زیادہ اشعار یعنی ۳۵۵ میں آئینہ کا استعارہ آیا ہے۔ صلوٰۃ نمبر ۳۳ سے شروع ہو کر
صلوٰۃ نمبر ۲۰۹ء تک، انعام پڑے ہے اس کے بعد آئینہ پر اشعار نحو بھول (شعرا نحو مہدی) کے باب (ص ۳۸ تا ۳۹) اور (۱۸۹۶ء تا ۱۸۹۷ء)
میں ہیں یعنی ۵۹ اشعار ہو نحو بھول کے بعد نحو مہدی میں ملے ہیں۔ نجد (مرد مجتہد) باب خاکہ سدر (ص ۳۸ تا ۳۹) برطانوی (۱۸۹۵ء تا
۱۸۹۶ء) میں آئینہ پر صرف ایک شعر ہے اور وہ یہ ہے۔

طرز آفرین کثرتِ سراپا طبع ہے
آئینہ خیال کو طوطی بنا کون

مرزا غالب نے اردو زبان میں دصحت اور ادب کے پختہ امکانات مہیا اور دوا کیے انکی مثال میں سے پہلے کسی شعر کے ہاں نہیں
ملتی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ جو شعر چلتی سطروں پر (پلورڈی) سے زبان کا استعمال کر سکتا ہے وہ اپنی ہی سطروں پر کائنات کے اور اک
کی صافیت دکھاتا ہے۔ بی بی شمس الدین اپنے مضامین شاعری کے طاقی منصب میں لکھتا ہے کہ "شاعر کے (پختہ) قرائن قوم سے
بالواسطہ ہوتے ہیں مگر اس کا براہ راست (فرض تو اپنی زبان سے ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو محظوظ رکھے اور مرے چ کہ اسے آگے بڑھائے
اور ترقی دے اور وہ چ کہ دوسروں سے زیادہ دانشور ہوتا ہے اس لئے اس میں اور ادب کی بی شکلیں تلاش کر لے اور ان سے ان اپنی
زبان کو ترقی دیتا ہے اسے لانا مل کر آتا ہے اور اس کے ذخیرے میں اضافہ کرتا ہے۔"

آئینے کے حوالے سے غالب کے اور اک مشہور اور خصوصاً "تراکیب کی جدت پلورڈی اور غررت میں کے عروج کا اندازہ کیا جا
سکتا ہے۔ انہوں نے آئینہ کو آئینہ بھی لکھا ہے اور آئینہ بھی یعنی (بے) کے بغیر بھی (بعض شعروں میں ضرورت شعری کے تحت بدھا
ہے) انہوں نے آئینے کے استعارے کو انچھ سو سے زیادہ بار ہی ترکیب اور سنے شعروں سے اپنے اشعار میں بدھا ہے۔ انکی مثال نہ ان
سے پہلے کسی شاعر کے ہاں ملتا ہے نہ آگے بعد کہ جب اردو زبان دنیا بھر میں پھیل چکی تھی ہے اور دلدلزد ترقی کر رہی ہے۔ مرزا غالب کی
جدت تراکیب اور پلورڈی دیکھئے۔

آئینہ۔ آئینہ خیال۔ کثرتِ آئینہ۔ آئینہ بے صری آئینہ تشکل۔ آئینہ قیود۔ آئینہ۔ حسن آئینہ۔ آئینہ کہ۔ آئینہ راجہ۔ آئینہ احمق۔ کب
آئینہ۔ جوہر آئینہ دل آئینہ۔ آئینہ زلف۔ آئینہ اہام۔ پیش آئینہ۔ آئینہ کار۔ آئینہ باز۔ آئینہ دھندل۔ آئینہ گل۔ آئینہ دھندل۔ پشت
آئینہ۔ نار و صر آئینہ۔ (مرست آئینہ۔ آئینہ دیو۔ آئینہ انقلاب۔ منہ آئینہ۔ آئینہ انقلاب۔ آئینہ آئینہ۔ آئینہ دہم۔ آئینہ پدما۔
آئینہ گلشن۔ صر آئینہ۔ صورت آئینہ۔ گہ آئینہ۔ آئینہ خوش۔ آئینہ خاند۔ دل آئینہ طرب۔ آئینہ دار۔ آئینہ مولوی۔ آئینہ قیود آئینہ املہ
آئینہ خلق ہلال۔ آئینہ حیرانی۔ ظلم آئینہ۔ آئینہ پند۔ طوطی۔ آئینہ رند۔ لعل۔

صبح سے مسلم' آہر تصور شمع ہے
 بھلاں لہو کر' آئینہ انجم ہے
 غنوں ترشا ہو وہ بلی مانگے
 آئینہ رخصت لہو رومی مانگے
 تم مطلق نہ ہو مدنی سموز میں
 'سودہ خانہ آئینہ ہے دیوی گھ سے
 فرصت آئینہ' دیوارِ عدم آ جی
 یکہ شر بل دل' دیوارِ چاکلی لہو ہے
 کس' سراغ ہو ہے' صبر' اے خدا
 آئینہ' فری شش دست افکار ہے
 پیر کے ہے علم آئینہ رنگ گل پہ' آب
 اے حور لب' وقت دارِ ہمار ہے
 صبرت طلب ہے مل سوانہ آجی
 'علم' گدو آئینہ عقید ہے
 غضب غم غم ہے دگر چاہے خودی
 چھدی آئینے کی بسے دکان نہ ہو جاسے
 قتل میں تھی ہے وہ شوقی کہ ہمد خلق
 آئینہ ہے لہو گل آہوئی کتا ہے

مسلم ہوا علی شہیدوں گزشتہ
 چچ سم آئینہ صبور لہو ہے
 وہ دلی عہد ہے' آئینہ بدلی گور
 ہرگز ہر میں ہر قندو ہنم ہر ہر ہے
 جڑی ہے ترشلی مر رات
 رنگ نے آئینہ آنکھوں کے چٹل پادما
 ساغر جہر سرشار ہے ہر دلی خاک
 حق دیوار' ہر آئینہ مطلق کتا
 آئینہ دیکھ لہو حیات لے کے وہ گئے
 صاحب کو' دل نہ دھپا پہ کتا نور کا
 خود ہستی سے' وہے پیر کر ہاتھ
 یکسی مری شریک' آئینہ خوا کتا
 کتا جنوں وہ' کتا ظہر کا
 آئینہ خانہ دلی ہو ہو لہو کا
 کل کرچی سی حاشیہ وہ نہ ہوا
 رنگ خار مرے آئینہ سے ہو کچھ
 اصل جہر ترشا ہے' پندار کئی
 کہ دھچکے آئینہ افکار کو پورا

لہب صنعت لہو کا ترشا دیکھ
 گھ گھس قوئل و خیال کتا ساز
 حیرت اگر قوم ہے کہ گنگہ قوم ہے
 رکھ دست نام ہے' آئینہ کو ہوا کتا
 وہ شرع لہب صبر پہ صبور ہے لہو
 دکان کے لہو آئینہ دکان کتا
 لہو اس گرد کا طرشہ کو آئینہ لہو
 گرد اس رشت کی' لہو کو حرم ہمار
 خاک حور لب لہو ہر ہر حور
 ہنم خلق قدم آئینہ بخت ہمار
 قتل جہر غول کر' اے صبر کب تک
 آئینہ خیال کو دیکھا کتا
 کب گئے کتا پد میں رہنے کی وضع یا حق
 آئینہ دلی گئی حیرت خلق پاک ہوا
 توائل جہل سے طرشہ میں ہوا
 دلی گھر ہے آئینہ دائم غلب میں

غالب پر رشتی خاور کی دو قدم تحریریں

۷۵ برس پرانی شکر شکت کی باریات

یہاں ہم رشتی حسین خاور "ہاتھی" ۱۹۱۷ء کی سوانح میں جلی کے قلم و چراغ کے تحت، ڈاکٹر قسطنطنیہ حسین خاور، ڈاکٹر محمد صلیح کے بھائی کے بھائی کے رشتی خاور، جد خاوری ۱۸۸۸ء کو ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ اور محمد علی ۱۸۸۸ء کو کراچی میں جن کا انتقال ہوا۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج ۱۹۱۷ء سے بی۔ اے (آنرز) کیا۔ فارسی میں کاغذ مشرقی قندھار میں عربی سے انہیں گہرے آشنائی حاصل ہوئی۔ (پندرہ گورنمنٹ کالج ۱۹۱۷ء میں جن کی شکر شکت قلم و چراغ ۱۹۱۷ء اور پھر کے شکر میں دیکھی جاسکتی ہیں۔)

میں قسطنطنیہ خاور (۱۸۸۸ - ۱۹۱۷) نے ۱۹۱۷ء میں لندن یونیورسٹی سے طبعیاتی ڈیگری حاصل کی۔
 تحصیل کے لئے دیکھئے: پندرہ بیرونی میں اردو "عقلمانی" ڈاکٹر سید حسین الرحمن ۱۹۱۷ء اور ۱۹۱۸ء میں ۳۰ ڈاکٹر محمد صلیح (۱۸۸۸ - ۱۹۱۷) نے ہم جیسے "خاور" تحقیقی کام کر کے ۱۹۱۷ء میں بالباب پندرہ رشتی خاور سے بی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ دیکھئے: پندرہ بیرونی میں اردو "عقلمانی" ایڈیشن ۱۹۱۷ء میں ۲۸۔

رشتی خاور کو غالب سے پیش کرتی دل "بانی" "روای" میں جن کا ایک مضمون "غالب کی شخصیت" اپریل ۱۹۱۷ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ اسے "روای" میں پچیس سالے خاور پر پہلے تجزیہ کی شکل کا اقتضا حاصل ہے۔ یہ مضمون غالب پر خاور کے رشتی خاور کا پہلا مضمون بھی ہے۔ اس وقت وہ پچیس برس کے تھے۔ انہوں نے دہلی میں کی مہربانی۔ غالب سے جن کا شغف جن کے ایم آئی کے دور تک دور تک رہا۔

مجھے غالب اور صبر غالب کے حوالے سے ڈاکٹر سید حسین الرحمن کے کتب خانے میں رشتی خاور کی دو کتابیں ملیں۔
 ۱۔ "عقلمانی" ۱۹۱۷ء، مطبوعہ ۱۹۱۷ء، ۲۲۲ صفحات
 ۲۔ "عقلمانی" ۱۹۱۷ء، مطبوعہ ۱۹۱۷ء، ۱۵۶ صفحات

پہلی کتاب "عقلمانی" ۱۹۱۷ء، "عقلمانی" کا تجزیہ، مطالعہ ہے۔ اس کتاب سے مجھے غالب کے بارے میں رشتی خاور کی ایک "غیر مطبوعہ" کتاب کا سراغ ملا

"دور ملک کے مہذب اس مضمون میں نہیں مایکے "دور ملک" میں مرزا غالب کی شخصیت اور کام پر تبصرا کیا گیا ہے۔
 (عقلمانی ۱۹۱۷ء، ۲۲۸)

"عقلمانی" ۱۹۱۷ء، ۲۲۸ء، ۲۲۸ء میں مرزا کی "عقلمانی" (غیر مطبوعہ) کے تحت میں قسطنطنیہ حسین خاور، میں محمد صلیح خاور کی مرزا، "عقلمانی" کا اقتدار کرا گیا ہے۔ خود تصانیف دیگر "غالب کے بارے میں رشتی خاور کی کتاب کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

"دور ملک" بخاری مرزا کے طرز میں غالب کی شاعری پر لکھ پر مبنی ہے۔ "یہ مرزا غالب" کے بارے میں دو سری کتاب ہے جس میں مرزا غالب کے کام اور شخصیت پر ارباب سے لگرائی

مکئی ہے۔ خدا کے نزدیک کتاب اور کاسب سے بڑا شے ہے۔ حتیٰ کہ میر اور اقبال بھی شکیل میں اور شخصیت کے لحاظ سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کتاب کی عظمت کا راز اس کی شہرت "اور وہی تعلیم" اختلاف "جدیدت" اعلیٰ مقامی اور دیگر امور انہوں میں مضمر ہے۔ خدا کی اس تعظیم میں کتاب کی حیثیت اور کلام کاسب سے اہم آج بھی اور یہ لحاظ رکھنا چاہیے۔

(مجلسی برائے اہل حق)

لیکن یہ ایک "کے" پچھلے کی بات نہیں آئی۔

مفتی خلود کی دوسری کتاب "تعارفِ غالب—ایرہِ گہوار" غالب کی فارسی شاعری "میر گہوار" کی مضمون اوراد تشکیل اور اس کی تصدیق و تفسیر جہاں کتاب کے ائمہ دینی مسلمان پروفیسر راجندر پور و دیگر کرام کی جانب سے بارے میں مفتی خلود کی دہائیوں کی فوجِ جہیل دی گئی ہے۔

(۵) "میراثہ رنگ قاری متعلق علور۔۔۔۔۔ جس طرح رنگتیں ہیں گھٹے غائب رنگ قاری ہے" اسی طرح یہ فرمیں بھی جو غائب کی قاری (الغریبہ) آثار کا اردو باب ہیں "رنگتہ رنگ قاری" ہیں ایک دستخطی جوتی کس جس سے غائب کے گھڑوں کی جانچ کے علاوہ اس کے قاری و اردو کام کے موازنے کا موقع بھی ملتا ہے۔"

(۴) 'GHALIB COUNTER - POINTED' ان مفتی غلام قیس قصور کے پردے میں بھی عواموں کے لیے یہ انگریزی نظم کا پہلا ہے جس پر طالب کی اردو غزلیات (۱۹۷۰ء) کا نام کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ ایک بصیرت افروز مقدمہ میں جھلکیوں کو اردو بھی اہم کر رہا ہے۔"

یہ کتابیں مائیکرو ریڈر، ڈیٹا بیس کی بنیاد پر تیار کی گئی ہیں۔ یہ کتابیں مائیکرو ریڈر، ڈیٹا بیس کی بنیاد پر تیار کی گئی ہیں۔ یہ کتابیں مائیکرو ریڈر، ڈیٹا بیس کی بنیاد پر تیار کی گئی ہیں۔

سید علی حسینی

(1) برای "کتابخانه ملی" ۱۳۳۳، ص ۵۹.

(۱۵) دانیال کا یہ واقعہ ۶۰۵ ق م

[illegible]

۳۰۔ کیا ایک طالب علم کے پاس سے (توازی)؟ اور کئی قومی مسائل میں؟

۱۔ اہل باب (اکثر غلامی) و تجدد : یہ لڑائی پہلی بار مسیح میں ہوئی

۶۔ جو کہ طالب کے بارے میں (اوارس) : لے لو گراچی فوری فضا میں ۶

د. حکیم، طالب اور سرگرم اسکالر، جامعہ اسلامیہ، سی۔اے۔ف۔ا۔

1000

④ 2014 年 12 月 1 日

(II) لا کو کرایے پر دینے سے منع ہے۔

- ۱۔ چلیو غلام غالب "لہ نو" کراچی فوری ۱۹۵۹ء ص ۵۳-۵۱
- ۲۔ سرب لڑنے لڑنے "لہ نو" کراچی فوری ۱۹۶۳ء ص ۳۸
- ۳۔ کلام غالب (سلسلہ طبعی تصانیف) چہرہ فوری ۱۹۶۳ء ص ۵۶-۵۵
- ۴۔ غالب۔ نیرنگی دور "ڈاکٹر خورشید اسلام" چہرہ سطر "لہ نو" کراچی فوری ۱۹۶۳ء ص ۵۵
- ۵۔ "تجربہ" بارشیل (تصویر سلسلہ غالب):
- ۶۔ بزم قدح (پہلی لکھا غالب نمبر) "لہ نو" کراچی فوری ص ۸۵
- ۷۔ ریختہ دولت قاری (غالب) "لہ نو" کراچی فوری ۱۹۶۵ء ص ۱۳۳-۱۳۲
- ۸۔ DE PROFOUNDERS (انگریزی ترجمہ غالب) "لہ نو" کراچی فوری ۱۹۶۵ء ص ۳۲-۳۳
- ۹۔ غزلان حقیقت چہ غالب گفتار "کراچی" فوری مارچ ۱۹۶۶ء
- ۱۰۔ غزل غلام غالب "لہ نو" فوری مارچ ۱۹۶۶ء ص ۱۵۱-۱۵۰

یہ تصانیف اس امر کی توثیق کرتی ہیں کہ غالب "مرزا" رفیع غلام کے مطالعے کا مرکز اور اس کے لئے اپنی تحریک قوی اور تخلیق کا سرچشمہ رہا۔

ایکے مطالعے میں رفیع غلام کی دو نثریات غلام کی ہادی ہیں۔ ان میں ایک تحریر (غالب کی انجیت) رسالہ "دلی" ۱۹۵۰ء کے شمار مارچ اپریل ۱۹۵۳ء میں چھپی۔ دوسری تحریر (مسلک ذوق و غالب) ان کی غیر منسلک کتاب غافل بنو مطہر ۱۹۵۳ء کے آخری باب کا یکم حصہ ہے۔ ان ۶۵ برس سے زیادہ عظیم تنقیدی پادہ ہائے ادب کو "لہ نو" کے نگار غالب نمبر میں چھپا دیا۔ اس حوالے سے دوسرے دو کار رفیع غلام برس "لہ نو" کے دیر مشیر اور تحریر رہے اور اس منیت میں انہوں نے رسالے کے حصہ "غالب نمبر" پیش کیا۔

۱۹۶۶ء میں سید وقار عظیم نے "لہ نو" کے دیر کی منیت سے "فوری" کے حصہ کو مطالعہ غالب کے لئے مخصوص کرنے کی روایت ڈالی۔ یہ خصوصیت بعد کے برسوں میں "لہ نو" کا انتہائی ٹکڑ بنی رفیع غلام نے "لہ نو" کے دیر کے طور پر ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۶ء تک ہر برس فوری کی اشاعت میں ایک گوشہ مناسبت کے لئے مخصوص رکھا۔

فوری ۱۹۶۶ء کا غالب نمبر غفر قریشی کی ادارت میں شائع ہوا۔ اس دورے میں رفیع غلام کو "نگار لہ نو" لکھا گیا ہے۔ فوری ۱۹۶۶ء کی خصوصیت اشاعت غالب چہ رفیع غلام کا نام بطور "مشیر" درج ہوا ہے۔

غالب کی ذہنیت

محمد رفیع غلام

غالب کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم دو باتیں خاص طور پر محسوس کرتے ہیں اس کی عام انسانی سرشت اور عالی مقامی (High Minded men) بلکہ یہ دونوں باتیں حلقہ معظم ہوتی ہیں۔ اور ان کا اجتماع بھی غلام غلام و قریب میں آتا ہے۔ غلام کے لئے

عالم کی طبیعت میں ہوش و فرہنگ (Intellect) کو ایک لیلیٰ حیثیت حاصل ہے اور اس نے فن کی تمام ضروریات اور اعلیٰ مرکز میں پڑاؤ کیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اصحاب عالم کو محض عقلی شاعر تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فن سے اس بابت خاص میں متعلق نہیں بلکہ اس عنصر کی سہولت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ عالم کے لئے یہ جوہر ایک زبردست حلیہ قدرت تھا۔ ایک عقلی نگاہ نظر نہ تھا۔ اس نے فن کو ایک باطل جہد دیکھ اور جدید طبیعت کا نگاہ ڈالا اور اپنے اندر کی لیلیٰ شاعری سے چڑا کر کہے کہ اس سے بے غورانہ اصلاح ملنا کون ممکن ہے۔ مرزا نے اپنی سیاست فکر سے کام لے کر اور ہر ضروری علم کوئی کارنگ ہی بدل دیا۔ اس روشنی طبع اور توجہ نے فن کو بدل کر ناصر علی سہروردی اور قصوری و قیو کے بخور سے نکلنے میں مدد دی اور اسی فراوانی نے فن کو ہر جہاد سلیم سے خوف نہ ہونے دیا۔ سب سے پہلے کہ یہ کہ مرزا نے اس کی بدولت وہ کیرات اور عارفانہ شعر کے فن پر دنیا فتح کی جو محنت ہے۔ فن کا اور وہ فن اختیاری قسم و محل اور تخلیق کی سہولت سے پیدا ہوا ہے۔ اس لئے اپنا جواب نہیں دے سکتا۔ تاری کام میں یہ دونوں قسمیں کسی قدر ہم پڑ گئی ہیں لیکن دونوں نے اپنی اختیاری شرکت کو چھوڑ کر اختیاری سہولت (Compromise) پیدا کر لی ہے۔ اس لئے حکمت کارنگ راز کی ہو کہ ایک فصیح و لطیف شعری اظہار سے ملنے لگی ہے۔ عالم کی یہ شعری تفسیر کے درمیان دور حق سے محفلت ہم دیکھی ہے۔ دونوں کی زبان ہے وہ سلی ہوئی صفا اور دلچسپ ہے جس طرح کسی ستارے کی سلی سلسبیل روشن ہو۔ اس میں آئینہ کا جادو و جلال نہیں پایا جاتا۔ مرزا کا تاری کام بھی بہت ہی ہے۔ مگر آپ کے اور وہ فن کے ہر حوالہ آپ کے لہجہ کی عین میں وہی حکمت یا راحت عقلی

اور غلبے کا انوکھا اور اجڑا ہوا ہوتا ہے۔ یہ تو آپ کے ”برگ و زم“ کے نکلی چکر میں جلو گر ہے اور اپنی کو خلق میں غلبہ رہنے کے باعث اس سے محفوظ نہیں ہوتے۔ غالب کے ہادی کام کی نوعیت تکہ اس قسم کی ہے کہ ہم اس کا چاہے خود اور ان کی اور شاعری کا خیال پھڑ کر مٹا کر مٹا کر کے بغیر انہی طرح دو قسمیں دے سکتے۔ موزا کی ہادی شاعری زیادہ تر عشقیہ اور (Lyric) ہے اور اور شاعری تکیہ ہے۔ چونکہ بانی میں مطلقانہ علم ہے اور دوسری میں توازن، بانی میں وہ شوکت تخیل اور باندی مگر نہیں وہ دوسری میں ہے۔ ہم لڑنے دوسری کو بانی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور اب عقیدہ کو چاہئے کہ وہ غالب کے ہادی کام کا چاہئے خود اور کچھ رنگ میں پیش کریں۔ مگر اس کی اپنی جگہ قدود حضرت ہو۔ اور کام کے ساتھ پیش کرنے سے ان کی ہادی شاعری کبھی متغیر نام نہ ہو گی۔

غالب کی طبیعت کا دور سرا پا جوانی کا زبردست تخیل ہے۔ یہ اور دیگر مطلقانہ مثلاً وارث موزا۔ آزاد عشق۔ دو دوسری۔ حقیقی عشق اور دلوں کا قدود۔ طبیعت کی باندی اور مطلق قلبی زندگی۔ وسیع المثالی۔ لطافت پسندی (Artisticness) تھب سے بیاگی۔ لطافت خصوصیت (Moral Idealism) اور پختہ خیالی وہ ہم مشرقی اقوام سے قصوں سے بہت ملل کام چاہتے ہیں، اس لئے ان میں سے ایک یا دو پر اہم خیالات کیا جاتا ہے۔ غالب کا تخیل ہمہ رنگ تخیل ہے اور دوسرا تکیہ کے ہر کمر تخیل کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر اپنے دور مطلق میں یہ تخیل مطلق (Absolute) ہے اور اثبات کو فتح کیا ہے۔ یہی سب ہے کہ طرے خود دھوا کا کھا کر اس کا تکیہ ہے شاعر اصل سے متعلق کرتے ہیں۔ جس تک تخیل کی دہائی باندی اور وسعت کا حلق ہے۔ غالب دنیا کے کسی شاعر سے فوٹر نہیں۔ اور تخیل قوت جان میں ہم اس کو تکیہ سے بہرہ بخشے ہیں۔ لیکن آپ کی شاعری کا دماغ وسیع نہیں اور نہ ہی تخیل ہمیں قسم کا ہے۔ یہ باتیں ان کو دنیا کے ہر محترم شاعر کا نام تک بیٹے سے باز رکھتی ہیں۔ بانی دہی دیگر خصوصیات ان کا یہاں استعصا نہیں ہو سکتا ان میں سے بعض مثلاً آزاد کی۔ دہی اور تھب نظریات یا تھب سے بیاگی۔ انہی زبردست باتیں ہیں اور غالب میں اس انتہائی درجہ تک پہنچ گئی ہیں کہ ہم ان کی دہی دینے بغیر نہیں دے سکتے۔ غالب مشرق میں طبعی و ادبی آزادی۔ مطلق حوصلگی اور وسیع المثالی (Liberalism) کا سب سے بڑا حشر ہے اور ایک زبردست عرفی قوت (Cultural force) بن کر ہندوستان کے لوگوں کو ایک آزاد فضا و فتن کی طرف لے جا رہا ہے اور وہاں ہوں ہوں دھت گزرتے گا۔ ہم اس کے تہذیبی اثر کو اور بھی محسوس کریں گے۔

ایک منظر کی حیثیت سے غالب کی پوزیشن نہایت عجیب ہے۔ اس کو ہمارے نقادوں نے بھی تک محسوس نہیں کیا۔ مگر عام طور پر ایک صوفی شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ موزا ایک نہایت آزاد اور حقیقی طور پر سوچنے والے قلبی ہیں۔ یہ خصوصیت ان کو ایک باطل پرہی شخصیت بنا دیتی ہے اور غالب ایک خالص صوفی شاعر نہیں۔ صوفیوں ان کی شخصیت کا ایک جز ہے۔ طبیعت کے اٹھنا سے آپ نے ہلکے ہلکے اور عقلمندانہ کوہ و خفا کی دو ماہ کا اختلاف فرمایا ہے۔ اور دنیا کے ذاتی تجربے نے ان کو گرم دہی کی دہی دکھایا کہ یہ زندگی ایک فلم اور دیکھ و سنی کی زندگی ہے۔ اول کے اظہار پہنچے اور انوار فرہنگ کے غالب نے کس کس قسم کے منظر موضوعات پر اظہار خیالات کیا ہے۔ اسکی سہولت کا فریب۔

بانی خود فریب ہے ہلکے نظر کا خلق ہلکے گرم حیرت اور دہی و نور

دماغ میں خلق یا ”جذبہ“ کے ہر نفس ہلکے کا دھوا۔

دماغ ایک شیرازہ وحشت میں ایزائے بار ہنر و رنگ۔ مہا کور۔ مکی کا کھانا

خلق ہے سلطان طراز کاوش ارباب فکر دہی صرا دھنگ و ظہور دہا کھانا !

تقریباً کی ہر چیز کی کوئی نہ کوئی ضرورت چلتی ہے۔

اس شعر کی تخریج میں شمار بھی نے جب جب کتب پڑھائی کی ہیں۔ مرزا کے نذر میں منکوس قوسیں (Inverted commas) یا منحنی حروف کا دواج نہ تھا اس لئے آپ ظاہری غلطی سے کام نہ لے سکے اور بالکلے شمار بھی کو اس کے منحنی دریافت کرنے میں اس قدر دقت ہوئی۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ کائنات اپنے خالق کی پیداوار ہے کہ اس نے اس کو کتنا بے نیاز اور لڑائی کین بھلا دیا وہ اپنی مخلوقات پر غم کیوں کرتا ہے۔ اس ضمنی کو مولانا دہم کی نظم سے دور کی نسبت اسی ضمنی اور یہ مصلیٰ مرزا کی تفسیل طبعیت کا نتیجہ ہے۔ یہ ہر دقت لے لے غیبت کی تلاش میں نمودار رہتی ہے۔ یہ خصوصیت غالب کے سوا اور ان یا بعدو حیات کے کسی شعر کی طبیعت میں نہیں پائی جاتی۔

(راوی تاریخ ادبیات ۱۹۳۲ء)

موازنہ فوق و غالب

اردو کا سوا اٹھ سو اور دیگر قدیم شعرا سے متعلق کرنے کی ضرورت نہیں لیکن کاملاً حریف غالب ہے۔ شعرا کی تعلیم کے لحاظ سے دونوں کا کوئی متعلق نہیں۔ لیکن چونکہ نادر کی کم تھی لے دونوں کو حریف ہو کر بنا دیا ہے۔ اس لئے ہم اس دہشتہ جن کا تعلق کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اردو اور غالب دونوں میں کس کو اعلیٰ تعلیم کا شرف حاصل ہے اور کون لائق کے شمارانہ مرتبہ کی نسبت سزاوارد اور گزشتہ تعلیمت ایک منظر قلمی ہیں جس کی تخریج یہ ہے کہ وہ ایک بلند پایہ شاعر نہیں۔ اب غالب کی طرف توجہ۔ غالب کی شاعری پر تنقید کرنے والے اس کی خصوصیت کو جان بھڑ پھرتے ہیں۔ گویا یہ ان کے نزدیک قابل مطالعہ نہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ تنقید کا مقصد یہ خصوصیت کی توجیح ہے اور ان کا مستندانہ خصوصیت قدرت اور دہر ہادی پر غور و فکر کے ساتھ انسان اور اس کے متعلقات پر ڈال کر اترتی ہے۔ کثرت اشعار کو انہیں میں دیکھا کرتا ہے اس لئے تنقید کا نصب العین بھی خصوصیت کا مطالعہ ہونا چاہئے۔ اب تک غالب پر چھتبہ تعبیر شروع ہوئے ہیں ان کی شاعری سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی ادبیات اکادمی اور دل و دماغ پر بحث کم دشمنی والے ہیں۔ مولانا حالی کی تحریف کتنی چاہئے کہ آپ نے غالب کے حالات و خصائص کو اس غصت سے واضح کیا کہ کتب مرزا نام کو ایک جانے بجانے ہوئے فنکار معلوم ہوتے ہیں۔ گویا ہم نے ان کی سیرت کا مطالعہ یہ کم پتہ کہ کسی حال میں کیا ہے مگر افسوس حالی نے مرزا کے عقلی خصوصیت افکار و عقائد اور مکتبہ نظر میں داخل اور آپ کے مشکل اشعار کامل اور خوبیاں دیکھنے پر اکتفا کیا۔ آپ جیسا کتب دس تھو اس نام کو انعام دیا تو آج اس نام کے لئے مزید تصانیف کی ضرورت نہ محسوس ہوتی۔

بجز ادبی مروج کا کلاما ہو۔ ایک ذمہ دار کتب یادگار پھوڑا سکے۔ آپ نے غالب کی خصوصیت کو سمجھنے کی کوشش کی اور دیگر تھیں کو تنقید جانے کا راستہ دکھایا۔ معترض کہتے ہیں کہ آپ نے مرزا کی شاعری میں وہ جانیں ظاہر کی ہیں جو دراصل اس میں موجود نہیں۔ یعنی غالب کی خصوصیت میں بجز ادبی کی مدح کا حلال ہو گیا ہے۔ مگر دعائی تنقید کو استدلال سے کیا عقلی؟ تنقید بھی ایک فن ہے اور اپنے اظہار میں قابض ہے اگر عرش طہیثہ یا عقل کی لہریں تھو کھٹکھٹا جی بھی کہ گیا جن کو عقل کی دہائی سو حوالی درست تسلیم میں کرتی تو چاہئے بالکل دہر گند؟ بجز ادبی سے مرزا کی شاعری کی نسبت جو کچھ کہا دہائی مد تک درست ہے۔ جلد بعض اشعار ایسے ہیں جن میں زبردستی ایسے معنی والے کی کوشش کی گئی ہے جو شعر کے دہم و گہن میں بھی نہ تھے اس طرح بعض خصوصیتوں کے بیان میں شعر و کلام سے کام لیا گیا ہے اور دہشت کی تصور، مخلص کے ساتھ کھینچی ہے۔ غالب بقیہ نظم میں جلد شیرازی کی سبقت کو نہیں پہنچے۔ شمسیر سے متعلق غیر متعلق اور غیر جڑا ہے۔ غالب کے وہ منحنی اشعار عقلی ہیں۔ وہ مرزا کے آئینہ عکاس کے مستقل ہر قسم۔ ا

میں ہر فاضل کو سنے شاعر کے انکار، اہل خیالات، عقائد اور طبیعت کے باطن پہلوؤں پر ہم القیاء روحانی اہل ہے۔ لہذا بصیرت امروز ہے جو طاری زبان میں شخصیت کا سب سے پہلا معاملہ ہے۔ اگلی جاننے سطحوں نگار کو اہمیت نہیں دینی کہ وہ جانب کی طبیعت کے اہم پہلوؤں پر نظر ڈالے، ورنہ آج کلید جانب کشادہ تحلیل نہ ہوگی۔

[illegible]

دورانِ غائب کے نکالی گئی باتوں میں بخاریہ بعض ایسی باتیں بھی تھیں جن کو مسندِ اعلیٰ کی ہے سیدھا بازگ کہ خدایاں کتنا چاہتے ہیں کہ ان کی توبہ ہو تو توبہ فرماتے ان کا نقصان قیامت پر ہے اور نقصانِ خود کو روکنا ضرور چاہتا ہے، نہ کوئی سیاحی خیالات نہ لکھتا ہے نہ ان کا افسانہ میں افسانہ کر سکتا ہے۔

پروفیسر محمد رفیع جالبی فرماتے ہیں کہ دکن کے ایک نوجوان نے طالب کی شاعری کو ایک انگریز نوجوان کے تحریر کردہ قصیدے سے دیکھ کر کو حلق کی ہے اور اس کو تخت افروزی سے بھی نیچے گرا دیا ہے۔ ہوا اٹھیل ہے کہ اگر طالب کی شاعری کا اس تحریر کیے کی دوسرے سوچ کر کہہ کر مستعد کیا جاسے تو ہم سید محمد عظیمی سے بالکل برعکس حلق پر پہنچیں گے۔ سید صاحب کی تحقیر میں تو بہت فرق ہے، ہر بھی کب نے بعض باتیں درست فرمائی ہیں۔ آپ کی رائے میں طالب کی شاعری بالکل عقل اور تعجب سے ہے اس لئے آپ ایک بار سے شاعر نہیں۔ ہر محفل میں دعویٰ کی تائید میں جوش کی کمی ہیں اور ہر صاحبِ ذوق درست تسلیم کرے گا کہ ہمیں آپ کی جوشی کہہ چکے ہیں یا نہیں، اس لئے ہم اپنی رائے کے شعور اپنی طرف سے غور کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

تھیں باغوں میں دکھائی دے رہی تھیں۔ آپ نے کہا کہ یہ سب کچھ دیکھ کر میں بہت خوش ہوں۔ آپ نے کہا کہ میں نے یہ سب کچھ دیکھ کر بہت خوش ہوں۔ آپ نے کہا کہ میں نے یہ سب کچھ دیکھ کر بہت خوش ہوں۔

جس کہ میں غائب ایسی ہیں بھی آگئی رہا
موسے آگئی رہا ہے ملتہ جہی زنجیر کا

میں شعراء میں کوئی جذبہ نہیں۔ کوئی حقیقی سنی نہیں۔ دینی کی بات ہے سچا نہ بات ہیں۔ جن کو عقل کی مدد سے عقائد کا جامہ پہنا دیا گیا ہے۔ غائب کے بہت سے شعراء اس قسم کے ہیں۔ کیا ان شعراء کی بنا پر غائب کی شعری کو انتہائی قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ ایک اہم سوال ہے اور اس پر مرزا کے ہاتھ کے دوام کا دارو دار ہے۔ جب تک یہ ایسا نہ ہو کہ غائب کی شعری دہائی ہے اور گھٹیل سے پیدا ہوئی ہے، ہم کسی حقیقی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ اگر لائق کی بات مرزا بھی عقل و شعور کی مدد سے شعر کہتے ہیں تو لائق کی شہرت بھی پختہ ہو نہیں

ہو سکتی۔ اگر آپ کی شعری تقلید ہے تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ شعری کی شہرت کیسے آتی ہے۔ کیا یہ سب سے پہلے غائب کی شخصیت کی وجہ سے اس کے غائب تھیل ہو گئے ہیں؟ اگر تھیل ہیں تو اس کا اس کی عظمت پر کیا اثر پڑا ہے؟

ان سوالات کا جواب دینے سے پہلے چند امور کا تقاضہ ضروری ہے۔ پہلی شہرت اس زمانہ میں خود پانچواں ہول ہول کی مجاہدوں اس کے گھٹیل اور طبعیت پر کس حد تک اثر کرتا ہو سکتی۔ وہ اپنے عہد کی عام سطح سے اس قدر اونچا اڑا کیا اس میں بہت کاہل تھا کیا اس نے اپنی شخصیت کے اعجاز کی کو شہر کی؟ یا صرف اس کا لائق شہرت ناقص ہے۔ کیا ان کے علاوہ اپنی شخصیت واضح کرنے میں کامیاب ہوا؟ اور سب سے پہلے کہ اس کی شعری کے ناقص اس کے اصل کا نتیجہ ہیں؟ اس کی ذات سے مخصوص ہیں۔ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ جدید فنون گوئی کی شعری تعلیم و تربیت کی سہولت اور بصیرت افزائی کے علاوہ کس صوب کی حامل ہے اور غائب کی شعری کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہے۔ اگر مرزا غائب اپنے اصل کی مجاہدوں کے علاوہ فنون کے اس مقام پر پہنچے ہیں۔ جدید شعری سچے تعلیم کے علاوہ نہیں پہنچ سکتے تو ہمیں شعری غیر معمولی عظمت تسلیم کرنی پڑے گی۔

غائب کی شعری نظم کی تمام انتہائی ماحولی نہیں۔ سید عبداللطیف نے بہت لفظی کی کہ اس کو سراسر عقلی و شعری قرار دیا۔ سید صاحب کا لفظ سادہ شعری کی طرف مائل ہے۔ لطیف صاحب لڑتے شعری سے کہہ کر کوئی منہ نہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ انہی کی شعری کو پسند نہیں کرتے۔ غائب کی شعری کی دوا دینے کے لئے لطافت اور دلچسپی کو پسند کرنے والا لفظ چاہئے۔ سید عبداللطیف "عقلی اور عقلی کا طرز پسند کرتے ہیں۔ اس لئے اگر آپ اقبل اور غائب کی شعری کو انتہائی اور بے لطف قرار دیں تو بعد میں غائب کی بات نہیں۔

غائب کی شعری تقلید ہے۔ فلسفہ حقیقی غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ غائب نے حقائق و حروف کا اور ان اپنی ذہنیت قوت فکر کی بدولت کیا لیکن اس کے بارے میں شک بہت میں تھا نہیں کے تھے۔ جتنی شعری قوت فکر مائل ہے۔ لہذا اس کا گھٹیل پر شکرت ہے۔ اس لئے وہ اپنے فلسفہ کو شعراء اور لڑائی میں پیش کرتا ہے۔ دنیا کے بہت کم شعراء نے فلسفہ جتنی شکرت کی مرزا سے بہتر انداز میں نظم کیا ہے۔ ان کی لغت سراسر شعری ہے۔ اس لئے ان کے شعراء خیالات بھی شعری میں لکھے ہوئے ہیں۔ وہ ان کو مٹا کر ہے ایک زبان میں پیش نہیں کرتے، بلکہ شعراء اور صورت اور لڑائی ہمارا کرتے ہیں۔

جسے ہاتھ نہیں ہے ہمارا اگر ہے مکی دوام کائنات خاطر ہے جیل دنیا کا
مری خیر میں صبر ہے اک صورت غریبی کی پہلی ہفتی فرمیں کا ہے طوط کرم دھن کا
ہے گلی تری سبک دھور اور ہے تو خورشید نہیں
آرائیں جیل سے قلع نہیں ہوا چلی نظر ہے اکبر دہم غلب میں

دیا کہہ عالم اہل صحت کے نہ ہوتے سے

بہتے ہیں جس قدر جام و سحر بھلا علی ہے

اس قسم کے افسانہ کی شہرہ چلتی جا رہی ہے۔ ان سب میں فلسفیانہ خیالات عقیدہ کے گئے ہیں۔ مگر ساتھ ہی شاعری کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ یہ عجب ہی کام تھا کہ کپ نے اس قدر عیشِ تصور کو اس غلامت کے ساتھ ملا لیا کہ ان کی شاعری کو عقلی اور فلسفی قرار دینا مذاقِ سلیم کی محنت ہے۔

غالب کی شاعری عقیدتِ اصلاح تک ہی محدود نہیں۔ کہ آپ نے اخلاقی مضامین، سوانحیات، تعلیمی ہر قسم کے مضامین تحریر کئے ہیں۔ جو عقل و شعور کے دائرہ سے خارج ہیں۔ اور انسانی فطرت کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے کبھی لڑائی خانہ نہیں ہو سکتے۔ ان کے مزاج و عقیدے نے بہت نا انصافی کی کہ غالب کے چند شعر چلی کر کے ظاہر کیا کہ انہوں نے جو کچھ لکھا اسی قسم اور اس قبیل کا لکھا۔ کہ آپ غالب کے مشہور شعروں میں سے کچھ شعر چلی کر کے متوال لہتے 7 ہمیں کوئی شکایت نہ ہوتی لیکن کہ آپ نے شاعر کے وہی ناموس شعر چلی کئے ہیں سے آپ کے دشمن کی تحقیر ہو سکے۔

والٹر صاحب نے غالب کی داستان عشق و محبت کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اور اسے غریب کی یہ کھلی اعتراض نہیں۔ جس طرح سلیبی نقد افراد اور شعرا کی زندگی کا بروقت تجزیہ کرتے ہیں، اسی طرح انہیں بھی اپنے شاعروں اور انہوں کی عائلی و باطنی زندگی کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالنی چاہئے، لیکن جیسے تک شاعر کے کلام کا تعلق ہے اس کے لب و لہجہ اور انداز سخن کو نہ سمجھ کر اعتراض کرنا ناہنجاری ہے۔ ”سینے لب“ میں جب جہاں کہیں کوئی نہ ہو اس لحظہ کو کہہ لطف اور غیر شاعرانہ قرار دینا باطنی اور شبلی کے دماغ سے نہایت عجیب انگیز ہے۔

عالم کی سطح پر جی نے ان کے مجھے دھوکا دیا بہت عرصہ گزرا ہے اس سے ان کی عظمت میں فرق نہیں آتا لیکن تاحقیر کرنا
جسے گاکر اگر شاعری پر حرج اور ہرجم کے دھوکے کے لئے ہے تو عالم کا شاعری اور اردو کا نام تاحقیر جلالت ہے ہاں میں کہ سکتا ہوں کی
شاعری خاص کے لئے ہے۔ مجھ کے لئے نہیں۔۔۔ شیعہ افسانہ نویس کا شاعر اور ہجر کے ہم نوا نہیں بلکہ ہر لائق تاحقیر لائق کی من کے ہم
نہیں جی۔ جی کا شاعر اور لائق تاحقیر نہیں۔ اگر یہ لوگ اچھل اچھل شاعر ہونے کے باوجود عرصہ عرصہ کے شاعری تو عالم کے لئے علماء اور
شعراء کا شاعر ہو گا لیکن محبوب بہت نہیں۔ اس سے ان کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ الفاظ پر بحث کرنا بی سود ہے۔ جس طرح
کوئی شاعر الفاظ کو استعمال کرتا ہے۔ اگر اس سے ہر شاعری اور غیر شاعری۔ اردو اور غیر اردو کی پانڈیاں علیہ کرنا درست نہیں۔ ہر شاعر کی ایک
خاص روایت ہوتی ہے۔ اور وہ اس کے مطابق شعر کہتا ہے۔ ہمیں اس کے اشعار کا مطالعہ اس کی طبیعت کی روشنی میں کرنا چاہیے۔ اپنی
طرف سے اصول وضع کر کے تنقید پڑھنا اس سے کام نہیں لینا چاہیے۔ زیادہ گوارا اہل کے ہم بھی علاج نہیں۔ زبان سلف اور شاعر ہر شاعر
الفاظ کے بغیر بھی لطف دے پاتی ہے۔ لیکن شعراء کو مختلف ضروریات کے لئے مختلف قسم کا شعر استعمال کرنا پڑا ہے۔ ہم ان پر کوئی
پانڈی علیہ نہیں کر سکتے۔ سب کے بعض اشعار میں ضرورت سے زیادہ معانی اکٹھی کی ہے۔ مگر مستحیثیت پر تنقید کی جلیلوں کوں رکھے؟ مرزا
کا اثر ہے عظمت ہے۔ اور اس کے لئے فارسی الفاظ کا استعمال ضروری ہے۔ اس سے آپ کے قارئین کا شاعر بہت عرصہ ہو جاتا ہے۔ مگر
عظمت پر زیادہ اثر نہیں پڑتا۔

قلب کو عام طور پر ایک عقلی دلیل کا ہانا ہے۔ لیکن ایک عقلی سے بھی زیادہ وہ ایک بڑے شعور میں ہے۔ ہمارے خیال میں حق کی برہنہ ہونے کے فلسفہ سے زیادہ واقعہ ہے۔ ہمارے خیال میں ہر انسان کی قدر و منزلت بھی یہی ہے۔ مگر حق کی فروع انسان کے سب سے بڑے شعور میں ہیں۔ ہر ایک ہر دور میں۔ مذکورہ فلسفہ اور انسان کے شعور کے لیے کہ پیدا ہوئے۔ فلسفہ ہمارے لیے کوئی بڑی چیز نہیں۔ مگر علوم کی مانند یہ بھی ضروری ضروریات میں سے ہے۔ لیکن عقلی شعور کے لیے حشر اور سخت دل ہوتے ہیں۔ فلسفہ ان کی برہنہ ہونے کے لیے ہر ایک خاص فلسفہ یا خاص عقیدہ کو بیان کر دینا چاہیے ہے۔ شعور اور حشر اور ان کے لیے ہے۔

مذاہب ایک جہت سے ملتے جاتے ہیں۔ ان میں فرقہ وارانہ عقیدوں کی مانند سکولر، لنگ، مزاحیہ اور رنگ نہر ہے۔ جیسے کہ ایسے عقائد کی مثالیں

[illegible]

تاک کی دنیا سے محبت نیا بات تک ہی محدود تھیں۔ وہ ایک غلط اور بلند نظر صوفی ہیں مگر حقیقت کے سلیقے کے لئے ہوا کی نظر قریب مددگار کو نہیں سمجھتا۔ مینیوں کے غلوں و عشقوں کے علاوہ ہیں۔ اور عشق و محبت میں عام انسانوں کی بات دیکھیں جیسے

عالم نے ایک حقیقی انسان کی ہمدردی برسرِ کبود زندگی کے تمام مصلحت میں حصہ لے لیا۔ یہ وہ اعلیٰ نے یہاں بھی لایا۔ یہی کی ہے۔ اور کہا ہے کہ مرزا کی زندگی میں کوئی صمیم مقصد یا دستور اصل نظر نہیں آتا۔ گواہی دلتے ہیں کہ وہ لوگوں پر انہیں ممکن نہیں تھا۔ زندگی برکات و منجھوٹے لئے نہیں تھی۔ مشکل ہے۔ معلوم نہیں یہ صاحب کس قسم کی زندگی کے حقائق ہیں۔ دیکھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ کہ عالم کی باطنی زندگی کس قسم کی تھی۔ اس زاویہ سے دیکھا جائے تو انہیں مرزا عالم کی زندگی میں تمام وہ باتیں نظر آتی ہیں جو ہمارے تجربہ انسانوں سے مخصوص ہیں۔ انہوں نے ایک حقیقی شاعر کی ہمدردی کی ہر بات میں حصہ لیا۔ یہی ملک کے اپنے حقوق کے لئے لڑتے تھے۔ ہمارے جی بھی کہ اگر ٹیکس کے لئے یہ بات مانے اور خیال کی چال ہے کہ وہ دہلی مصلحت میں بھی نہایت اوشیدہ اور دیکھ کر عالم کی بھی جملہ روحانی فلسفیت اور فردا کی بے غور کرتے ہیں۔

عقاب کی زندگی ایک مطلق زندگی ہے۔ کپ نے زندگی کے واقعات کا سہارا لے لیا اور خود توجہ حاصل کرنے کے لئے دائم حقائق میں اگلے آپ کی سے روشنی متعارف داری اور دیگر عرش میں کی پہلی نہیں آپ نے ان کا اپنی شاعری میں خود اظہار کیسے پہنچ گئے ہیں کہ۔
 میرے غم خانے کی قسمت ہم دہم ہوتے گی لکھنا لکھنا سہب رہتی تھے

میرے فلم خانے کی قسمت بہ دلم ہونے لگی

مرزا غالب نے ریاضت پر دیر تئیں اور پختہ تئیں عمل کی۔ وہ اپنی علاقوں کی وجہ سے مصیبت اور رنج و غم میں مبتلا ہوتے اور تجوید کے طور پر دینا کو ایسی منہ پر تعصبات دیتی کہ قریب بھڑان کے اعتراف سے بھی جھکنا نہ سمجھتی تھیں۔ یہ سکتی ذلیل کے اعضاء غالب کے تجوید دانگی کا بوجھ تھی۔

ہے انہوں نے ہر ایک سب میں ہم ہوتے
ہم قرض سے نہیں تھا نہ دیکھ کر دیکھ
چاہا ہوں دارغ حسرت جتنی لئے ہوتے
تک سے ہم کو نہیں دیکھ کا کیا کیا تھا ہے
ہم ہر صبح میں ہے حلقہ حد ہم تک

یام جم سے ۶ سزا جام سٹل ایچا ہے
کیاں شلہ گل بارے سے دوار میں کوئے
ہست لگے صوبے اہلن لگیں پھر بھی کم لگے
دوار کر جنہیں ہوس کا د نوش ہے

سلی معلوم دشمن لڑائی و جنگی مطلب پہ نظر دینے چاہیے وہ ہوتی ہے
 جسے ہائے غم سے بدلہ لیا گیا ہے یا نہیں عام گفت کا طرز ہے جس دنیا کا
 نہ سو کر برا کئے کوئی نہ سو کر برا کرے کوئی
 روک رو کر غلط ہے کوئی بخل ہو کر غلط کرے کوئی
 کون ہے جو نہیں ہے حاجت سے کس کی حاجت روا کرے کوئی؟

زندگی کے سچے تہذیب غالب کی طبیعت میں غم ہی کہ مرہبت کر سکتے یہ رنج و غم کا احساس ان کی شخصیت کا سب سے دھچک اور اثر
 انگیز پہلو ہے میرور اکبر اپنی پہلی داس پر حق کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا غم زندگی کی تلخیوں اور ناامیوں کا نتیجہ ہے۔ ان کو طبیعت نے جن
 پرست بنایا ہے۔ غالب ان کا نظارہ ہوسکتا نہیں ہے رنج و غم کے شعر کے، مگر اس طرح کہ ان سے ذاتی ناامیوں کے نام کی صدا نہیں
 آتی۔ وہ ایک درد مند دل کی گواہ ہیں طوفانِ حوادث نے مرزا کو دنیا کا حقیقی مطالعہ کرنے پہ ابلی کیا اور ذاتی کشمکشوں اور غمروں پر دوسرے
 دوسرے کی جہانے زندگی کے حسیہ فلسفہ کی طرف راہنمائی کی۔

غالب کو اس فلسفہ کے ادراک پہ دلوں پر چاہتے شوقین ہادی تھراس فلسفہ تک سامنے کے تمام جدید ترین مسلمات کو سامنے رکھ کر
 پہلی، لیکن بدی شعور نے اس کا اپنی پر شرکت تخیل کی مدد سے ادراک کیا۔ مرزا غالب اس لحاظ سے بلند جدید کے کوتم ہیں۔
 مرزا نے اس فلسفہ کا ادراک کیا مگر اس میں قصور نہ ہوسکتا۔ اس پر ایک سرسری نظر اسی کر آگے نقل کئے۔ ان کی ترقی پسند
 طبیعت کسی خاص نقطہ پر ٹھہرا نہیں چاہتی تھی۔ اہل بخودی وہ اس فلسفہ سے باہر نکل گئی اور سلوک کے مراحل طے کرنے کے بعد
 کامل بصیرت پیدا کی۔ ان کو رنج و غم اور مصیبتوں کی شایعہ بھول گئی۔ تسلیم و رخصانے ان کی طبیعت کو وہ سکون بخشتا جو ہر تجسس طبیعت
 کی سرگرمی کی اختتام ہے۔

عشرتِ قلمو ہے دنیا میں کھو جاتا درد کا حد سے گزرتا ہے وہاں جاتا

غالب کی شخصیت ان اشعار اور تصویروں سے بھی ظاہر ہوتی ہے جن میں وہ اپنے اعجاب اور مزاج کی بدولت پر ایک طعنے جہلتے ہیں
 یا ان کے حقیقی حلقہ کے انداز میں کوئی اشارہ کرتے ہیں۔

عارف کا درد ناگ مرہب۔ شہزادے کی موت پر رقت انگیز ترکیب بند۔ اور محبوب کی مرگ نامی پر اظہار غم ان کو ایک لطیفہ دینے
 انقلاب انسان جہت کرتی ہیں۔ پھر وہ نئی شعروں کی فکر قلم رہنے اب اپنی جگہ نکل کر جہلی کوئی نہ ہو۔ ہر انسان کی دل خواہش ظاہر کرتی
 ہے۔ انہی کی قلم دہائی مصلحتوں سے آگیا ہواں یا رب کی طرح یہ بھی ایک شعر قرار ہے۔

آرت اور غائب دونوں نوع انسان کی اصلاح و بہت کے ادرے ہیں۔ آرت اپنا اثر حسن و لطافت سے پیدا کرتا ہے۔ غائب غائب
 کو ہمارے قلوب انسانی میں عمل کی دھج پھونکتا ہے۔ شاعر آہستہ آہستہ دونوں میں کسی کر نوع انسان کو بحر مقام پر لے جاتا ہے۔
 اسے مرغوب ہے چپکے ہی چپکے دل میں مگر کرنا اسے قائم دکان میں بقی کی صورت اڑ کر

بلکہ شعر شاعر فرقہ آروائی کا اثر مطالعے کے لئے وسیع المذاہب محبت اور الفت کی تعلیم دیتے ہیں۔ ہمدردی ان میں ناچھی منزل کے ہاتھ
 ایک مدت سے قصب کی گرم ہزاری ہے۔ غالب کے زمانے میں قصب نے اس قدر بڑھ نہیں بکڑا تھا لیکن عہدِ حاضر میں یہ ایک حاتمہ

ہوا میں کر تک کے طول و عرض پر چھا گیا ہے اس وقت ہمیں ایسے ہی شعروں اور لہجوں کی ضرورت ہے جو قصب کی خاک کی کر کے عرض وطن میں ایک خوشگوار لطافت لگائی کریں۔ غالب نے اس وسیع المانی کی تعلیم کا اس وقت اور ان کی قصب کا زہر کلم و دہن کی ان باتوں کو رہا تھا اور وہ وہاں ہی میں اترا تھا کہ وہاں ہی کہتے

دھواڑی بھڑا استواری اصل لکھ ہے میرے دلفن میں تو کہہ میں نکلا رہیں کو
میں کچھ جو د لہر کے پھوسے میں گہرائی دھواڑی میں شیخ و برہن کی آزمائش ہے

غالب نے عجب نظریہ اور قصب کے خلاف ایک خاموش مگر زبردست احتجاج کیا۔ اگر ہم کج فن کی قصب جسکی اور نہ غلام تعلیم پر عمل کریں تو بھڑی مروج کا یہ دعویٰ غلط و سنا درست ثابت ہو گا کہ قصب سمون "تعلیم تربیت فطرت کوئی زندگی لایا پہلو نہیں جس نے (گوئے اور غالب) کا اثر نہ چھوڑا ہو۔ گوئے کا کام قوی اور مکی ترقی کا باعث ہو چکا اور اپنا خاص غلام پر را کر غالب کا کام اب طویل ہوا ہے اور سمون، شعلیں اس امر کا سہارا کریں گی کہ فن کی ترقی میں غالب کے کام کا جو اعظم کمال تک ہم اور سلطان ہوا ہے۔

(ماہنامہ "ہند" لاہور ۱۹۳۳ء میں ۱۲۶-۱۲۷)



- ۱۔ ڈاکٹر کی
جدا شکم الدین دہلوی
- ۲۔ غالب کے بعض اشعار کے مقابل قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۲۲-۳۲۳
۳۔ غالب کے بعض غیر مطبوعہ اشعار اور لکھنے قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۲۴-۳۲۵
- ۴۔ غالب کی باب التیاز خصوصیت قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۲۶
۵۔ قمری "غالب نے دہلی پر" تصدیق اور قمری کی کچھ تصاویر قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۲۷-۳۲۸
۶۔ جلالت غالب کے خود خط قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۲۹-۳۳۰
- ۷۔ غالب کی عظمت قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۳۰-۳۳۱
۸۔ میر میری مروج غالب کا شاعر بہتری قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۳۱-۳۳۲
۹۔ نزل نام طبع غالب قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۳۱
۱۰۔ غالب علم و فکر کے نقطہ میں قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۳۲-۳۳۳
۱۱۔ شیعہ دانش (غالب معظم ترنہ) قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۳۳
۱۲۔ ترنہ غالب معظم ترنہ (قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۳۳-۳۳۴
۱۳۔ انشائیات غالب قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۳۴-۳۳۵
۱۴۔ "مجموعہ اردو" میں فارسی کے ترجمے بہتری قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۳۵-۳۳۶
۱۵۔ انتخاب غالب قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۳۶
۱۶۔ غالب میری مشرق قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۳۶-۳۳۷
۱۷۔ نقل ہائے رنگ رنگ (غالب کے چند اور فارسی خطوط) قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۳۷-۳۳۸
۱۸۔ رنگ رنگ (غالب کا شعر) تراشیدہ طبع (میں قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۳۸-۳۳۹
۱۹۔ گزشتہ اور غالب بہتری قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۳۹-۳۴۰
۲۰۔ غالب کی انگریزی کے چند پہلو بہتری قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۴۰-۳۴۱
۲۱۔ نذر غالب قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۴۱
۲۲۔ غالب اور شاعر محمد حسن قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۴۱-۳۴۲
۲۳۔ غالب اور راجہ مسی علی علی قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۴۲-۳۴۳
۲۴۔ میر غالب کے چند مسائل قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۴۳-۳۴۴
۲۵۔ سبب لکھنے میں اردو تنقید (نثر غالب شاعر) عظمت قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۴۴
۲۶۔ میر حسن اور علی علی علی (غالب و قمری قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۴۵-۳۴۶
۲۷۔ لکھت لکھت (غالب غالب) قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۴۶-۳۴۷
۲۸۔ راجہ علی غالب کی چوتھی اشاعت کا مسودہ قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۴۷-۳۴۸
۲۹۔ میر نذر غالب اور نذر غالب (قمری ۱۹۵۵ء میں ۳۴۸-۳۴۹
- ۳۔ غالب ڈیرہ کاظمی
۴۔ ۱۲۱ میں پانی پتی کا خط
۵۔ اختر ماضی
۶۔ ۱۲۱ میں مبینہ وضو ہند
۷۔ ۱۲۱ میں مبینہ وضو ہند
۸۔ ۱۲۱ میں مبینہ وضو ہند
۹۔ ۱۲۱ میں مبینہ وضو ہند
۱۰۔ ۱۲۱ میں مبینہ وضو ہند
۱۱۔ ۱۲۱ میں مبینہ وضو ہند
۱۲۔ ۱۲۱ میں مبینہ وضو ہند
۱۳۔ ۱۲۱ میں مبینہ وضو ہند
۱۴۔ ۱۲۱ میں مبینہ وضو ہند
۱۵۔ ۱۲۱ میں مبینہ وضو ہند
۱۶۔ ۱۲۱ میں مبینہ وضو ہند
۱۷۔ ۱۲۱ میں مبینہ وضو ہند
۱۸۔ ۱۲۱ میں مبینہ وضو ہند
۱۹۔ ۱۲۱ میں مبینہ وضو ہند
۲۰۔ ۱۲۱ میں مبینہ وضو ہند

- ۱۔ جلال الدین احمد: ۳۔ موہن قدر غالبؒ، فوروری ۱۹۵۵ء، ص ۵۷
- ۲۹۔ یحییٰ احمد (حکیم): ۳۳۔ تحقیقات غالبؒ اور مسلم نیپالی: کا ترجمہ و تخریص، فوروری ۱۹۵۶ء، ص ۳۳-۳۴
- ۳۰۔ جمیل بٹیش کا لکھنؤ: ۳۳۔ غالب کی جگہ اکتیوار خصوصیت، فوروری ۱۹۵۶ء، ص ۳۱
- ۳۱۔ جمیل نقوی: ۳۵۔ غالب اور سرسید، فوروری ۱۹۵۵ء، ص ۸۷
- ۳۲۔ مہدی مصطفیٰ حسین: ۳۶۔ رام گپ (غالب کی مدافعتی محبوب) منظوم، فوروری ۱۹۵۴ء، ص ۳۹-۴۵
- ۳۳۔ حسن علی مدنی: ۳۷۔ غزل ہم طرح، غالبؒ، فوروری ۱۹۵۵ء، ص ۵۷
- ۳۴۔ حفیظ: ۳۸۔ سید غالبؒ (منظوم)، فوروری ۱۹۵۵ء، ص ۸
- ۳۵۔ حق شناس الحق: ۳۹۔ غالب کی ماہ اکتیوار خصوصیت، فوروری ۱۹۵۶ء، ص ۳۵-۳۴
- ۳۶۔ محمد علی احمد خان: ۴۰۔ صاحب نایک اور لٹاکار، فوروری ۱۹۵۵ء، ص ۳۹-۴۰
- ۳۷۔ سید سلیمان: ۴۱۔ غالب اور زبان عشق (ریڈیو ڈبلیو پی پی)، فوروری ۱۹۵۵ء، ص ۳۵-۳۴
- ۳۸۔ سید سلیمان: ۴۲۔ آئین کی باتیں (غالب کی ستر سالہ بڑی)، فوروری ۱۹۵۶ء، ص ۶
- ۳۹۔ سید سلیمان: ۴۳۔ مرزا غالب لندن میں (ریڈیو ڈبلیو پی پی)، فوروری ۱۹۵۶ء، ص ۳۱-۳۰
- ۴۰۔ سید سلیمان: ۴۴۔ فوروری فوروری ۱۹۵۶ء، ص ۳۹-۳۸
- ۴۱۔ سید سلیمان: ۴۵۔ آئین کی باتیں (غالب کے بارے میں)، فوروری ۱۹۵۶ء، ص ۸
- ۴۲۔ سید سلیمان: ۴۶۔ آئین کی جگہ اکتیوار خصوصیت، فوروری ۱۹۵۵ء، ص ۳۵-۳۴
- ۴۳۔ سید سلیمان: ۴۷۔ غالب کا لکھنؤ، فوروری ۱۹۵۵ء، ص ۴۷-۴۶
- ۴۴۔ سید سلیمان: ۴۸۔ غالب و ادب، فوروری ۱۹۵۶ء، ص ۷۷-۷۶
- ۴۵۔ سید سلیمان: ۴۹۔ غالب کا قصور، عشق، فوروری ۱۹۵۴ء، ص ۳۲-۳۱
- ۴۶۔ سید سلیمان: ۵۰۔ غالب کا ہم پر تسلط، غالبؒ، فوروری ۱۹۵۴ء، ص ۵۳
- ۴۷۔ سید سلیمان: ۵۱۔ غالب کے قوی نقطہ، فوروری ۱۹۵۵ء، ص ۳۹-۳۸
- ۴۸۔ سید سلیمان: ۵۲۔ اکتیوار، غالبؒ، فوروری ۱۹۵۵ء، ص ۳۹-۳۸
- ۴۹۔ سید سلیمان: ۵۳۔ غالبؒ (منظوم)، فوروری ۱۹۵۴ء، ص ۵
- ۵۰۔ سید سلیمان: ۵۴۔ غالبؒ (منظوم، تراجم)، فوروری ۱۹۵۳ء، ص ۶-۵
- ۵۱۔ سید سلیمان: ۵۵۔ غالب اس کی زندگی اور قاری کا کام، (ادب شہ گمانی)، تبہ، فوروری ۱۹۵۳ء، ص ۷-۶
- ۵۲۔ سید سلیمان: ۵۶۔ آجک قول ترجمہ ہم طرحی غزل، فوروری ۱۹۵۳ء، ص ۸
- ۵۳۔ سید سلیمان: ۵۷۔ غالب کی ہم طرحی غزل، فوروری ۱۹۵۳ء، ص ۳۱
- ۵۴۔ سید سلیمان: ۵۸۔ غزل بکشتی، غالبؒ، فوروری ۱۹۵۸ء، ص ۳۹
- ۵۵۔ سید سلیمان: ۵۹۔ غالب و انیس کی اپنے کام پر ایسا بھی تو سر ۱۹۵۶ء، ص ۷
- ۶۰۔ سید سلیمان: ۶۰۔ راجہ غالبؒ اور فوروری ۱۹۵۶ء

- ۳۴۔ اشارہ کارچی: ۱
۳۵۔ دانشدار نظام حسین:
۳۶۔ اغلب مرزا آبادی:
۷۔ رحمتی اختر شوقی:
۸۔ رحمت جلدی:
۹۔ رفیق سکون:
۱۰۔ سحر قادری:
۱۱۔ سر سید احمد خان:
۱۲۔ سید علقینہ:
۱۳۔ سید حسن حسین:
۱۴۔ سید محمد رفیع ریاضی:
۱۵۔ سید مرزا:
۱۶۔ سحر قادری:
۱۷۔ سید احمد خان:
۱۸۔ سید احمد خان:
۱۹۔ سید احمد خان:
۲۰۔ سید احمد خان:
۲۱۔ سید احمد خان:
۲۲۔ سید احمد خان:
۲۳۔ سید احمد خان:
۲۴۔ سید احمد خان:
۲۵۔ سید احمد خان:
۲۶۔ سید احمد خان:
۲۷۔ سید احمد خان:
۲۸۔ سید احمد خان:
۲۹۔ سید احمد خان:
۳۰۔ سید احمد خان:
۳۱۔ سید احمد خان:
۳۲۔ سید احمد خان:
۳۳۔ سید احمد خان:
۳۴۔ سید احمد خان:
۳۵۔ سید احمد خان:
۳۶۔ سید احمد خان:
۳۷۔ سید احمد خان:
۳۸۔ سید احمد خان:
۳۹۔ سید احمد خان:
۴۰۔ سید احمد خان:
۴۱۔ سید احمد خان:
۴۲۔ سید احمد خان:
۴۳۔ سید احمد خان:
۴۴۔ سید احمد خان:
۴۵۔ سید احمد خان:
۴۶۔ سید احمد خان:
۴۷۔ سید احمد خان:
۴۸۔ سید احمد خان:
۴۹۔ سید احمد خان:
۵۰۔ سید احمد خان:
۵۱۔ سید احمد خان:
۵۲۔ سید احمد خان:
۵۳۔ سید احمد خان:
۵۴۔ سید احمد خان:
۵۵۔ سید احمد خان:
۵۶۔ سید احمد خان:
۵۷۔ سید احمد خان:
۵۸۔ سید احمد خان:
۵۹۔ سید احمد خان:
۶۰۔ سید احمد خان:
۶۱۔ سید احمد خان:
۶۲۔ سید احمد خان:
۶۳۔ سید احمد خان:
۶۴۔ سید احمد خان:
۶۵۔ سید احمد خان:
۶۶۔ سید احمد خان:
۶۷۔ سید احمد خان:
۶۸۔ سید احمد خان:
۶۹۔ سید احمد خان:
۷۰۔ سید احمد خان:
۷۱۔ سید احمد خان:
۷۲۔ سید احمد خان:
۷۳۔ سید احمد خان:
۷۴۔ سید احمد خان:
۷۵۔ سید احمد خان:
۷۶۔ سید احمد خان:
۷۷۔ سید احمد خان:
۷۸۔ سید احمد خان:
۷۹۔ سید احمد خان:
۸۰۔ سید احمد خان:
۸۱۔ سید احمد خان:
۸۲۔ سید احمد خان:
۸۳۔ سید احمد خان:
۸۴۔ سید احمد خان:
۸۵۔ سید احمد خان:
۸۶۔ سید احمد خان:
۸۷۔ سید احمد خان:
۸۸۔ سید احمد خان:
۸۹۔ سید احمد خان:
۹۰۔ سید احمد خان:
۹۱۔ سید احمد خان:
۹۲۔ سید احمد خان:
۹۳۔ سید احمد خان:
۹۴۔ سید احمد خان:
۹۵۔ سید احمد خان:
۹۶۔ سید احمد خان:
۹۷۔ سید احمد خان:
۹۸۔ سید احمد خان:
۹۹۔ سید احمد خان:
۱۰۰۔ سید احمد خان:

۳۱۔ قالب سے انجیل (خطوط) قالب کی بنیاد پر ۱۹۵۰ء میں ۳۷۲۸

۱۱۔ طور گوری، مسعودیہ قالب کے اثرات، فورڈی ۱۹۶۸ء، ص ۳۳۳

مذہب، مطلقہ، تاریخ، علم، اہل سنت

۱۲۔ قالب فورڈی ۱۹۵۵ء

۱۳۔ فورڈی ۱۹۶۸ء، ص ۱۵۵

۱۴۔ سر حسین دہلوی، سید

۱۵۔ قالب کی ترمیم، پرنسپل پر چارہ، فورڈی ۱۹۵۰ء، ص ۳۲۳

۱۶۔ حیرانگہ

۱۷۔ قالب فورڈی ۱۹۵۵ء، ص ۸

۱۸۔ طاہر علی، لیدی، سید

۱۹۔ قالب کا تصور، رنگ، فورڈی ۱۹۵۳ء، ص ۳۰۳

۲۰۔ غلی، دارا

۲۱۔ قالب کی قر شعری، فورڈی ۱۹۵۵ء، ص ۸۰

۲۲۔ ظہار، مئی، فورڈی

۲۳۔ فورڈی ۱۹۵۵ء، ص ۳

۲۴۔ تعمیر، دہلی

۲۵۔ راز، آگہ، (قلم، قالب)، فورڈی ۱۹۵۵ء، ص ۳۴

۲۶۔ طرف، لکڑی

۲۷۔ فورڈی ۱۹۵۵ء، ص ۳۳

۲۸۔ مہلت، بریلی، ڈاکٹر

۲۹۔ قالب اور قلم، ندرا، فورڈی ۱۹۵۵ء، ص ۱۵۵

۳۰۔ فورڈی ۱۹۶۸ء، ص ۱۵۵

۳۱۔ کام، قالب کا آئینہ، پرنسپل، فورڈی ۱۹۵۳ء، ص ۳۳

۳۲۔ قالب، فورڈی ۱۹۵۵ء، ص ۱۲۲

۳۳۔ فورڈی ۱۹۶۸ء، ص ۱۵۵

۳۴۔ قالب، تعلق، پرنسپل، فورڈی ۱۹۶۸ء، ص ۱۵۵

۳۵۔ قالب کا جامع، انجیل، فورڈی ۱۹۵۵ء

۳۶۔ مہلت، بریلی، ڈاکٹر

۳۷۔ فورڈی ۱۹۶۸ء، ص ۱۵۵

۳۸۔ قالب، پرنسپل، اقبال، ۱۹۵۵ء

۳۹۔ فورڈی ۱۹۶۸ء، ص ۱۵۵

۴۰۔ قالب، جام، پرنسپل، قالب، فورڈی ۱۹۵۳ء، ص ۳۳

۴۱۔ قلم، پرنسپل، رنگ، رنگ، فورڈی ۱۹۶۸ء، ص ۱۵۵

۴۲۔ قالب کے خطوط، انجیل، فورڈی ۱۹۵۵ء، ص ۸۰

۴۳۔ قالب کے ایک شعری، غلامی، پرنسپل، فورڈی ۱۹۵۳ء

۴۴۔ قالب کی تصویر، فورڈی ۱۹۵۰ء، ص ۲۱

۴۵۔ قالب کے قلم، انجیل، ایک نیا مجموعہ، فورڈی ۱۹۵۳ء، ص ۱۵۵

۴۶۔ فورڈی ۱۹۶۸ء، ص ۱۵۵

۴۷۔ مہلت، پرنسپل، قالب، فورڈی ۱۹۵۳ء، ص ۳۳

۴۸۔ قالب کے قلم، انجیل، ایک نیا مجموعہ، فورڈی ۱۹۵۳ء، ص ۱۵۵

۴۹۔ فورڈی ۱۹۶۸ء، ص ۱۵۵

۵۰۔ مہلت، پرنسپل، قالب، فورڈی ۱۹۵۳ء، ص ۳۳

۵۱۔ مہلت، پرنسپل، قالب، فورڈی ۱۹۵۳ء، ص ۳۳

۵۲۔ مہلت، پرنسپل، قالب، فورڈی ۱۹۵۳ء، ص ۳۳

۵۳۔ مہلت، پرنسپل، قالب، فورڈی ۱۹۵۳ء، ص ۳۳

۵۴۔ مہلت، پرنسپل، قالب، فورڈی ۱۹۵۳ء، ص ۳۳

۵۵۔ مہلت، پرنسپل، قالب، فورڈی ۱۹۵۳ء، ص ۳۳

۵۶۔ مہلت، پرنسپل، قالب، فورڈی ۱۹۵۳ء، ص ۳۳

۵۷۔ مہلت، پرنسپل، قالب، فورڈی ۱۹۵۳ء، ص ۳۳

۱۸۸۰ء - غالب کوئی ہے "فردوسی" ۱۸۷۴ء، ص ۱۸۰

۱۸۸۱ء - غالب کا رابطہ "رنگ فردوسی" ۱۸۶۳ء، ص ۳۵۵-۳۰

۱۸۸۲ء - غالب کا "تذکرہ فردوسی" ۱۸۶۳ء، ص ۲۸-۲۱

۱۸۸۳ء - غالب کا خود اپنی مطابقت "فردوسی" ۱۸۶۵ء، ص ۳۴-۳۳

۱۸۸۴ء - درخش کا دیوانی (غالب) "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۹۸-۹

۱۸۸۵ء - فردوسی "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۳۴-۳۳

۱۸۸۶ء - مرنہوڑ، ایک دور "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۳۲۹-۳۲۷

۱۸۸۸ء - غالب کا "اٹلی لڑکھ" "فردوسی" ۱۸۷۰ء، ص ۱۵۰-۲۰

۱۸۸۹ء - "شیخ" "یہاں میں" غالب کے "انتساب" "فردوسی" ۱۸۷۰ء، ص ۱۵۰-۲۰

۱۸۹۰ء - غالب کا "اٹلی لڑکھ" "فردوسی" ۱۸۷۰ء، ص ۱۵۰-۲۰

۱۸۹۱ء - "مگر" "غالب" "نسخہ سحر" "فردوسی" ۱۸۶۲ء، ص ۳۰۷

۱۸۹۲ء - غالب کے "مطبوعہ ایک شعر" "فردوسی" ۱۸۶۷ء، ص ۳۲۷-۳۲۷

۱۸۹۳ء - غالب "اسٹیک" "روا" میں "انکسیر" "فردوسی" ۱۸۶۳ء، ص ۱۵۰-۲۰

۱۸۹۴ء - غالب کی "باب" "انتخاب" "خصوصیت" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۶۱

۱۸۹۵ء - "مگر" "مطبوعہ" "بجوری" "غالب" "فردوسی" ۱۸۷۰ء، ص ۳۴-۲۵

۱۸۹۶ء - "مرا" "غالب" کی "ناری" "شامی" "فردوسی" ۱۸۶۷ء، ص ۳۳۵-۳۳۵

۱۸۹۷ء - "فردوسی" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۸۱-۱۸۰

۱۸۹۸ء - غالب اور "رکبت" "فردوسی" ۱۸۶۵ء، ص ۳۳۵-۳۳۵

۱۸۹۹ء - غالب "مطبوعہ" "فردوسی" ۱۸۶۳ء، ص ۳۰۷

۱۹۰۰ء - "مگر" "جام" "در" "سلسلہ" "غالب" "فردوسی" ۱۸۶۳ء، ص ۵۳

۱۹۰۱ء - "مگر" "آزاد" "جام" "غالب" "فردوسی" ۱۸۶۳ء، ص ۱۵۰-۲۰

۱۹۰۲ء - "فردوسی" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۸۱-۱۸۰

۱۹۰۳ء - "تذکرہ" "رنگ" "عفی" "و" "غالب" "مرا" "فردوسی" ۱۸۶۳ء، ص ۳۴-۳۳

۱۹۰۴ء - غالب کی "وقت" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۵۰-۲۰

۱۹۰۵ء - غالب کے "مطبوعہ" "فردوسی" ۱۸۶۵ء، ص ۳۳۵-۳۳۵

۱۹۰۶ء - غالب کی "قصیدہ" "گویی" "فردوسی" ۱۸۷۰ء، ص ۳۳۵-۳۳۵

۱۹۰۷ء - غالب "آزاد" کے "عظیم" "و" "فردوسی" ۱۸۶۳ء، ص ۱۵۰-۲۰

۱۹۰۸ء - "مگر" "زکریا" "آزاد" "غالب" "مطبوعہ" "فردوسی" ۱۸۶۵ء، ص ۱۵۰-۲۰

۱۹۰۹ء - "مگر" "جام" "در" "سلسلہ" "غالب" "فردوسی" ۱۸۶۳ء، ص ۵۳

۱۹۱۰ء - غالب "آزاد" "جام" "غالب" "فردوسی" ۱۸۶۳ء، ص ۱۵۰-۲۰

۱۹۱۱ء - غالب "آزاد" "جام" "غالب" "فردوسی" ۱۸۶۳ء، ص ۱۵۰-۲۰

۱۸۸۰ء - "فردوسی" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۸۱-۱۸۰

۱۸۸۱ء - "فردوسی" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۸۱-۱۸۰

۱۸۸۲ء - "فردوسی" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۸۱-۱۸۰

۱۸۸۳ء - "فردوسی" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۸۱-۱۸۰

۱۸۸۴ء - "فردوسی" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۸۱-۱۸۰

۱۸۸۵ء - "فردوسی" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۸۱-۱۸۰

۱۸۸۶ء - "فردوسی" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۸۱-۱۸۰

۱۸۸۷ء - "فردوسی" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۸۱-۱۸۰

۱۸۸۸ء - "فردوسی" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۸۱-۱۸۰

۱۸۸۹ء - "فردوسی" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۸۱-۱۸۰

۱۸۹۰ء - "فردوسی" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۸۱-۱۸۰

۱۸۹۱ء - "فردوسی" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۸۱-۱۸۰

۱۸۹۲ء - "فردوسی" "فردوسی" ۱۸۶۹ء، ص ۱۸۱-۱۸۰

۱۱۔ مسعود حسن رضوی نیوٹ

۲۰۔ چٹاہلی "نور دی" ۱۳۹۹ء میں ۳۰-۳۱

۱۲۔ مسلم نیپالی

۲۱۔ "میر مختار" نور غائب نور دی ۱۳۹۹ء میں ۳۰-۳۱

۲۲۔ غائب کے تاریخی تحری "نور دی" ۱۳۹۸ء میں ۳۰-۳۱

۲۳۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۲۴۔ "غیبتات غائب نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۱۳۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۲۵۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۱۴۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۲۶۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۱۵۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۲۷۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۲۸۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۱۶۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۲۹۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۳۰۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۳۱۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۱۷۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۳۲۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۳۳۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۱۸۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۳۴۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۱۹۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۳۵۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۳۶۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۳۷۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۳۸۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۳۹۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۴۰۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۴۱۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۴۲۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۴۳۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۴۴۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۴۵۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۴۶۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۴۷۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۴۸۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۴۹۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۵۰۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۲۰۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۲۱۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

۵۱۔ "میر غائب کی شریعت نور دی" ۱۳۹۷ء میں ۳۰-۳۱

نومبر ۱۹۵۸ء میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب اور دہلی کے لیے پہلی نومبر ۱۹۵۸ء میں ۲۶

۱۹۵۸ء کے نام کا پہلا نمبر غالب نے نومبر ۱۹۵۸ء میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب کی ایک غیر مطبوعہ نثر "نومبر ۱۹۵۸ء" میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب کی ہم طرح نثر "نومبر ۱۹۵۸ء" میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب کا ناول "نومبر ۱۹۵۸ء" میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب کا نثر "نومبر ۱۹۵۸ء" میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب کی شخصیت "نومبر ۱۹۵۸ء" میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب کا ناول "نومبر ۱۹۵۸ء" میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب کی "نومبر ۱۹۵۸ء" میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب کا ناول "نومبر ۱۹۵۸ء" میں ۲۶

نومبر ۱۹۵۸ء میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب اور دہلی کے لیے پہلی نومبر ۱۹۵۸ء میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب کے نام میں "نومبر ۱۹۵۸ء" (نومبر ۱۹۵۸ء) میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب کی "نومبر ۱۹۵۸ء" (نومبر ۱۹۵۸ء) میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب کی "نومبر ۱۹۵۸ء" (نومبر ۱۹۵۸ء) میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب اور دہلی کے لیے پہلی نومبر ۱۹۵۸ء میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب اور دہلی کے لیے پہلی نومبر ۱۹۵۸ء میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب اور دہلی کے لیے پہلی نومبر ۱۹۵۸ء میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب اور دہلی کے لیے پہلی نومبر ۱۹۵۸ء میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب اور دہلی کے لیے پہلی نومبر ۱۹۵۸ء میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب کے نام میں "نومبر ۱۹۵۸ء" (نومبر ۱۹۵۸ء) میں ۲۶

نومبر ۱۹۵۸ء میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب کا ناول "نومبر ۱۹۵۸ء" (نومبر ۱۹۵۸ء) میں ۲۶

۱۹۵۸ء غالب کا ناول "نومبر ۱۹۵۸ء" (نومبر ۱۹۵۸ء) میں ۲۶

نومبر ۱۹۵۸ء

اس کتاب کی جگہ و ترتیب میں "نومبر ۱۹۵۸ء" (نومبر ۱۹۵۸ء) سے ۱۹۵۸ء تک کے "نومبر ۱۹۵۸ء" کے لیے ایک نیا نمبر ہے

نومبر ۱۹۵۸ء

نومبر ۱۹۵۸ء

۱۹۵۸ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۸ء

۱۹۵۸ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۸ء

۱۳۶۸ھ	۱۳۶۹ھ	۱۳۷۰ھ	۱۳۷۱ھ	۱۳۷۲ھ	۱۳۷۳ھ
۱۳۸۳ھ	۱۳۸۴ھ	۱۳۸۵ھ	۱۳۸۶ھ	۱۳۸۷ھ	۱۳۸۸ھ
۱۳۹۳ھ	۱۳۹۴ھ	۱۳۹۵ھ	۱۳۹۶ھ	۱۳۹۷ھ	۱۳۹۸ھ

خانہ کی مصلحت

"۵ نو" کے فروری یا ۱۰ مرسہ مہینوں کے صریح ذیل شماروں کے حوالے سے خانہ کی تاریخ سے ملے ہوئے مجھے براہ راست دیکھنے سے

میں حیرت

فروری ۱۳۵۱ھ	اگست ۱۳۵۵ھ	فروری ۱۳۵۶ھ	فروری ۱۳۵۷ھ	فروری ۱۳۵۸ھ	فروری ۱۳۵۹ھ
فروری ۱۳۶۰ھ	فروری ۱۳۶۱ھ	فروری ۱۳۶۲ھ	فروری ۱۳۶۳ھ	فروری ۱۳۶۴ھ	فروری ۱۳۶۵ھ
فروری ۱۳۶۶ھ	فروری ۱۳۶۷ھ	فروری ۱۳۶۸ھ	فروری ۱۳۶۹ھ	فروری ۱۳۷۰ھ	فروری ۱۳۷۱ھ



نقد و نظر

غالب کی طرف ہوا انتہائی دوس	ڈاکٹر عظیم علی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۲۸-۲۳
غالب کا انداز لکھی انتہائی گنبد	امیر عظیم کاشی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۶۷
غالب اور چیتا زانی	ڈاکٹر ورنہ کتا	فروری ۱۹۵۵ء ص ۱۰-۹
غالب کا اثر ہمارے لب اور لہجوں پر	ڈاکٹر فریدت فتح پوری	فروری ۱۹۵۵ء ص ۴۳-۴۱
غالب کے فلسفیانہ افکار	محمد عبداللہ قریشی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۸-۷۳
غالب کہ چٹائی بد	دجاست سمن سولی پی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۶۰-۵۴
غالب کا زہنی ارتقا	سید قدرت نقوی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۷۰-۶۵
غالب شعور و دانشور کا شعور	ڈاکٹر سلیم اختر	فروری ۱۹۵۵ء ص ۳۷-۳۰
محمد غالب کے چند مسائل	ڈاکٹر انور سدید	فروری ۱۹۵۵ء ص ۱۱-۱۰
غالب اور فلم دور	سیح اللہ قریشی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۷۵-۷۴
غالب کی شخصیت خطوط کے تکیے میں	غفر صدیقی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۱۵۸-۱۵۷
مطالعہ خطوط غالب	ڈاکٹر سبیل امیر لکھن	فروری ۱۹۵۵ء ص ۱۵۷-۱۵۶

تغیث اپنے رنگ رنگ

غالب کی قصیدہ گوئی	ڈاکٹر محمد ریاض	فروری ۱۹۵۵ء ص ۴۴-۴۵
غالب آئین کے عظیم جلی رو	ڈاکٹر محمد ریاض	فروری ۱۹۵۵ء ص ۴۳-۴۲
غالب کے فارسی تعلقات	ڈاکٹر خواجہ حمید چڑانی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۴۹-۴۲
تعلیق غالب دور نگاری	ڈاکٹر خواجہ حمید چڑانی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۴۹-۴۸

شرحیں اور شارحین غالب

غالب کے بعض اشعار کے مطلب	اثر گسٹوی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۷۵-۷۴
سیرا غالب کے چند شعر	مولانا غلام رسول مر	فروری ۱۹۵۵ء ص ۷۱-۷۵
دین غالب کی شرحیں	مسلم شیلکی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۲۳-۷۷
دین غالب کا پنا شروع	محمد ارم سید	فروری ۱۹۵۵ء ص ۷۱-۷۰

غالبیاتی جائیزے

تالیفات غالب مستقل حصہ لب	ڈاکٹر سید صفین الرحمن	فروری ۱۹۵۵ء ص ۷۵-۷۴
اکام غالب کے باطنی قرائم پاکستان میں	حسین احمد علی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۷۳-۷۲
رنگ رنگ (شعور غالب ایک جائزہ)	آکرم علی غل عرش زلم	فروری ۱۹۵۵ء ص ۷۱-۷۰
جین اقوامی ڈاکٹر غالب نندو	ڈاکٹر ابو سلطان شاہ جلی چوری	فروری ۱۹۵۵ء ص ۷۱-۷۰

ہلو کمن: انتخاب اشعار غالب:

”..... غالب کے اشعار کا یہ انتخاب میرا اپنا ہے۔ اکایا ہوا میں ایک

انتخاب مرید کا ہے۔ اور دوسرا اقبال کا۔ اور اس طرح اس ہلو

کمن میں ہلو کوئی لذت بھی ہے۔۔۔“ — مرید وقار عظیم

فردوسی ص ۱۸۵ حص ۶

مرید احمد علی

اشعار رشتہ غالب کے انہیں شعر:

فردوسی ص ۱۸۵ حص ۶

علاء مرید اقبال

انتخاب غالب (مختصر)



انتخاب ماه نو

ماه نو

مهر

ماه نو

مهر



ماه نو

ماه نو

مهر



ماه نو



اشعارِ ریختہ

(الحکام لڑ سہیں)

صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا
خفت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسانی لگا
اڑنے سے پتھر بھی مزارک دود تھا
ہائے اس دود پشیمں کا چلیں ہوتا
دلم کے بھرنے تک باطن نہ پردہ جائیں گے کیا
لب تک تو یہ توقع ہے کہ دل ہو چنگا
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر
غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں
میں جانتا ہوں جو وہ نکلیں گے غولب میں
جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
رکھوں کچھ اپنی بھی مڑگان خوفکش کے لئے
انہا نور اللہ کے قدم میں نے پسوں کے لئے
ہے ہے خدا نہ کہہ تجھے ہے دقا کھوں
چار لائے مری پلٹیں پہ است پر کس وقت
دیکھتے ہیں آج اس بت ڈاک بان کے پاؤ
ہم کو جیتے کی بھی امید نہیں
نا امید ہی اس کی دیکھا چاہئے
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا دیکھتے تھے

کو کج خفت جانی ہائے تنگی نہ پوچھ
حق کو سموز فکرت و شمار پسند
تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
کی مرے قتل کے بعد اس نے جنا سے توبہ
دست فزادی میں میری سی فرمائیں گے کیا
وائے گر میرا ترا اصف حشر میں نہ ہو
دھڑائے سحاسی تک آہی سے ہوا تنگ
سر پھوٹا وہ غالب شومردہ مل کا
جاں ہے بھائے یوسر دے کیوں کے ابھی
قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں اور خط وصل خدا ساز بات ہے
یلا سے گرمزہ یاد تکتہ ٹولن ہے
گدا کج کے وہ چپ تھا مری جو شہمت آئی
ظالم مرے گلیں سے مجھے منفعل نہ چاہ
مدد گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب
شب کو کسو کی غولب میں کیا نہ ہو کہیں
کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
حصہ مرنے پہ ہو جس کی امید
زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالب

کھن کو اس کے مقصد پر بھی کیا کیا باز ہے
کھینچا ہے جس قدر اتنا ہی کھینچ جائے ہے
گرچہ ہے طرز تعاقب ہند دار دار مطلق
پر ہم ایسے کھولتے جلتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے
میں تک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ بس
زلف گرین جاؤں تو شانے میں ابھرا دے مجھے

انتخاب غالب

(اقل)

ہمارا آفرینا نکھار میں ہم
 ہجوم تھا سے بھار میں ہم
 یارب بیان شدہ سخی منظر نہ ہو
 میں دشت تم میں آہستہ سیاہ دیدہ ہوں
 کہ بار کھینچہ کہ خاک چھیدہ ہوں
 بلکہ سورج کب زبان بھیدہ ہوں
 اور کہ تجلی تم جبریل چھیدہ ہوں
 میں معرض مثل میں دست بھیدہ ہوں
 نے دند لکھو ہوں نے دام چھیدہ ہوں
 ہے غامیوں کے دما میں میں برگزیدہ ہوں
 یقین کلام لغز نے پاشیدہ ہوں
 میں غریب کھنکھانے آئیدہ ہوں
 لیکن عیبت کہ طعم غرضیدہ رہا ہوں
 دارنا ہوں آئینہ سے کہ صوم گزیدہ ہوں
 خند آہی غریب دل نہ بکھو یا بکھو
 رشید مر غریب کو بار بارما بکھو
 کہنے خدا کی یاد ہے کلفت بدوا بکھو
 خلق کو حفضل نہ کر ہو کو اپنا بکھو
 اسے دل و جان خلق تو ہم کو بھی بکھو
 تم ہو بدلو سے خوش اس سے سوا اور کسی
 تم خداوند ہی کمال خدا اور کسی
 سر کے واسطے قبولی ہی نفا اور کسی
 صرا کھلی کہ دعوت دوا کرے کوئی
 یہ محضر خیال کہ دنیا کہیں جسے
 کہ یاں غواں ہے تھیل اور آئینہ دیا ہے
 وہ جلو کر کہ نہ میں جانوں اور نہ تو جانے

تلاشے گلشن تملے چوں
 لہو لکھو کھودا بھاپی
 زلف خیال نازک و انظار بقرار
 ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں
 ہوں درد مند جبر ہو یا عقیدہ ہو
 پیدا نہیں ہے اصل تک و تکرار
 جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہوا دہن
 نے جو سے طاقت نے سفر سے واسطہ
 ہوں خاکسار ہ نہ کسی سے ہے شہ کو راک
 اقل درج کے حلقہ میں ہر چند ہوں ذلیل
 ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مٹی جگہ
 ہوں گری و نکلا تصور سے لہو رخا
 میں چہم واکشلاہ و گلشن نظر فریب
 چانی سے تک گزیدہ ڈاسے جس طرح لہو
 لکھو و شکر کو شریک دامید کا بکھو
 دشت درد بیکسی ہے اثر اسقدر نہیں
 کھ پہ عقد امیدار کہ پہ مجھ تم پاک
 اسے یہ سرب حسن خلق تھو سنی دشمن
 نے سود برگ آرد نے وہ دردم منظر
 میں ہوں حلقہ بجا مجھ پہ بجا اور کسی
 تم ہو بت پر قمیص چادر لہائی کیوں ہے
 کیوں نہ لہوس میں دوزخ کو مائیں یا دپ
 عرض مرثک ہے ہے نعلائے بلند تک
 یا رب ہیں تو غلاب میں بھی مت دکھائی
 لہل ہے گوہر حضور جب خود شہائی میں
 فرنگ کوکہ چہم کو عدو جانے

مہاں شعر غالب کہ در دلت شست

غالب سوخت جہاں دایہ چہ کھنجر آری

وہ دوا سے کہ غم کو نکلیں دھلیں

نہ دوا ہم کہ سرست علی غلام شہن

ایں سے از گنا غریبوں کس غلام شہن

شعر گوئی کی امتحان لکھتے

شعر گوئی کے وقت حقیقی مسطورہ جو حالت جاری ہوتی ہے مجھے معلوم نہیں کہ کسی شاعر نے اسے جان کیا ہے یا نہیں۔ مئی کے ہاں بعض شاعر لکھتے ہیں۔ مثلاً

انہوں لب نہ دایہ میں شورا ایک آنکر

کوتہ دل تکلم غلام در غلوں سے مدد

بکر خون کھنجر خود مدد کو شیخ دلم

دو ہوا نے غم کو دوا در غلوں سے مدد

یعنی مجھے معلوم نہیں کہ بلا لب سے باہر نکلے ہو تو کیا کیفیت پیدا کرتی ہے لیکن یہ جان ہوں کہ دل کی گھڑائی سے اللہ کر ب تک آتی ہے تو ظن میں ات بہت آتی ہے۔ میرے دل کی شیخ سے ہوا میں اللہ سے مدد غلوں سے میرا ہوا ہوتا ہے میری محفل میں ہوا شیخ کی طرف جاتا ہے تو ظن میں تیرا ہوا جاتا ہے۔

میرزا غالب نے اپنی شعر گوئی کی حالت ایک جگہ دیکھتے ہیں کہ وہی ہے اگرچہ اس کا کج انداز اس وقت تک نہیں ہو سکا کہ اب تک خود اپنے لہجہ میں حالت نہ گزر سکتا ایک قول کے حقیق میں کہتے ہیں۔

بیمبہ لا گدو دل نور بکر آتش چو تل

غالب اگر دم خنجر نہ چہ خیمہ میں ہدی !

یعنی اسے غالب ! اگر شعر گوئی کے وقت تو میرے خیمہ میں رہا ہونگے تو دیکھو کہ کاکہ دل میرا گدو ہے اور بکر میں اگل کا ایک تل سوڑا ہوا ہے۔

غور فرمائیے کہ دوا سے ہاں کتنے شاعر گزرے ہیں۔ جنہوں نے باطن کی اس ناپست خیراتیں لکھیں وہ کتنے شاعر کے

میرزا کی دیکھو کیا لکھتے

میرزا غالب نے اپنی شاعری کے حقیق کہہ دیکھو کیا لکھتے ہیں کہ وہی شاعر کا کافور

کو نیم دوا ہم کو جگہ لکھتے ہوا است

شہرت شعروں بہ کتنی ہوا من غلام شہن

میرزا کی زندگی کے آخری دور میں ان کی شاعری خاصی شہرت پائی تھی لیکن کوئی شبہ نہیں کہ قول عام کا وہ تمام افسوس مرے کے ہوا حاصل ہوا اس کی نظیر ملتی مشکل ہے۔ کل کے حقیق کہہ نہیں سکتا ہوا سکا ہے ہم لب تک کہ ان کی وفات پر ایک سو سال گزر چکے ہیں ان کی شہرت میں اختلاف ہی ہوا اور پاک دوا کا شاعر ہی کوئی شاعر ہو جس پر اپنی کتابیں اور اسے مضامین و مقالات لکھے گئے

صبح ہر روز درختوں و گلابوں سے ہوا چھوڑ دے
 کی وہ گلابوں کو لڑکے لڑکے سے دے

بہن گری کا موسم ہے۔ ہم پڑی کے چاندنی طرف سے دور دور تک کوئی مکان نہیں اور اس ہم پڑی میں قریب کے لئے وہ جس میں
 لئے جاتی ہے وہ رات ہے ظاہر ہے کہ جب تک گری کی حدت و بخیر برداشت کرتے ہوئے لوگ ہم پڑی تک پہنچ گئے تو وہ رات
 فریضہ کے کیا وہ راستہ ہی میں قلم نہ ہو جائے گی؟

گلاب پھولنے سے بظاہر وہ گلابوں کے موسم قائم رکھے ہیں لیکن حقیقتاً وہ صبح کو یہ تہیں دلا چاہتے ہیں کہ میرے پاس نہ جس سے اس
 کے بچے اور قریب کے ہونے کی کوئی صورت نہیں وہ وہی رہا ہو جائے گی۔

شب یہ سحر صبح نور نکلیں سے پورا نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس کے غلبہ اور غلبہ مظاہر ہی کا نتیجہ ہو سکتے ہیں اور یہ
 حقیقت گھر کے اور بیٹھے بیٹھے نہیں کے ہاں ہے۔

تیسری منزل:

گاری کا ایک اور مصرعہ ہے۔

رہا کہہ زلم نیست ظلم کا بہک ہادی
 یہ وطن ہائے رخسار مطلقاً تم لئے تھا !

لہجے میں ہے۔ میں نے خرم پاک کا سطر اقتدار کر لیا ہے۔ لیکن زلم وہاں نہیں اور یہ امر حقیقتاً تعجب نہیں سمجھا سکتا کہ کوئی بھی سطر
 زلم کے بغیر نہیں کہا جاسکتا اس سے ملنے کی سے میرا نے دل کی تسلی کے لئے ایک نکتہ چھپا کر ظاہر مٹا دیا ہونے کے بجائے غرض
 نہ گئے۔ کہ ہے کہ اگر زلم کا موسم ملنے میں ہو تو اسے اٹھا چلا اور جیسا کہ مت بھاری ہو کہ جب میں بھاری ہو کہ سر ہفت
 ہے تو پہلے وقت سے منسلک کر پاؤں نہیں دیکھ سکتا کہ وہ جتنا زیادہ دلتی ہو کہ اس کا چاند لکڑی افسردہ ہو جائے کہ راستے میں آگے بھی
 ہوئے ہیں اور سب سے وقت بھی۔ راستہ افسردہ میں وہ ان آواز رسں جنہوں سے چاہا کہ انہیں جیل کے گلائے کے عکس اگر سر ہو کہ
 نہ ہو تو وہ ہر قدم دیکھ کر کہہ سکتے گا کہ وہ کتنی سے محفوظ رہتا ہو اصل میں کہ آجائے کہ ظاہر ہے کہ یہ صفیں بھی کہہ سکتے ہیں کہ
 خیر ہے جس میں میرا نے بلور دیکھا ہو گا کہ جب لوگ بھاری ہو کہ راستے میں تو ان کی کیفیت کیا ہوئی ہے اور اگر سہولت دلاؤ
 سے آواز ہوں تو چلا کی وہ سب سے مل ہو پائوں کو ہرگز نہ سے کہیں کہ محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

باز و حقیقت:

آپ نے ہزار حقیقت اور صورت و منی کے ساتھ سے شعر لے دیں گے۔ میرا کا یہ شعر بھی دیکھ لہجے۔

زلم از باطن تا کے جہنم کم نہیں
 ہی کی دلی کہ یک چاند فصل کہ نام

یعنی اسے زلم نام نے آپ کو انکار کا ایک خوش بھر خد بکھا تو اسے معنی اور حق نے نہ کہے۔ یا شب ظاہر یہ انکار کا ایک خوش
 ہے جس کی کیفیت زیادہ نہیں لیکن اس کی حقیقت و صورت سے انکار دیکھی جائے تو شراب کا ایک چد سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی ذہن کو چاہا اور
 خود قصص انوار قصص اس لئے کہ اہل صنعت سے آپ لذت اٹھا سکیں ہو سکتے ہو صرف ہم دہلی کے لائق اور پہاڑی ہم دہلی
 کا سہا ہے۔

بندش صفوں کا کمال:

میرا کا ایک کمال یہ ہے کہ وہ ہر صفوں کو گچ اور ہر افتاد سے موزوں علی و صلی کے لئے مشتمل کرتے ہیں۔ ہر شعر میں ہر قدر

میں کی ایسے مطمئن ہیں وہ وہوں کو سونے لگیں وہ انہیں قطری اور طبعی انوار میں جانتے نہ تھے۔ میرے سامنے اس کی جھڑھلیاں ہیں
میں یہاں میں صرف ایک جھل جلی کون تک
زر کو اعلیٰ کا ایک شہر ہے۔

چو کہ لب پہ سے گھوڑا رنگ چوہہ حتم

۔ رعایت خون جھلے پہ اہی ہلکے کر حتم

یعنی جب میرے پاس سے محبوب نے اپنے لب شراب سے گزریں تو اس جھلے ایک جھل کا طعنہ برآمد ہو گیا جس سے وہاں
اور عالم سخی میں کسی سے جھل دہائی کی امید ہی نہیں رہی یا سخی لکھ شہر کے پاس میں اس کے ساتھ عرض کرنے کی ضرورت
نہیں کہ مست و دہوش ہو کر کسی کا قتل عام پر کدو ہو جاتا بلکہ قتل عام کر دینا کوئی طبعی واقعہ نہیں۔
میرزا قلیچاں بیگ

ہم سے کھل جاتا بھٹکے سے پہنچ ایک دن

ورنہ ہم جاگزیں گے دکھ کر خدا سخی ایک دن

ہم تو سے پرست ہیں ہی تو تم ہی سہہ غلبہ ہو کر ہمارے ساتھ چلے جانا۔ خوب ہو کر چلاؤ اگر یہ نہ کیا تو دیکھو ابھی قلعہ دہشت
ہیں کہ ہم کسی دوا تپ کو بھیڑیں گے اور دھڑا دھڑے ہو گا کہ پانی کو مست ہو گئے تھے اور تاکہ چلنا نہ جاؤ کہ کیا حرکت کر رہے ہیں۔
اب مطمئن کی طبعی صورت تھی اور دہوشی کے عالم میں محبوب کی مجلس کے خوب سے بے پردہ ہو جاتا کہ وہی آہٹا ہے ایک جھل
کا قہقہہ باندھ لیں کہ دہن میں سا سکا ہے؟

میرزا کے قطری بنو بڑے

آلہ میں آکر اور عرض کر دینا چھتا ہوں کہ میرزا غالب کا یہ دعویٰ بھی حقیقت پہ مبنی تھا

ماہنامہ بدلی مرتبہ راجی غالب

شہر طبرستان کی کوہ کوہ دہائی

ہی میں خدا چاہنے کیا کیا ہو گئے جن کی صرف ایک جلی ہی تھکے "مردے سخی" اور "مردہ بدلی" میں مبنی ہے۔ لعل علی نقی
ہی پہ جھڑھلیاں موجود ہو گئیں۔

سے جانچے یہ انفرادی کر رہا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ ۱۵۵ ہے کہ اسے کتب بدایوں کی ترتیب کے بعد کچھ کر قبضہ میں پھیلایا گیا۔ دوق ۵۵۱ ب ہے
مختلف دو قریح نکلی گئی کہ ۵۵۱ سے ایک ہفتہ دسے لکھ اور مہلتی دلو پورہ کو گورہ بلا کتب داس پر قریح میں آئی یہی عنوان ۵۵۱ ہے۔

دوق ۵۵۱ ب سے ۵۵۱ ہفت تک رہا ہوا جس میں ۵۵۱ ب سے ۵۵۱ ہفت تک رہا ہے۔ ۵۵۱ ب سے ۵۵۱ ب کی طر ۲

تک قریح خیرہ دین امیر علی ہمدانی اور درختی شاکر غالب کی منظوری قریح دین ہے۔

آخر میں ۵۵۱ دوق پر حکیم سوسن علی مرحوم کا مکتبہ ہے جس کا پتہ شہر ہے۔

کھلے مکتبہ کا سہ کے ۱

پتہ ہے کب سے گورنر لکھ کے

قدو اشعار

اس کتاب کے اشعار کی قدو تفصیلی دی ہے

قریحات

الف	۴۴۱	گ ۲
ب	۴	ل ۹
ج	۸	م ۸
د	۴	ن ۴۳
ه	۴	و ۴۹
و	۹	ز ۴۱
ز	۴۹	ح ۴۳۵
ح	۴۹	ط ۴۳۵
ط	۴	ی ۴۳۵
ی	۴	میزان کل ۴۳۵
ش	۴	قدو ۴۳۵
ع	۸	قصیدے ۴۳۵
ف	۴	میزان ۴۳۵
ک	۴	میزان ۴۳۵

اشعار کی یہ قدو متنی تک محدود ہے کہ شعر کے ماحول پر بھی لکھے گئے ہوتے ہیں اس کی قدو ہے

قریحات	۴۳۵	الف ۴
ب	۴	ل ۹
ج	۸	م ۸
د	۴	ن ۴۳
ه	۴	و ۴۹
و	۹	ز ۴۱
ز	۴۹	ح ۴۳۵
ح	۴۹	ط ۴۳۵
ط	۴	ی ۴۳۵
ی	۴	میزان کل ۴۳۵

صاحب کے کام کو بیچ کرنے کا شوق ہو گیا

ذکر و یاد امور کے حکیم کر لینے کے بعد یہ لٹریچر کی ترتیب میں لٹریچر پر قدیم کے بعد آتا ہے۔ تاکہ کہ لٹریچر میں نہ تو نئے کی تقریب ہے اور نہ اس میں وہ نئے شعر ہیں، لٹریچر میں ان کی خصوصیات کے تحت آمیزہ کرتے ہیں۔
خصوصیات:

اس نئے کی ایک خصوصیات بھی ہیں، مثلاً:

الف۔ اس میں پانے رسم الفا کے مطابق اولیٰ بالاولیٰ کا طریقہ برآگیا ہے۔ چنانچہ "دکھا" کو "دکھا" نہ کہ "دکھا" کہا گیا ہے۔ کی
جگہ "نئے" کو "نئے" (دوں نہ در آں) بھی لکھا ہے۔ گہرا کو ایک حتم، گہرا لکھا ہے، جو اسی لفظ کا ایک لہجہ ہے۔
ب۔ اس میں وہ شعر قدیم نظموں سے لاتا ہیں اور وہ یہ ہیں "اگر قیصر ملبور ہے نہ

اور تو دیکھتے کو ہم دہر میں کیا دیکھتے تھے

مگر ایک شعر میں انداز رہا دیکھتے تھے

اس کا یہ حال کہ کوئی نہ لانا نہ

آپ گھٹتے تھے ہم اور آپ اٹھا دیکھتے تھے

زیر کی اپنی جگہ اس جگہ سے گزری غالب

ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا دیکھتے تھے

بعد کے نظموں میں غالب نے صرف مطلع پر قیصر دکھا اور پہلے دلوں شعر حذف کر دیا۔ چنانچہ ایک شعر میں کی غلطی کا تعلق ہے اپنے
انداز بیان و طرز فکر دونوں کے لحاظ سے یہ دیکھنے کے قابل تھے لیکن ہمار بھی انہیں کلمہ دینا کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہیں
ہوتی کہ اس کی سوجھ بوجھ کے شعروں کو محدود کر دینی ہے اور صرف مطلع وہج کلایت کی قصیدہ نہ ہونے کے باعث اٹھتی رہے گہرا رہتا
ہے۔

ج۔ اس نئے میں تقریباً ۳۳ شعر شامل ہیں، جو بظاہر اس کی علامت ہے کہ یہ ترتیب لٹریچر کے بعد کے نئے ہے۔ اس امر
واقعی سے پہلے یہ بات مستند ہوتی ہے کہ نئے کا تعلق غالب کے کسی نثری دوست یا عزیز سے تھا یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ اشعار
(سوائے دیکھتے ہیں) دیکھنے کے شعروں کے) تاریخی اعتبار سے کس زمانے سے خارج دیکھتے ہیں۔ وہ مطلع ہے چنانچہ

۱۔ ہم ہم جہر میں دلاور دور کو دیکھتے ہیں ۲ شعر

۳۔ دلی اس کو ہول دل ہے تو پاں میں ہوں خرسا ۲ شعر

۴۔ دی سدا سے چلی پاؤں کو کئی کے پاؤں ۲ شعر

۵۔ کام کو تلاوت کی بھی پائی نہ وہ ۲ شعر

۶۔ ہم دیکھ کو لپٹا بھی کر ۱ شعر

۷۔ لافز ہوں کہ کہ تو ہم میں ہوتا مجھے ۲ شعر

۸۔ مجھے وہ دن کہ طعنت فیروں کی بظاہر ۲ شعر

۹۔ بھیجی ہے ہر جگہ شام چلتے دلی ۲ شعر

ہا۔ میں نے میں منت ڈیجیٹل پیم ۲ شعر

ان اشعار میں پہلے چھ شعر دہم پر کے قدیم نسخے کے متن میں موجود ہیں، جبکہ وہ نسخہ ازود نے تخریج دہم نظر ثانی سے ہوا ہے۔ اس لئے میری دہشت میں یہ کتب نسخہ کا مواضع اس کی جانچ میں بھیج کر دی گئی ہے۔ اس خطے میں یہ بات یہ گئی کہ دہم پر کے نسخہ قدیم کی طرح قصیدہ کا یہ مطلع:

دہم ۲ ہوا بیکٹی مستوفی نہیں

ہم کہیں ہوتے اگر میں نہ ہوتا خود ہیں

اس نسخے کے متن میں بھی نہیں ہے بلکہ یہاں جانچے پر لکھا ہوا ہے کہ اس سے چھپے ہو جانا ہے کہ یہ مطلع ۱۸۳۳ اور ۱۸۳۴ کے درمیان کی وقت لکھا گیا ہے۔

آخر میں غالب کی تذکرہ دار دہلی کی تخریج کے حلق اپنی تحقیق بھی عرض کروں اس کا چھوا مصرع ہے:

ہے اب کے شب قدر داران دہم

اسی مصرع سے معلوم ہوتا ہے کہ جس دہلی نگار نے جس بعد مسلم یہ قول جمع کر کے لکھا ہے۔ بات مسلم ہے کہ داران دہم کا کتب کی آخری کسی تخریج کو ہوتی ہے جب کہ چاند بھپ پکا ہوتا ہے اور شب قدر عام طور پر دہلی کی ۱۷ تخریج کا تسلیم کی جاتی ہے۔ اس امر کے متعلق نظر علم دہشت کی حشرہ کاروں پر غور کیا جائے تو چھپے ہو جانا ہے کہ بعد مسلم تخریجوں کا یہ مطلع ۱۷ دہلی ۱۷۳۵ء مطابق ۲۸ کاتب ۱۷۸۸ء دہلی مطابق ۱۷ نومبر ۱۸۳۱ء کو ہوا تھا۔ لہذا یہ دہلی ۱۷ نومبر ۱۸۳۱ء کو اس سے ایک دہلی پبلشرنگس گئی ہو گی۔

اس جیسے سے ایک اور نسخہ بھی لکھا ہے اور وہ یہ کہ داران دہم کا پیدائش اپنے سوانح کے اقتدار سے حشر شہان ۱۷۳۵ء مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۸۳۱ء کو..... چھپا ہوا تھا لیکن اس اشاعت میں تذکرہ دار دہلی بھی داخل ہے۔ لہذا چھپانے کا ذکر کے ۱۷ نومبر کے بعد چھپا دہم ہونا چاہیے اور اس صورت میں سوانح کی تخریج کا کتبہ نسخہ کی تخریج قرار دینا چاہیے اس میں کی تاہم اس سے بھی ہوتی ہے کہ سوانح کا نمبر مضمون کی مدد کی ترتیب میں شامل ہے۔ جبکہ نمبر کے ساتھ نہیں چھپا ہے۔ اگر یہ سوانح اصل کی تکلیف کے بعد لکھا گیا ہو تو ایسا یہ نمبر سوانح میں دیکھا ہوا ہے کہ چھپا ہوا ہے۔

ان اسباب دہم کی بنا پر نسخہ داران دہم پر کام کرنے والوں کے لئے دلچسپ بھی ہے اور اہم بھی، ۱۸۳۳ء میں یہ نسخہ بنگال میں جمع کرانی آگیا ہے۔

غالب کا انداز نگار افغانی و گفتار

میرزا اسد اللہ خان غالب کی ولادت کی دوسری صدی کے آغاز میں بھی اس کے فن کی تاریخی اور اس کی شخصیت کی فاضلی میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس اس تاریخی اور فاضلی میں بے حد و سبب اضافہ ہوا ہے۔ یہاں غالب نے طبعیت کو دیا ہے کہ وہ وقت کی دشمنی سے آزاد ہے۔ غالب شاعری کی دنیا کا وہ منکوحہ آئینہ ہے جس کا قلوب اس کے طبع سے بھی نہیں زیادہ گندہ اور دلکش ہے۔ وقت غالب کو اپنی کھلی ہر کس کر اسے سدا کے لئے کھرا قرار دے دیا ہے۔ فن کی ان غیر فاضلی خصوصیتوں میں شامل ہو چکا ہے۔ ہر خاصیت تک لاول سے نا آشنا رہیں گے۔

غالب کے فن کی اس لہجہ کے اسباب متعدد ہیں مگر سب سے اہم سبب یہ ہے کہ وہ خیالی و عقلمند دونوں میں تیز کر ہے۔ وہ ایک ایسے دور میں پیدا ہوا ہے۔ وہاں سب معاشرے کا فکر ہو، اور عقل کا شمار عقل بنی ہوئی نہیں بنی جا رہی تھی۔ لوگ اپنی بہت سہولت سے ہیں اور سب تھے۔ جیسے سوچ تھی تو وہیں پہنچ جاتے تھے اور اس کی فہم نہ تھی۔ ان کے لئے دل و دماغ اور عبارت و سبب سے چند قریب و دلیات کے غل چاند کے تھے۔ اس تاریخی میں غالب روشنی کا اثبات کرنے کی غرض غرضت نے اسے ایک ایسا منصب سونپا تھا جو صرف غیر معمولی ذہنی اور تخلیقی قوتوں کے مالک ہی کو سہیا جاسکتا ہے۔ اور غالب نے اس منصب کو پورے صحن و بحر سے بھریا۔

عالم افغانی نے کہا تھا۔

آئینہ تو سے اراطیر کمن پہ افلا
خزل کی گھسی ہے قوموں کی رنگی میں

غالب ایسے ہی گھسی وقت میں پیدا ہوا ہے۔ وہاں قوم نے طرز کمن کو اپنے چہرے سے لگا رکھا اور آئینہ تو کی دھوپ میں چلنے کے چادر وہ اس کے بعد سے منظر حق میں عالم میں قوموں کو آئینہ تو کی آنکھوں میں گھسیں ڈالنے کی تربیت دینے کا کام کسی کے لئے بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر جب یہی منصب کسی شاعر کے سپرد ہو اور ہمارا اس شاعر کے ساتھ سپرد ہو کہ وہ فن کے تمام عناصر کو اپنی فکر رکھ کر اسے پورا کرے تو پھر یہ ہم عقلی دانش منعم ہونے لگتا ہے۔ غالب کو اس دانش منور عقل سے نشہ تھا اور وہ اس سے اپنی فکر اور عقل و نزاکت کے ساتھ لڑا کہ قرع اس کے عقل کے ایک سادس برس بعد بھی بہت کم اس کی خدمت میں خزانہ طبعیت پیش کرتے ہیں تو یہ احساس قدم قدم پر ہمارے دانش منعم ہوتا ہے کہ ہم اس سے پورا اضافہ نہیں کر رہے ہیں۔ کسی شخصیت کی گھسی میں سب اضافہ پورا ہونا ہونے نہیں تو اس کی شخصیت کی بے پناہی اور ہر گھسی کا منتہا ہے۔

غالب ایک عظیم ترقی دہنے کا آخری مہینہ تھا کسی نے کئی حق بہت کی ہے کہ عقلی تقرب کا سدا صحن اور قریب غالب کے ہوا۔ کھنڈر میں صحت کیا ہے۔ یہاں اس تقرب کا وہ غول بھی ہے کہ وہ ان عظیم افغانیوں کے کھنڈروں پر وہ سانس بھی دیتے ہوئے دیکھ لیتا ہے۔ ہر سانس صحت کے قریب ہیں۔ وہاں غالب سلطان برصغیر کی تاریخ کے ایک دورا ہے، ہر کھڑا ہے مگر ترقی سڑکے اس سڑکے سے وہ جیون و سرا ہر نہیں ہے۔ اگر اس کا سبب صرف چند اور وجوہ ہیں تو اسے تو اس نے وہ تجلیل دلا دیا مگر وہ اور ہمارے کا پناہ شاعر تھا جس نے عقل و دماغ کی نئی نہیں کی۔ وہ اپنی شاعری کے کتے

مجم کو چاہیہ ہر رنگ میں داخلہ

وہ اس کے فی کو قسمت نہیں دے سکتی۔ "مجم کا بارہوا" خود شاعری کیلئے ہاتھ کی چوٹی، غالب سے پہلے تو شاعری شاعری پر اس دھن کا رجم لرا تھا، وہ غزل دیکھنے کی حد تک شیخ بہادر بلکہ شاعری ہے مگر اس نے علامہ ہاشمی کی صورت اختیار کر لی، غلبہ غالب سے نہ صرف شاعری کی بلکہ لہجہ فی کے ط پر اسے ایک شخص سے گراست لیا اور یوں اس کا پہلا خود سر صاحب داخل خود تحلیل بہر شاعر قرار ملا۔

اسے اپنے کام کے لئے اس کے پاس ہر ذہن تھی اس کے لفظ مہما میں تک ایک سے مضمون میں داخل ہونے کے باعث ہے بلکہ ہر کچھ لفظ کے معنی کی اس یکساہت اور یک رنگی نے غالب کو نہ صرف لفظ کی تحلیل پر لگا لیا بلکہ موجد لفظ کی سنے صاحب سے آرائش میں اس کا حسن لہجہ میں اس نے بھی غریب کو قرار دیا، یعنی خود بھی نظم لیا اور میر تقی میر کے بعد ایک بار ہر اردو کی رنگ میں لے لفظ اور ہر لفظ لفظ کے لئے سے سے مضمون کا ایک طوں سے لے لفظ وہی میں کے لفظ سے مراد اسے پار ہے تھے، غالب کے ہاتھوں پہلے ایک لفظ کے "صاحب لفظ" سے مراد ہوتی اور وہ شاعری کو لفظ در لفظ ہے۔ اور "مجم" کو سمجھانے ہے۔ "کے کو میں جتنی جتنی تھی غالب کے غزلوں سے کہ لکھی گئی کہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں بھی وہ سید کا فرسوی کا ایک دور بھی تو کر میں پڑا۔

غالب کو بھی اپنی اس شاعرانی کا اور اک حاصل تھا اس لئے تو وہ جسے دوسرے سے کہتا ہے کہ۔

کسیبہ معنی کا قسم اس کو کچھ

ہر لفظ کہ غالب میں لفظ میں کوسے

اپنے اشعار کے ایک ایک لفظ کو گنبد معنی کا قسم قرار دیتے ہیں، غالب نے شاعرانہ طو نہیں دیا بلکہ ایک ایسی حقیقت بیان کی ہے جس کا اعتراف ہزاروں اعلیٰ علم نے کیا ہے۔ میری قریب ہے کہ ہم نے غالب کا وہ شعر میں اس پہلے دیا تھا وہ شعر کی پانچ دہائیوں کے لفظ چارہ تو معنی سے لہجہ نظر آتے ہیں، کسیبہ اس لئے تو پڑا میں ہر پاؤں کہ اس کا اور اس کی تحلیل لفظ کی پانچ دہائیوں سے لفظ تو اس کے بعد کے بھی شعرا نے کیا ہے، میر تقی میر نے "مستحسن لکھانے لار" کے وقت کی باتیں میں کی تھیں نہ کسی کو محبوب کی معنی ہائے دراز" کے دیکھنے اس غزل میں حوا تھا لفظ کے اس لفظ میں معنی کا وہ مصدر تھا میں بار دہا ہے اور اس طو ایک مضمون کی طو کے بعد وہ مضمون کی طو کے بعد وہ لفظ کا سفر لے گئے تھے تو یہ غالب ہی کا حصہ ہے۔

موجد لفظ کو لے معنی کا سبیل لکھا یا غیر ہاں لفظ کو شعری لہجہ سے حذف کرنا شعری قوت کہانی کی سنے کوئی تحلیل ہے۔ شعر اگر یہ جہت صرف اس لئے دہا رکھتا ہے کہ وہ اپنے ہم معنیوں سے حذف نظر آئے تو وہ محض غلطی کا لفظ ہو کہ وہ دہا ہے اور اس کے معنی الضمیر ہے یہ لفظ ہاتھوں کی صورت میں گر کر اسے نکل دیتے ہیں اور اصحاب لہجہ ہیں۔ لہجہ اگر اس جہت کا قصد تو معنی ہر معنی اگر شاعر کا دہا ہے کہ وہ لفظ کے سے مضمون کی دہ سے باقی لکھی کے دہی کو لفظ سے لہجہ معنیوں کے لئے اس کی یہ جہت بہتر ایک حقیقی تحلیل کرنا دہا کرتی ہے اور وہ محض لہجہ دور ہی پر نہیں بلکہ لفظوں پر اصحاب کر دہا ہے۔ غالب کے بارے میں کسی نے باقی دوسرے کہا ہے کہ اس کے ہاں خیال کی ہارنگی ہے مگر زبان کی ہارنگی نہیں، ہارنگی اس لئے ہے کہ غالب لفظ کو کچھ اس طریقے سے تحلیل کرتا ہے اور صریح میں اس کی قسمت الکی صاحب ہوتی ہے کہ اس پاس کے لفظ میں اس کے سے مضمون سے چنگ دیکھ

اٹھے ہیں۔ اس کے لئے افلاک اور ہی تو کیجیں اپنے سہیلی کو اپنے اندر بچھا کر نہیں نکلیں دھنیں بلکہ وہ عمر مستقل ہوتی ہیں اور عمر قاری یا سالانہ کے دنوں پر مرسوم ہو جاتی ہیں۔

یہ بھی ضروری نہیں کہ غالب صرف قاری عینی کے افلاک و تراکیب کے مسلسل مستقل سے اپنی جدت طرازی کا اظہار کرتا ہو۔ اگر لئے افلاک مستقل کرتا ہے تو سراج افلاک سے دست کش نہیں ہو جاتا بلکہ انہیں لئے لئے سہیلی کی ایسی لہریں ہیں جن کا شہ ہے کہ رات پر رات کھولتے پہلے جیسے اور گئے گئے کے مضامین سے لذت باب ہوتے جاتے۔ اس کی کی فریضیں اس اعتبار تک سلیس ہیں کہ غالب کا ذخیرہ افلاک جتنی فکر ہو تو اس سلاست پر جرت ہوتی ہے مگر جس طرح مولانا رحیل جو ہر نے کا خاکہ میں طویل ٹواریے اس لئے لکھتا ہوں کہ فکر لکھنے کا میرے پاس وقت نہیں ہو تا۔ اسی طرح اس قسم کی تبلیغ سلاست بھی بہت دشوار اور وقت طلب کام ہے۔ فور کرنے کی بدلت ہے کہ سلاست کی لاکھ فریضیں تو غالب سے پہلے کے شعراء کے ہاں بھی تکلیف سمجھتی ہیں مگر غالب کی سلیس قبول ان فریضوں سے اپنی تکلف کیوں ہے؟ فرق وہی ہزار گل افغانی کھنکھار کا ہے کہ غالب کی سلاست میں بھی بدلت ہے۔ اس کے ساتھ افلاک جیسے ہی پر کار ہیں جتنی عجیب سہیلی کا قسم ہیں۔ سہیلی اور پرکاری کا یہ امتداد ہی غالب کا سلوب سمجھیں کرتا ہے

غالب کی جدت طرازی اور تخیل کھری محض اس کے اسلوب بیان پر اس کے طرز اظہار پر منحصر نہ تھی۔ بلکہ وہ بیان تو صرف ایک درجہ تجاوز غالب کے فن کا پادری سمجھو تو اس فکری عہد کا اظہار تھا جو سلطنت خلیفہ کے زوال کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں پر مسلط ہو چکا تھا۔ کسی بھی شاعر کے موضوع شعرو اور موضوع شعر کا ایک الگ ماحول میں نہیں بننا ہوتا تھا کہ وہ ان کے درمیان اپنی عمری داخلگی ہوتی ہے کہ ان کا ایک الگ تجزیہ ہاتھ سے گوشت کا بھاگنے کے حروف ہے فکر محض سمجھنے کے لئے اس قسم کی رضا چاہی ضروری ہوتی ہے۔

غالب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عمر بھر ایک "دانشورانہ کہ" میں جھکا رہا ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ دانشورانہ کہ میں صرف وہی لوگ جھکا ہو سکتے ہیں جن کی داخل جہاز ہو ورنہ خود غالب کے زمانے میں ایسے دانشور سمجھتے تھے جن کی داخل عمر بھر طویل رہی۔ غالب کے ہاں تو "آئینہ عمری صبا سے بکھلا جاتا ہے" ماحول سے جدا ہو کر کہتے اور اس کے قاری کو یہ بھی گھبراہٹ ہے مگر دوسرے دانشوروں کے ہاں صبا سے مجھ سے آگے کے اس پار دیکھنے کی سکت ہی نہیں تھی۔

غالب نے ایک غالب شاعر کی دانستہ کی مطابق کثرت زبان کو قبول اور وہ اس کے امکانات کو وسیع کیا۔ اسے روایت کی دھند میں سے نکل کر کڑکی کی دھوپ سے متعارف کرنا اور یہ غالب ہی کی اس برکت افکارانہ کا اظہار ہے کہ غالب کے نصف صدی بعد ہی اردو کو انقلاب کا شاعر نصیب ہوا جس نے اردو کی زبیل سہیلی کی صلاحیتوں کو کہیں سے کہیں بچھا کر انوکھا لطف کی بدلت ہے کہ غالب اور انقلاب نے اردو زبان کو جدید افلاک اور جدید تراکیب سے ملائی بھی کیا اور یہ امتیاز بھی کی کہ فن کی تباہ کاری سے افلاک بولنے لگیں اور سہیلی دریاؤں میں نہ ہو جائے۔ اس سہیلی اور جدت جدت طرازی کو جملی اظہار صمیم اظہار یا اظہار پرانی کہہ لیتے اور یہ وہ چاشنی ہے جسے اپنے کام میں برحقان شعراء کے لئے دشوار تر ہے جو سراج پر جیسے رہتے پر چلتی نہیں ہوتے بلکہ نواں میں قبول ہی ہوتے ہیں اور گردنیاں کے لئے سے سے صوفیوں سے اپنے صغیر اور آسمانے دور کی ہمراہیاں بھر دیتے ہیں۔

غالب نے ہی زبان کے ساتھ ہی فن کی فکر کا بھی آغاز کیا۔ کلام مہات کی ایک بہت بڑی تبدیلی نے اسے کلمہ کا اظہار نہیں ہونے دیا بلکہ اسے اس چیز کی دولت بخشی کہ کائنات میں جہود کا دور ہی نہیں۔ کائنات مسلسل حرکت میں ہے اور مسلسل حرکت سے تبدیلی پیدا ہوتی ہے تھوڑا سا دور ہے کہ غالب آتا ہے پرانی قدروں میں سے چٹواری کھیت کھو خلیج ہیں "نئی قدروں کی تخلیق ہوتی ہے انہیں کے افق وسیع ہوتے ہیں سوچ کی پرلاٹا نکلتی ہو جاتی ہے پانچپ اگر انسان ماضی کا کام کرنے پر مجبور ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ

مستقل کی طرف اپنی باتیں بھید نہیں سکھ، اگر مستقل کی نگی کسے گا تو غرضی باتیں کا حصہ بن جانے کا چنانچہ ایک ہشور اور
مذہب انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ باتیں کے تجربات سے لہا پھرا آگے بڑھتا ہوا اور مستقل کو اچھے معیاروں کے مطابق عملے کی سعی
پوری دیکھ ساس لئے تو غالب کتا ہے

مد سے دل اگر افسردہ ہے گرم لکنا ہو
کر جنم تک شاید کبریت لکھو سے دہو

استحضار غالب کے داخلی اور کائناتی رجحانوں کا اور یہ سب غالب کو یہ استحضار اس انداز نے دی کہ

ہے کائنات کو حرکت تیرے لہی سے
ہر تو سے آئلب کے ڈسے میں جاں ہے

اسے یہ یقین ہے کہ رب "زلزلت دن گردش میں ہیں ملت ہمیں" تو ہمارے عین ہے کہ قلوب کے ہر طوطا کا مرط نہ کئے اور
پر تو خود شید سے شہسبازوں میں آئینہ خانے درج جائیں ساس لئے تو غالب کا کرب ایک مثبت کرب ہے نہ وہ ہفتہ چاک تو ذکر کرنا دیتے پر
بجور کہنے والا کرب ہے اور نہ بددلیت کے وعدہ کھوں میں بھلا دیتے والا کرب اس کرب کی پشت پڑائی غالب کی عقل و دانش کے سپرد
ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غالب نے برصغیر کی تاریخ کے سب سے بڑے لہجے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد وہ بھی ہر نہیں لکھی اس نے
کئی فلسفہ تسلیم نہیں کی۔

یہ درست ہے کہ وہ اس صورت حال پر اپنے غلو میں وہ دہ دیا ہے اپنی شاعری میں اس نے اپنے کرب کو چھپانے کی کوشش
نہیں کی اور یہاں کہا ہے کہ

دراغِ فراقِ صحبتِ شب کی طلی ہوئی
اک شمع نہ مکی ہے سو وہ بھی فوش ہے

اور اس نے یہ بھی کہا ہے کہ

بے دل ہونے لکنا کہ نہ صحبت ہے نہ لہی
بے کسی ہونے قنا کہ نہ دنیا ہے نہ دہی

ہر وہ ہے نغمہ زہدم ہستی و عدم
نہو ہے آئینہ فراقِ بھوں و نمکس

عقلِ حق ہر فہمِ غرض صورت
خیرِ حق ہر پناہ اولِ حسین

عقل ہے ربطی شیرازہ اجڑے عوام
دمل زلزلہ رخ آئینہ صن بچیں

کس نے دیکھا عجب اہلِ دعا آفتلِ غیر؟
کس نے پایا اڑتے دھندلے حیر؟

عمرہ ساتھ ہی یہ بھی تو کہتا ہے۔

آفتلِ کعبہ ہے سیدِ مرادِ پناہ سے
اسے دانے اگر معرقِ اہلِ کعبہ میں تو ہے
کافروں کی زبان سوکھ گئی پیاس سے دُرب
اک کلمہ بے دہلی پہ خار میں تو ہے

غالب کو اس کلمہ پاکی کو کاغذیں اُتار ہی گئے اسے تہذیب اور تمدن اور اقوام اور ملکیت کے گھنڈوں میں بھی لے آئے انہوں کی
جیلروں، دکنیوں دس گئیں

ایک لمبے کے لئے فرض کیجئے کہ غالب ایمان نہ ہو، محض ایک طوطا شاعر ہو، تو تصور کیجئے کہ ہمارا گوتہ ایک صدی کا ادب تھا
سہاگ تھا محفل ہو گئے غالب ہی کی تو اور شخصیت کا سمجھو ہے کہ ہماری شاعری دہلیت انھیں کے داری پہنے سے نکل کر مساکنِ حیات و
کائنات سے بچہ اُترا ہوئے تھے۔ غالب کے بعد اس پیچھے ہڈی نے داغ و امیر کی صورت میں سہانے کی کو خوشی کی کرنیں شاعری پر
غالب کے اثرات اتنے سلی اور نازکی نہیں تھے کہ غالب کے انتقال کے چند ہی برس بعد قسم ہو چلتا۔ اہلِ نیک پہنچتے تو ہم شاعری
نے مدت طرازی اور تکرارِ کلام سے بہت سخت ہنگامی کر اقبل نے اس شاعری کے رسی اور دواچی پہلوؤں کے عملِ خانے کا اعلان کر
دیا اور ہم ہماری شاعری اور ہمارا ادب وہ جگہ پہنچے جو تاریخ میں اس صورت میں غالب کی شخصیت تکمیل ملا ہے۔

آج غالب کی وقت کے اتنے برسوں بعد بھی ہم اپنی عقلی سوالوں سے ضلّہ رہے ہیں، ہر انیسویں صدی کے اس بے عقل
جینیٹس (GENIUS) نے افراتے تھے عقلی سوال عقلی فکر کی پیداوار ہوتے ہیں، دہشتِ ماضی برضا قسم کی فکر کو سوالوں سے کوئی
تعلق نہیں ہو کہ سوال دراصل اسودہ صورتحال کے خلاف احتجاج کی حیثیت رکھتے ہیں اور جب عقلیں ان عقلی سوالوں کے جواب
دہن دے نہیں ہیں تو انکسار کے سوا اُپل کھیتے ہیں اور انکسار دہشتِ ماضی کی تکرار ہے۔ اسودہ ادب کی تکرار میں شیلہ غالب ہی
نے سب سے پہلے ان سوالوں پر غور کیا تھا کہ

بکہ تھیں میں نہیں کوئی مسعود
ہر یہ بانگ اسے خدا کیا ہے
ہم ہی چو لوگ کچے ہیں
فرز و عسل و لہا کیا ہے
ہمیں راکھ ہماری کیوں ہے
گم ہنم سرور سا کیا ہے؟

غالب اور جدید ذہن

اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب دراصل سوویں صدی کا انسانی فائدہ عقلی سے انیسویں صدی میں پیدا ہوا گیا اور اس بات کی اسے سزا بھی ملی۔ اس کی شعری کو فصل 'اس کے اندر فکر کو بخاڑی اور اس کے اسلوب جملہ کو عقل امراض قرار دیا گیا۔ مگر جب غالب تقریباً ایک سو برس کی مسافت طے کرنے کے بعد انسانی میں پہچان دینے لے، جی، کھول کر اس کا استعمال کیا۔ بعض نے اس کے دماغ کو ایسی کنویں میں شامل کرنے کی جہالت کی اور بعض نے اسے سوویں صدی کا فیشیو اور فکر جملہ جدید ذہن کا اسے جسے پہننے پر غالب کے کام سے حائر ہوا اس وجہ سے فائدہ دیا۔ دونوں طرز کو ایک ہی WAVE-LENGTH پر سموس کر دے تھے۔ یعنی جدید دور کے ہر قسم کے RECEIVING SET میں غالب کے دماغ سے شکر ہونے والا سولہ بیئر کسی موسیٰ سیاحی یا ملکی دکان کے پرانے دست موصول ہو رہا تھا۔ دیکھنا چاہئے کہ یہ کچھ کیسے رہا تھا؟

جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ انسانی ذہن کی نگلی یا قزاقی جوش دینے کے خاص مزاج کے تابع ہوتی ہے۔ مثلاً جب نذر سے دلی کا مظاہرہ کرتا ہے تو دلالت معلوم ہوتی ہے 'تخلیات ذہن بکھریاں پلٹے ہیں کوہ و قدس میں سکونت آجاتی ہے اور فو ایک ہونے کی طرح خود کو طرح کی زمین کے ساتھ جڑا ہوا محسوس کرتا ہے۔ لازم ہے کہ ایسی صورت میں اس کا دماغ بھی تخلقات کے پھرتے دماغی کلی ہو گا اور ہوا کرے۔ سو کرتا ہے۔ چونکہ اسے خود سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس لئے کہ یہ سب کام اس کا طبعی مزاج نام دے رہا ہوتا ہے لہذا اس کے دماغ کو اپنے بیکریٹ میں قسب کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ دوسری طرف جب نذر قسب کی چال میں رہا ہو 'فاسطے سم دے ہوں اور جز دلدی کے ہاٹ سامنے تخلقات نہ کر سکے ہو۔ دے ہوں تو انسانی ذہن کو بھی قی صورت حال سے پہنچنے کے لئے اپنے بیکریٹ کو فوری طور پر کھلوانے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ مگر وہ ہر دم دہلے ہوئے ناظر سے مسلسل اور حیران کرنے والے پھیلتے اور موصول کر سکے۔ دماغ کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ سم دلدی کے ہاٹ نظر کے سامنے قدم قدم پر ہو رہے ہیں۔ انہیں ابھر کر انسانی ذہن کی پہاڑ کو دھکیں ہیں۔ نیز دلدی کے ہاٹ جاتی نہیں رہتی اور نظر ہر دور اور باسطوں کی سرحد تک کا بھونے لگتی ہے۔ اس ضمن میں کوئی دامن نے ایک غیر ملکی دلی ہے۔ دیکھتا ہے کہ دوسروں کی مثال اس لنگے کی طرح ہے اس میں ہر سطرغ کے بعد ایک ہڈیک ہی درد ہوتی ہے۔ اگر آپ رنگ کر اور اس کے ساتھ اپنی آنکھ لاکر دیکھیں تو آپ کو لنگے کے دوسری طرف کا ایک محدود باصرہ ہی نظر آئے گا لیکن اگر آپ سانگیں پر سوار ہو کر غیری دلدی سے لنگے کے پاس سے گزریں تو تمام درجی کچا ہوں کی اور آپ کو لنگے کے پار کا ہمارا مقررہ دیکھنی دے جائے گا۔ مگر دماغ خود ہی سے یہی مثال انسانی فطرت کا ہے۔ اگر اس کی دلدی کو ہے تو اعلان اس کی اور ہی قوت بھی زیادہ ہو گی اور وہ جی سمیٹے سے وہ سب کچھ دیکھ لے گا جسے طرح کی رنگ کچھ ملاوٹی نے اس کی نگاہوں سے چھپا رکھا تھا۔

جدید ذہن سوویں صدی کی پیداوار ہے سوویں صدی ایک انتہائی غیر دماغی صدی ہے۔ کئی انتہائی عقلی اس کہ ارش کو دیکھوں سلی کے فاسطے سے دیکھ رہی ہو تو وہ حیرت انداز سے سوچتے ہوئے ہو گی کہ اس کہ ارش کو کیا ہو گیا کہ ٹانگی اس کی ساری عقلی شہر کی کھین کی طرح چاندی طرف اڑنے لگی ہے اور بعض کھین کی قزاقی سیالوں تک پہنچ رہی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس کہ ارش پر تواریں کا کرم

مگر تھرا جو نہ دیتے بھی تو وہاں ہوتا
 ہرگز ہر نہ ہوتا تو بھلاں ہوتا
 نہ میں ہے رطل مر کئی دیکھتے تھے
 نے ہاتھ باگ ہے نہ پاپے رکھ میں
 نہ کئی تھو ہوں نہ چوہ ستر
 میں ہوں اپنی شکست کی آواز

شکست کی آواز غصہ بھی ہوتی ہے اور ہلاکت بھی! ہر زمانے میں ہر جگہ شاعر کے ہاں داخلی رخ کا غلبہ کسی نہ کسی حد تک نمود افرا ہے۔ اور اس لیے کے جو میں دہرائی اور ہے سو سرائی کے حاضر بھی ملتے آتے ہیں مگر کم شعرا کے ہاں داخلی رخ کی شکست و ریخت کا احساس نمودار ہوتا ہے۔ غالب اپنے حاصرین سے اس اعتبار سے بھی مختلف ہے کہ اس کا لم زمانے کے اس دور سے آگیا ہے جو کلاسیکیت کا گواہ ہے اور جس میں پوری لسن لسانی کے اندر پہلے اور بعد میں غلو غالب ہیں۔ چہرہ داخلی کا اختلاقی وصف بھی یہی ہے کہ وہ ذات کے داخلی رخ سے متعارف ہو رہا ہے۔

مگر جیسا کہ میں نے کہا بیسویں صدی میں جتنے فوسے اور ریزہ ریزہ ہوئے کا شعر میں دیکھا وہی بگڑ اس کی ندرت میں قہر کی ایک صورت بھی ظہر ہے۔ تخلیق گاری میں بھی وہ ایک رخ ذاتی ہے تو اس کے بچنے سے ایک ہی اور شفاف رخ برآمد ہو چالی ہے۔ بیسویں صدی کا وہاں اس ہی داخلی شہزادہ بدلی کا باطن ہے اور غالب کے ہاں بھی چہرہ داخلی کا یہ خاص انداز صاف نظر آتا ہے۔

ہوں مری شکستہ حضور سے نور کا
 میں صلیب گلشن کا آئینہ ہوں

غالب کے ہاں تو صلیب ہمارا گامزن اور گلشن باغیچہ کی بجائے اس بات پر دل ہے کہ چہ چکا ہو میراں کے باوجود غالب اس حقیقت کے لمس سے کشادہ خاطر آہستہ آہستہ ظہور دہی مری مگر تھے اس کے حاصرین کی آنکھیں دیکھتے سے حاضر تھیں۔ چہ کہ بیسویں صدی کا وہاں شکست و ریخت کی اتنی بولی گد میں سے آئے واسے زمانے کی ایک بجنگ پائے پر تھو ہو گیا ہے اس لئے جب اسے گلشن باغیچہ کے ہونے کا احساس شعری صورت میں گواہ گواہ ہے (جیسا کہ غالب کے شعرا میں) تو اسے قدرتی طور پر بیانی کا احساس بھی زیادہ ہوتا ہے۔ چہرہ دور میں غالب کی تخلیقیت کی ایک اہم وجہ یہی ہے کہ اس کے شعرا آج کے دور کی انسانی طلب کا پورا کرنے میں اور دم بہ دم پہنچتے ہوئے آہل ہیں۔ صرف اس کا ساتھ دیتے ہیں بگڑ اسے آئے واسے زمانے کو بچاتے اور ہماراں تک پہنچتے ہیں۔ اگلی بھی کستہ ہیں۔ چہرہ دور سے گلی کا کوئی بھی نہ سرا شعر آج کے وہاں کو اس انداز میں جتھیں مہا نہیں کر سکتے۔

بیسویں صدی جیسا کہ جب پہلے ہیں بیانی اعتبار سے ایک تخلیق فعل صدی ہے۔ اس میں اختلاقی سکھ سے بھی زیادہ کھڑے کے اس پر اسے کو صیت حاصل ہے جسے انداز کا اہم لہ ہے۔ انداز کا کام یہ ہے کہ تمپ ہاؤں ذات ہاؤں۔ ہر جگہ ساری دنیا کو تمپ کی دیکھ پر لا کھڑا کرتا ہے۔ یوں کہ دنیا کے ہر ترین گوشوں میں بھی کوئی واقعہ رونما ہو تو اس کی دھجک تمپ کا اپنے گھر کے دروازے پر محسوس ہوتی ہے۔ بیسویں صدی کا نور ہمارا قری دار نظریوں کے ہر دور اپنی میں واقعاتی تخلیق میں نمودار ہو رہا ہے اب اسے دنیا کا شری WORLD CITIZEN کہنا شایہ زیادہ موزوں ہو۔ یہ شری اخلاقی احساس باخبر اور پاک ہونچنے میں بات کی شد تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چہ کہ

اور غالب کا صحید ہے ۔

مجھے سوا گلی ہم پہ بہت سے حتم ہوئے

اسی طرح فیض لکھتے ہیں ۔

حلقہ رعب و غم بھی مگی تو کیا غم ہے

کہ خون دل میں ڈال لی ہیں انگلیاں ہم نے

اور غالب کا شعر ہے ۔

درد دل گھوٹوں کب تک چلوں انکو دکلاؤں

انگلیاں بکھر اپنی جگہ خونچاں اپنا

مخصوصاً غالب اور فیض کا قتل برگر میں بکھر گھٹن اس بات کا اظہار ہے کہ غالب کے کام میں ایک ایسا ذہن کار فرما نظر آتا ہے جو بیسویں صدی کے ذہن کا اوّل دو کلا سکتا ہے۔ غالب سیاسی مصلحتات میں نہیں ملتی مصلحتات میں بھی خلافاً پشور ہے اور قریٰ اعتبار سے تو وہ بیسویں صدی سے پہلے تک ہم تک ہے ۔

ہے آویں بھانے خود اک مضر لیلیٰ

ہم انجمن لکھتے ہیں غصوت ہی کیوں نہ ہو

بیکہ دھواں ہے ہر ہم کا آسماں ہوا

توی کو بھی سیر نہیں اٹلی ہوا

بلبل کے کھارواں پہ ہیں صد ہائے مکی

کہتے ہیں جس کو مطلق غلط ہے جہاں کا

مگر غالب کا روح صبر سے جڑا ہوا اس بات پر اہل برگر نہیں کہ وہ اپنے آپ کا تخلیق مصل ہے وہ اصل لادیمیت کے بھی وہ پہلو ہیں ۔ ایک یہ کہ فرہاد کا جڑی ہاں ہے لیکن صورت میں گنگی کی وہ ذاتیت جنم لیتی ہے جس کا نتیجہ نے انتہائی عذرت سے ذکر کیا ہے وہ سری صورت یہ ہے کہ فرہاد اپنی ذات میں مضر لادیمیت کا وہاں حاصل کرے اور یوں اچھا سے فرہاد کو اپنی انفرادیت کا احساس دلائے سونیا کے ہی انفرادیت کا یہ اور ذات کل سے شہساز کی کا اور ہے۔ لیکن وہ اور جب جڑ کو اپنی ذاتیت کا وہاں حاصل ہوا ہے۔ مگر غالب صوفی نہیں ہے۔ غالب کی انفرادیت ایک تخلیق کار کی انفرادیت ہے لیکن وہ لادیمیت کو کس ذکر آ ہے مگر اس میں غم نہیں ہوگا۔ اسے کسی بھی قسم کی دوا میں موہنا نہ ہوگا۔ زندگی کا سطر ہو یا موت کا غالب کا اسلوب اور دماغ دو سروں سے ایک اور جدا ہے۔ یہی تخلیق انفرادیت بیسویں صدی کا اثر خیر ہی ہے جس کا لہجہ کے علاوہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں مظاہر غالب ہوتے چاہئے ہوتے لگا ہے۔ غالب کے ہی انہی ذات کا اظہار کرتے ہیں وہاں ہے ۔

وہ دماغ ہم ہی کہ ہیں بدشاہ خلق اسے شعر

نہ تم کہ چار چارے مر بادوں کے لئے

لازم نہیں کہ شعری م م لکھی کریں
 یا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سزے

ایک خاص بات ہو غالب کو اپنے دلہنے سے بانہ اور جید دلی سے قہر نہ کرتی ہے اس کی جس طرح ہے طرح غالب کے دور میں بھی
 تھا لیکن اس نے زیادہ تر پہنچا ہے "جو" غنیمت و قربانی یا عقل بازی گری میں خود کو لپٹا لیا تھا اور "ہے جسے جس کے سینے میں ہدیہ
 عید اور غنیمت نے لپٹت اور ہانکری کی نور مٹانے والی" ہر چہ "ہم دانی اور ہر رنگی کی شان" کہا ہے غالب کے دلہنے میں دانی اور نہیں
 نکلی تھی۔ دیکھتے ہیں غالب سے لب بک پر سے سحر سے میں چٹنے چٹنے کا خدہ ہاتھ ایک رہا ہے قدیم اور غزل کی کو دیکھتے ہیں میں
 سیدہ امجد کے میں دو میان دلوں یا شمع کی شان میں تب کو ایک کونہ لپٹا لپٹا شعر غزل دل چٹنے کا ہر دلی غزل کے طرح سے لپٹا
 غزل کو ہم اسی طرح انوری ڈھنڈھوں میں حواہیں سینہ پوری غم سے ہاتھ لگے دکھائی دیتے ہیں۔ اس بھوت بھوت کے جس کی دوست
 ہے بھی اثرات محسوس ہوتے ہیں۔ چنانچہ غالب سے ہاتھوں کے سحر کی شکل سے زیادہ تر شہ و دہان کا قہر کی شکل ہے جسے جسے
 انسان کا کام بنا چاہتے اور جو عام سنگھ میں ایک نورانی گری طرح سرایت کرتی ہے غالب سے ہاتھوں میں شکل کر ایک عجیب سی لپٹت اور راحت
 صدی میں اس دیر لب سحر اس کے کنار چٹا سحر آ رہے ہیں جو بعض اوقات بجلی سی لپٹت میں شکل کر ایک عجیب سی لپٹت اور راحت
 کا مظہر کرتی ہے اور ہاتھوں لپٹت کے ساتھ عام سنگھ اور صبح کے عام انداز میں بھی دکھائی دیتے گی ہے۔ "خدا" کائنات کی ہر
 امرایت کو اپنی شہت سے محسوس کرتے ہوئے ایک شہر سائنس دان نے ایک بار کہا تھا:

THE UNIVERSE IS LIKE A GRIN ON THE FACE OF A CAT WHILE

THE CAT IS NOT THERE.

اور یہی طرح میں ہر چہ "ہم دانی اور ہر رنگی کی ایک طبعیت مثل چٹ کر دی تھی۔ اور کے شعرا میں غالب وہ واحد شاعر ہے جس
 کے ہاں طرح کی یہ لپٹت کیفیت اپنی صدی کی ایک اور سرشاری کے ساتھ ابھری ہے اور صوبوں صدی کے دنوں کو اشیا اور مظاہر کی
 سحر کی لپٹت کا احساس دلاتے ہیں کہیں ہوتی ہے۔ غالب کا کل یہ ہے کہ اس نے اپنی انفرادیت کا ہمہ گیر افسانہ لپٹا لپٹا کیا کہ اپنی بات کو
 نکالے شہر کا کہ اور اپنے جذباتی اصل پر سحر کے کی روحی اعتبار کر کے نور کو اوقات کے صلہ سے ہاتھ لگال لیا اور یہی اس کائنات شعری کا
 مظہر کا جس کا چلن صوبوں صدی میں بدلنا عام ہو رہا ہے۔

آخر میں مجھے یہ کہنا ہے کہ چہرہ دانی پہنچتے ہوئے علوم کی وسعت سے کائنات کی ایک لپٹت کی شکل سے آشنا ہو رہا ہے جس کی کوئی
 نسبت نہیں ہے۔ رابع دور میں کائنات کی آخری قوس پر مدھنی کی دھن کی دھن سے ذرا کم دھن پر دھن کی طرف چلتے ہوئے QUASARS
 احساس دلاتے یا خود میں پروٹونڈام کے اہل میں اڑ کر GENE کی کائنات کو خشک انہم کہہ کر اور اس کے اہل میں اہل اور
 پروٹون کی ہے نسبت دیا کا سحر دیکھانے یا علوم سماجی کے لپٹت کو سحر عام پر لپٹت یا لپٹت انہی مدح کے ساتھ اہل کو مختلف کریں "تجہ
 ایک ایسے "مولوں" کی صورت ہی میں ابھرتا ہے جو صوبوں صدی کا وصف خاص ہے اور جسے کائنات شعور
 COSMIC CONSCIOUSNESS نام دیا جا سکتا ہے۔ غالب کے دلہنے میں صوبوں صدی کا یہ دلی بھی نمودار نہیں ہوا تھا کہ
 تجربہ کی بات ہے کہ غالب کے ہاں ایک ایسا دلوں پر شہر ابھرتا ہے اس دلیں مدھن دیا جا سکتا ہے۔ غالب اب کہتا ہے کہ

ہے کل قہر کا "درا قدم ہارپ

ہم نے دشت لپٹت کو ایک شکل بنا چلا

دشمن سے سوچتے پر مجبور ہو رہا ہے کہ دلوں کے قہر میں پوری کائنات کا اہل کا سحر غالب کیسا ہی مدح ہے کہ اس نے اپنا
 پند قدم دشت لپٹت پر رکھا ہے اور "درا قدم رکھنے کے لئے لے کوئی جگہ ہی نہیں مل رہی

غالب کا سفر کلکتہ

میدر ہائی ہارڈی غالب "مرتبہ بہ اکبر علی ترقی" غلطو کا یہ مجموعہ ۱۸۵۸ء میں غالب مدنی کے موقع پر شائع ہوا۔ غالب کے غلطو قاری میں "مگر ترقی صاحب نے دیباچہ اور حضور انگریزی میں تھیں" میں نے دیباچہ کا قصیدہ حضور کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ معلوم واضح ہو جائے۔ شاعری قلم نہیں بلکہ مسلسل مضمون معلوم ہو۔ حوالے اور حواشی بھی نہیں دئے گئے ہیں۔

غالب کے قاری غلطو کا ایک بے پاد و مددگار سونہر غلطو یہ کیا ہے جو اب شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ غلطو شاعر کے سطر ٹکٹ کے بارے میں ایک ایسے دیکھار کی تشکیل کرتے ہیں جو اب تک معلوم نہیں تھا۔ یہ سطر غالب نے اس لئے کیا تھا کہ ان کے مرحوم بچا مرزا غلطو چک علی نے جو پختون دولت میں پھوڑی تھی اسے درست کر انہیں اور بچا حق ثابت کریں۔ اصل میں یہ مجموعہ اپنی فن پارہ ہے لیکن ریاست اور علاج کے طالب ہر اثرات مرتب ہوئے ان پر دو فنی اضافے اس مجموعہ سے ہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالب کے انہیں پر کچھ اور کچھ کس طرح سے اور پسے ہوئے اور ان کی شاعری میں ہے جو انہیں کواد لوانیک

(۲)

اس مجموعہ کو جمع جعفر میں مسطور کے لئے ایڑا ہی میں یہ بات جانتا ضروری ہے کہ غالب غلطو کے بڑے شائق و شائق تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں محبوب اور کو اپنی کوئی غلطی کی بدلت تھی۔ اس کوئی میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے افراد شامل ہیں۔ نتیجہ یہ کہ ان کے غلطو نہ صرف ان کی سوانح کے لئے مواد فراہم کرتے ہیں بلکہ ان کی شاعری کی تشریح و توجیہ میں بھی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کی شاعری کے بے سطر میں جو قوتیں حرکت تھیں ان کا قصیدہ بھی ہوتا ہے اس کے علاوہ اس زمانے کے سنی و دہائی انقلابی اور شائقی حالات پر دو فنی اضافے ہیں جن پر سطر سطر دیا تھا۔ یہ وہ نندہ غالب قدیم دوبارے لوت رہے تھے اور فرسوں غلام حکومت کے صحیح عہد کو غیر عہد میں طریقہ پر چک رہا۔ یہ غالب اس کے قریب انگریز تھے۔

یہ بات ہر ایک غلطو جگہ ہے کہ دوبارے شاعر اور اس کے عہد کے بارے میں حقیقی معلومات کا یہ خرید آگاہی غلطوں کے لئے کم ہی ہو گیا تھا۔ لیکن نندہ کی گمانی سے جو کچھ بچا گیا ہے وہ یہ لندہ غلطو ہیں جنہیں ان کی مدد میں دیکھنے کو لی اور یہ وہ غلطو ہیں جو بچا تھک کے باب جرم کی تشکیل کرتے ہیں بچا آجنگ غالب کی زندگی میں دو بار شائع ہوئی لیکن وہ دونوں اشخاص سے مطمئن نہ تھے۔ کیونکہ پہلے ایڈیشن کو پختون اور دوسری اشخاص کو غلطو سے پرکتے تھے۔ بچا آجنگ کے غلطو میں کئی ہی اشخاص ہوں ہر ایک وہ غالب کی ابتدائی زندگی کی معلومات کے لئے قدیم ترین ذریعہ ہیں اور اس عہد کے مشہور ترین انہیں سے حوالہ کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے غالب ۱۸۵۸ء سے نقل غلطو انکیت کیا کرتے تھے۔

بچا آجنگ کے غلطو ان سطور میں جڑے وسیع زمانے پر مبنی ہیں کہ ان انکیتوں سے بہت بڑا ہے۔ اس کے بعد وہ غلطو دریافت ہوئے ہیں ان کی تجدید اشخاص و صاحب ہیں اور وہ ٹکٹ میں غالب کے بارے میں تمام کام کا مرکز و محور ہیں۔ ایسے مجموعوں میں سب سے پہلا مجموعہ وہ ہے جو گھنٹوں میں دریافت ہوا۔ اس میں انہیں قاری غلطو ہیں جو غالب نے مولوی سراج الدین احمد "مرزا احمد بیگ علی اور مرزا"

الانعام کو لکھے جن سے قیام انگلٹ کے دوران دعوتی ہوئی اور دہلی واپس آنے کے بعد بھی ان سے رابطہ قائم رہا۔ ان خطوط کی بڑی تعداد پانچ آٹھ کے شروع شدہ خطوط میں مشترک ہے۔ لیکن ان کی صحیح تعداد قیمت اس حقیقت پر مبنی ہے کہ جو عبارت پہلے شروع ہوئی تھی اور جو صدر جمہورت کیا تھا اس عدا کو پر کرتے ہیں۔ یہ خطوط اور دیگر غرضیات حقیقت غالب میں شروع ہوئی ہیں جسے مسعود ضعیف رضوی صاحب نے مرتب کیا تھا۔

انہی اہم ایک اور مجموعہ ہے جس میں ۲۲ خطوط ہیں۔ یہ اعداد کے حکیم صوبہ ارضین صاحب کے ذاتی خطوط سے ملے ہیں۔ یہ خطوط غالب نے ان اصحاب کو لکھے جو انگلٹ میں رہتے تھے۔ اگرچہ کہ کتب خانہ حضرت کے نام میں مسلم ہوا ہے لیکن انہیں طلب فرمایا یہ ہے کہ دوسرے اصحاب کے علاوہ مرزا ابو نیک جان، غلام محمد حسن اور فضل الدین حیدر کے نام ہیں۔ یہ خطوط "مواہرہ" غالب کے نام سے شروع ہوئے ہیں۔ اس مجموعہ میں غالب کی وہ غرضیات بھی شامل ہیں جو اس سے ملنے شروع نہیں ہوئی تھیں۔ مواہرہ غالب کو ایک تنہدی تبصرہ کے ساتھ کافی عہدہ ۱۸۳۹ء میں ملی گئے۔ یہ خطوط کا تھا۔

(۳)

زیر مواہرہ مجموعہ ۱۸۳۹ء تکلیف کرنا، ذرا تک لکھا ہے ۱۸۳۰ء کے ایک ایک جگہ ان کے بعد جو دینی تقریری سے حاصل کیا گیا ان تقریریں مطلع فرمادہ آید ایک تاریخی قصبہ ہے۔ یہ علی حسن خان اسی قصبہ کے رہنے والے تھے جنہوں نے ان خطوط کو نقل کیا تھا۔ مسودہ کے الانعام پر یہ زبان انگریزی میں لکھا گیا ہے اس بات کا علم ہر ایک قضاوت کے ساتھ نہیں ہو سکا کہ یہ مجموعہ کب مرتب ہوا اور نقل کیا گیا لیکن اس کا امکان ہے کہ اسے ۱۸۳۹ء میں لکھا گیا۔ یہ بات مطلع شدہ پانچ بدوں اور ناظر کے فیصلہ دار بعد اٹھل علی کے ایک خط سے معلوم ہوتی ہے جو ۱۸۳۹ء کو علی حیدر علی حسن خان کو ان کے پاس کے پاس پر لکھا گیا۔ علی حیدر علی حسن خان کے پاس میں، مگر مسلم نہیں ہو سکا لیکن بدوں اور ناظر کے فیصلہ دار نے جس حکیم و حکیم کے ساتھ انہیں غالب کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بدوں کی انتظامیہ کے تحت چلے گئے۔ بدوں کے ساتھ رہے ہوں گے۔ بدوں میں ان کے خطوط کو نقل کیا گیا۔ اس موضوع کی تفصیلی تصدیق اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ اس مجموعہ میں غالب کے خطوط کی بڑی تعداد بدوں کے صدر دائیں یا سول راج منوہی جو علی صاحب کو لکھے گئے ہیں۔

مسودہ میں ۲۲ ذاتی ہیں۔ ہر خط پر اٹھارہ سطور ہیں جن کی بڑا نقل ۱۲۰ ہے۔ چوتھیں خطوط ہیں ان میں سے ۲۲ غالب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ باقی دو ذاتی حیدر علی حسن کو ان کے دستوں نے لکھے ہیں۔ ان ۲۲ خطوط کے علاوہ جن میں خط نمبر ۱۰ نمبر ۱۱ کی نقل ہے۔ مسودہ میں دو خطراتے انگلٹ میں غالب کی پہلی نقل آرائی کے بعد سے ہیں۔ یہ خطراتے اس کتاب کے چھ نمبر ۱۱ کی نقل میں ملنے گئے ہیں۔ مسودہ خط انگلٹ میں ہاتھ سے بنے ہوئے ہاتھ پر بنے گئے ہیں۔ ہاتھوں نے وضاحت پر اسے کیڑوں نے کھا لیا ہے۔ مگر ہر سولہ ہر گئے ہیں جن میں سے اکثر کو میں نے کینٹن خزانہ اور کینٹن غالب غازی کی عدا سے پر کرنے کی کوشش کی ہے۔ بدوں میں دو کتبوں سے لکھے دو نہیں ملی ہیں۔ ان میں سے تین میں اپنی قادی عبارت لکھی ہے۔ صورت دیگر ان خطرات کو جنہیں کیڑوں نے چاٹ لیا ہے۔ خطرات کے درمیان ظاہر کر دیا گیا ہے۔ مسودہ میں خطوط کو کیڑوں نے تو چڑھ چڑھ کھلائی ہے۔ ہم یہ ہے کہ ان پر کتب صحیح نہیں کی ہے اور جن خطوط پر کتب لکھی ہیں سبھی نہیں لکھا گیا ہے نہ ہی خطوط کو کسی خاص حسیل سے ترتیب دیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ان کے ساتھ سے انتظامی تقریری اور بے ترتیبی کا احساس ہوتا ہے۔ بدوں اور انہوں کے متعلق اور انسانی شہادت کی عدا سے میں نے انہیں تاریخی اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔ ہر خط کے اوپر ہی سرے پر شمار کیے تاریخی ترتیب کا نہیں کرتا ہے اور

نسب نامہ میں پائے جانے والے خا کے خاتم کو ظاہر کرتا ہے۔

مول قمری خطوط کی تاریخی ترتیب لفظ بہ لفظ دوسرے یہ کہ مکتوب الف کے نام نہیں ہیں سوائے خط نمبر ۳۱ کے جس کی کتب الف کا نام بجلی کے قلوب علی اکبر علی کا دیا گیا ہے یہ خط ذرا ہی تبدیلی کے ساتھ بیچ آجنگ کی ابتدا میں بھی دتا ہے اس مجموعہ میں ملت اور خطوط ملتے ہیں جو بیچ آجنگ میں موجود ہیں۔ اگرچہ کہ ان خطوط کی عبارت ذرا مختلف ہے لیکن بیچ آجنگ میں ان کے مکتوب الف کا نام پندہ کے مولوی محمد علی علی دیا گیا ہے۔

اس مندرجہ سے گھر میں امت پیدا ہوئی۔ میں نے عبارت کا غور سے مطالعہ کیا اور مضبوط پانچ شہادت کی بناء پر اس نتیجہ پر پہنچا کہ باقی نامہ ۳۱ خطوط میں سے ۲۷ خط پندہ کے مولوی محمد علی علی کو لکھے گئے ہیں۔ ایک خط بجلی کے قلوب علی اکبر علی مہملی کو اور خطوط کے مکتوب الف اور ان کے بچوں کے شہادت نہیں ہو سکتے۔

(۳)

ان خطوط کے مکتوب الف مولوی محمد علی علی از پریشانی خلیع افلا کے قصبہ موہن کے رہنے والے اور نکلنے کی صورت عبارت کے واضح اقتضا سرانجام قمری علی علی کے پورے ہوتے تھے۔ محمد علی علی مولوی انکسار کے زیر اصرار بدلی کتب میں خلق کے بہت عرصہ پہ نماز تھیں تا کہ نام اسلامی قوانین کی تفسیر و تشریح کرنا تھا اور بعد میں وہ نئی پاکر پندہ میں موجود ہیں اس سلسلے میں گئے یہ جو نام عہد قصبہ منسوب اس وقت بھی ان کے پاس تھا جب غالب ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء میں پندہ سے گذر کر نکلے جانے سے قبل ان کے وقت تک یہ عہدہ ان کے پاس رہا۔ ان کا انتقال ۱۲۳۵ھ/۱۸۱۹ء میں ہوا۔ وہ مختلف اصناف میں شریک تھے اور بطور کی مجلس کے شہری کرتے تھے۔ قلوب علی اکبر علی مہملی کا نام عیسٰی مہملی کے بدلے تھیں یہ انتہا پرین کے معنی ہیں جو معنی کے دور آفری منظور و مسافر تاریخ ہے۔ انیسویں صدی کے خاندان نمبر ۱ کے تحت درج ہوئے اور بجلی کے نکلنے ۲۷ نومبر ۱۸۱۸ء کو بجلی کے منظور نام پندہ کی چاندیوں کے انتظام کے لئے انہیں اور عارضی سبھر مقرر کیا۔ آخر ان کو پندہ کے بعد یہ نرسٹ بارہا علی علی اور دائی علی علی صرف محل چل جان سابق حوالہ ان کو ۱۸۱۸ء کو جسور کے نکلنے کے حکم سے دے دیا گیا۔ جس کی ابتداء درج ہوئے اور انے ہی غمی حوالوں نے حکومت کا اہلہ اور کیا اور اس مقصد کے لئے قرضہ جات لئے اور وہ محل تک چاندیوں کا انتظام کیا لیکن ستمبر ۱۸۱۸ء میں درج ہوئے اور انے حوالوں کو دفع چاندیوں کے انتظام سے روک دیا اور سید علی اکبر علی کو دوبارہ حوالی مقرر کیا۔ اسی دوران باقر علی علی پانچل ہو گئے اور ان کے رفیق نگر دائی علی علی نے پندہ کو ایک درخواست دی کہ انہیں دوبارہ ملازمت دی جائے لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس کے بعد وہ مقدمہ ہادی میں الجھ گئے۔ اور یہ سلسلہ کئی سال چلتا رہا۔ انہوں نے حکومت کے خلاف ہاتھ مقدمہ دائر کر دیا۔ مقدمہ کالینڈر بجلی کے بیج مسزادی سی ہوا کرتے تھے ان کے خلاف دیا اور اس فیصلہ پر دارا علی پوری کو قتل نے سرحد کھدی۔

سرحد اس خلاف کے زیر اہتمام وقت چاندیوں کی کوئی بجز مقصد کے لئے مجلس کی چلنے لگی۔ کیم آگست ۱۸۱۸ء کو بجلی کو بیج کا قیام 'مہملی' مسافر نگر کی تفسیر یہ جنم دہی اور اسے سید علی اکبر علی کے زیر اہتمام انتظام قائم کر گئے۔ جنہیں آخر کار ۱۸۱۸ء میں حکومت کے انتظام کے درجے مسئلہ کو دیا گیا اور اس طرح یہ ظاہر ہوا کہ سید علی اکبر علی اپنے عہد کے پانچ انسان تھے اور نکلے بیچنے سے گل جاب پندہ کے مولوی محمد علی سے ایک خط حاصل کر چکے تھے۔ نکلے بیچنے کے فوراً بعد اس خط کو لے کر وہ بجلی میں سید علی اکبر علی سے ملے گئے اور ان کی شائستگی ترتیب تہذیب اور طریق موضع کوئی نہ تھا اور سبک سے بہت حاذر ہوئے اور نکلے سے جو خطوط پندہ کے مولوی محمد علی علی کو لکھے ہیں ان میں ان کی تہذیب نکلی ہے۔

[illegible]

حضرت جگہ کے کوئی فوائد نہ تھی۔ لہذا معراجِ اہلِ توکل کے علاوہ اس کا کوئی واسطہ نہ تھا۔

المادة ١٠٠

اس بات کے اعلیٰ مزاج اور عالی مقام سے دو ملے ہوئے تھے۔

سجستان کی دہری یعنی لہرانہ ایک کی وقت اور تین بجیں تھیں۔

اسی دو تائیں سے کوئی بھی لڑا ایک کے پاس نہیں جا سکتا اور نہ اپنا سہلہ سمجھا سکتا تھا کہ میں میں سے ہر ایک میں اللہ کی کثرت سے شہید ہوئے۔ خود بخود میں سے وہ سوا افزا تھے۔ غالب کی عمر اس وقت صرف نو سال کی ہوئی اور ان کا چہرہ ابھی بچکانہ شکلیت میں تھا۔ اس واقعہ میں صورت حال سے ناگوار لگا کر خواجہ حیات کو لکھا کہ ایک کے پاس غلہ زانو اور دست گر تھا اس نے مرحوم مرسلہ کے جسم و معظم پر ہتھ کیا اور لکھا کہ ایک علی کے شہر میں علی علی سے ملی کہ یہ وہ علی نے خواجہ حیات کو اپنا دست دیا۔ کیا یہ نہ کہ وہ سمجھ گئے تھے کہ خواجہ حیات اسے رسالے یا نہیں جو کہ چاکر اور قوت سے ان کی اپنی جانگیر کے بقدر دست کے لئے قابل قدر شخص سمجھتے ہو کہ

اس نسل میں احمد خاں خاں کے چند میں فیروز پور بھڑکا سدا گرس پتا پاتا اور ۱۱ اور محمدی جانیوں میں ان کی فتح میں ۱۲ میں
بڑا دوسرا سلسلہ تھی۔ طوابع خانی کو اپنی جاکیر میں بھڑکا کر احمد خاں خاں خاں پور گئے اور لارہ ایک سے در خواست کی کہ مندرجہ ذیل
جاکیروں کی جو رقم فتح ہے وہ انہیں لارہ کی جاکیر سے اور مرحوم خیراٹ ایک خاں کے لارہ میں کی گزروں کے لئے سوار ملے کر دیا جائے اور
پچاس سواروں کی دیکھ بھال کے لئے رقم خاں کی جاکیر سے سوار جب سرکار انگریزی کو ان کی ضرورت ہوگی تو ان سواروں کے لئے ایک سے
اس درخواست کی منظوری دے دی اور اس سلسلہ میں ایک رپورٹ نکل کر لارہ کی جاکیر خارج جامد پارہوں سے اس کی منظوری دے دی اور
اس وقت گورنر جنرل جنرل صاحب ۱۳۳۵ مطابق ۱۱ مئی ۱۳۳۵ کو احمد خاں خاں کے نام ایک پڑاؤ پڑاؤ کی جاکیر اور مندرجہ ذیل خاں کی
سلسلہ گدائی انہیں لارہ کی جاکیر سے اور خیراٹ ایک کے دو سہ روٹ اور پچاس سواروں کے دستے کے لئے جو تحفہ کو احمد
مواقع پر فراہم کئے جائیں گے، رقم خاں کو دی گئی۔ لارہ اس پڑاؤ کو پڑاؤ ایک ملے ہی گزرا تھا کہ ۱۲ رجب الاول ۱۳۳۵ مطابق ۱۲
جون ۱۳۳۵ کو احمد خاں نے لارہ ایک سے ایک اور پڑاؤ حاصل کر لیا جس کی مدد سے خیراٹ ایک کی علاقہ خاں کی تحسیم مندرجہ ذیل
شرطت پر کی گئی تھی۔

1444

جس کا صرف ایک نعل کی دھڑ اور بہنوں کے لئے

سورہ امہ (غالب) اور مزاج سب صرف ایک نعل کے انجیوں کے لئے
نعل

سورہ امہ

سورہ امہ

سورہ امہ

جب غالب کی شعور کو پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ اس نعل نے ان کے ہاتھوں کے ساتھ باضابطہ کی چھان کی دلیل یہ تھی کہ
صرف ایک نعل کے دو تھام کے لئے یہ چٹن سترو کی گئی تھی میں طویل حلق کا کوئی حصہ نہ تھا نہ لکڑی کا نہ لکڑی کے دھار کے بدلے میں ایک
نوعان خوب مرزا طویل حلق کا پہ پہاڑی دوپے ملا ہے سائیں قند طویل مرزا کی شادی اس کی دہلی کی بیوہ بہن کی بیٹی سے ہوئی تھی یہ
اپنی بہن اور بیٹی کی پرورش کرتی تھیں۔ فیک اس طرح جس طرح دست گھٹا کی جاتی ہے اس شادی کے نتیجہ میں طویل حلق پیدا ہوا
جس کا صرف ایک نعل کی چٹن میں کسی قسم کا کوئی درست نہیں۔

غالب اس نعل کے خلاف قدم اٹھانا چاہتے تھے لیکن جس چیز نے انہیں ایسا کرنے سے روکا وہ یہ حقیقت تھی کہ ان کے خسر
مرزا امی نعل اس نعل کے پھرنے والی تھے اور اس طرح اس نعل کے خلاف کوئی کارروائی ان کے خسر کی باضابطہ کامیابی
ہوئی۔ خلاف انہیں اس نعل نے انہیں ہر بار یقین دلایا تھا کہ وہ نعل حلق کے انکال کے بعد جو رقم سے لی گئی وہ غالب کے خسران کو منتقل
ہو جائے گی۔ اس نعل نے انہیں دھار پر ان کا کھدب ۱۸۵۳ء میں خوب حلق کا انکال ہوا تو اس کا پھر اس کے چٹن کو منتقل ہو گیا
وہ نعل تھا جب مزاج سب پر دلی مرض کا حملہ ہوا لیکن غالب کو چھ سو دوپے ملا نہ ان کی دیکھ بھال کے لئے دیکھتے تھے اور تو
سو دوپے ملا نہ قرض خواہوں کو لایا کرتے تھے۔

جب صاحب کا بچا ہوا اور بچک گیا تو غالب نے یہیں ہلا۔ وہ بچا تھیں (کڑوں کو بھرا لیا اور دہلی سے فیروز پور کی طرف روانہ ہوئے
مگر اس نعل نے انہیں جو دھڑے کئے تھے انہیں طبیعت کیا ہانکے انہوں نے وہاں اس وقت تک قیام کیا جب سرچارلس خلاف نے ۶
جنوری ۱۸۵۶ء کو امرت پور کو اپنی کھول میں سے لایا۔ جب غالب کو یہ احساس ہوا کہ اس نعل نے کوئی بدلہ کر کے انہیں مل رہے
ہیں۔ تب انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ خلاف سے ملیں اور خلاف کے طواہی ہوں۔ وہ دلی میں نہ جائیں کیونکہ قرض خواہوں کی ہانک
کڑی اور فوج کڑی سے خائف تھے۔ اس لئے وہ کلن پور کی جانب روانہ ہوئے جہاں خلاف سے ملنے کی امید تھی۔

جو جی وہ کلن پور پہنچے خلت ملیں ہو گئے اور چونکہ انہیں اس شہر میں کوئی قتل مسلح نہ تھا انہوں نے کلن پور پہنچنے پر ایک چاکلی کی طور لگا پڑ
کر کے گھنٹہ بیٹھے۔ یہاں کی سب دہوا بھی انہیں دلی سے نکلے اور وہ پانچ ماہ اور چار دن بہن چڑے رہے پھر وہ جہاں گئے اور غالب وہ اختیار
مل کے ہاں قیام کیا۔ اس لیے چارے پہلی شہر بھاری جگہ ۳۱ اگست ۱۸۵۶ء کو جہاں کے نواب بیٹے تھے وہ دہلی آجہ اور نادر علی
غالب کو جہاں میں لی اس سے انہیں مرض سے طبیعت ملی اور انہوں نے تقریباً چھ ماہ نواب صاحب کی مسانداری سے ایک خط لکھا۔ چونکہ
پادش کا نعل ختم ہو چکا تھا اور گورنر جنرل دلیں نکلتے چا گیا تھا غالب یہ سوچ کر بنگال کی جانب روانہ ہوئے کہ دلی ہو یا کلکتہ تھان تو
ایک ہی ہے جب وہ مرشد آباد پہنچے تو انہیں اس نعل نے انکال کی خبر ملی۔ ان کا انکال رجب ۱۲۳۳ھ مطابق جنوری ۱۸۵۷ء
میں ہوا تھا اس واقعہ سے غالب کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا کیونکہ ان کا کوئی اس نعل نے انکال کیا تھا تو اس لئے وہ دلی میں
یا مر جائیں کوئی فرق نہ تھا انہوں نے مرشد آباد سے کلکتہ کے لئے اپنا سفر جاری رکھا۔ کلکتہ اس وقت میں بیٹے لکھا تھا کہ حکومت کا
صدر حکام تھا۔

(۶)

غالب کے ۳۱ خطوط کا خلاصہ دیا جا رہا ہے۔ پہلے دلی میں وہ بڑی تعلیم مصنفہ تھیں میں ہیں۔ انہیں غالب نے وہ مختلف مواقع پر

ہر ایک پہلی فلم ایک مہارت ہے جو انہوں نے مولوی محمد فضل علی کو کھسکی جن سے فیروز پور (جو ابورنگش علی کی جائیداد میں تھا) روانہ ہونے سے قبل طالب خیس علی بنکے تھے۔ فضل اپنے دشمنوں کے خلاف اور اور سے رقم نہ ملنے کی وجہ سے پہلی پہنچل کی زندگی گزار رہے تھے۔ سری فلم ۲۰۴۴ء مطابق ۵ اگست ۱۸۸۹ء کو کھسکی جو ایک عرض داشت ہے۔ یہ سند اہلکار عرف آغا میر جو اسی زمانہ میں اورنگ آباد کے طالب بالسلطنت تھے کے نام ہے۔ یہ درخواست سید علی علی 'میرزا حسن علی اور جو سرے حضرت کے کہنے سے کھسکی گئی تھی' جن سے گھنٹہ میں طالب کی روایت ہوئی تھی۔ انہوں نے آغا میر کی شہان میں ایک سو سو اشعار کا قصیدہ بھی لکھا۔ طالب اور آغا میر کے درمیان ایک طاقت کی طرح ہوئی لیکن پھر علی کے مالک سولہ پر یہ طاقت فلم ہو گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شہزادہ علی اور قصیدہ پیش نہ کیا جا سکا اور طالب نصر کے عالم میں گھنٹہ سے روانہ ہو گئے۔

کھنڈے سے وہ چاند کے چل سولوی کو مل گیا۔ صبح سویرے اس سے ملاقات ہوئی۔ چاند کے دور میں تمام انہیں اپنی حالت سے کسی حد تک اہلیت ملی۔ اگرچہ کہ عام کمزوری باقی رہی۔ انہوں نے ایک خصوصی نکل گاڑی کرانے پر ہی اور عوام کو روکے ہوئے چاند کو اچھپے لڑھپا اس قدر بہت چلتی تھی کہ ایک دن میں سوڑا اور چاند کے درمیان ۳۳ میل کا فاصلہ بھی طے نہ کر سکی۔ نتیجتاً چاند کو راستہ میں ایک دن تو م کرنا پڑا۔ اگلے دن مل اسی چاند اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور وہ چاند کو چاند کی سرائے میں پہنچے۔ چاند وہ لڑھپا کے آنے کا انتظار کر رہے تھے تو سرائے کا قیدی اور سوڑا ہوا چاند چاند کے لیے تیار تھا جو وہ مرزا محل سے ملنے صاحب کے لئے لائے تھے۔ اسے دے دیں۔ لیکن وہ چاند کو سمجھ کر نہیں چاہتا تھا اور تنگدست ہوا چاند نے وہ خلا ایک اور شخص کو دے دیا جس نے وہ خلا کی کہ وہ اسے کھوپ لیا۔ کہ پہنچا دے گی اسی دور میں رات ہو گئی اور لڑھپا سرائے میں پہنچ گئی۔ نکل گاڑی کے سفر سے تنگ آکر چاند نے ایک سختی کرانے پر ہی پہنچا لیا۔ گھوڑے اور درمیان کو سوار کر لیا اور بنانا کے راستہ پر لڑھپا دھک دے گا۔

ہوئی وہ اللہ آپہ پہنچے اس کی حالت بدتر ہو گئی نہ تو انیس وہ لوہاں میں جس کی انیس ضرورت تھی اور نہ وہ مذہب صحبت کی جو روشنی بخشتی جس کے جانب جمعی تھے۔ اس قدر آگے کہ انہوں نے اللہ آپہ کو دوزخ پر دوئے زمین اور شیطان کا خانہ طاعت کیا۔ انہیں مجبوراً وہی ایک دوز قیام کرنا پڑا کہ انہیں اس مملکت دھوئے دالے گئے نہ ملے دوسرے دن انہوں نے ایک پہلی کرلی پر لی اور پارس کے لئے جلا دھڑی سے روانہ ہوئے۔

عالم نے پہلے ۳ سرائے نیرنگ آباد جسے عام طور پر نورنگ آباد کہا جاتا تھا بنائی جن کا نام کبہ اس کے بعد سرائے نورنگ آباد کی پشت پر متصل اور میاں رحمتی کی حویلی میں ایک مکان کرانے پر لے لیا۔ یہ حویلی کسی غلامی کی حویلی سے ملی ہوئی تھی۔ اس شرکی محل میں عالم کو اپنا دینسہ ام بھوانی، خوشنار آب و ہوا اور اس سے بھی زیادہ دقت و غفلت سنا کرتے ہیں کی صحت کو پہری طرح عمل کر دیا اور ان کی پشت لوت آئی۔ شرکی زانا ولی 'پشت اور حسین چوں سے سرور ہو کر اور معدوں کی گھٹتوں کو سن کر عالم کا دل مجسم اعلیٰ کیا وہ لقا تھی جب شویں میں سب سے عراکیز مشرقی عالم نے کہیں۔ ہارن کو کتبہ ہندوستان اور "مستحبت کامل" کہل تقریباً ۴ چار بجوں کے قیام کے بعد وہ مل پر چکر مار کر عظیم آباد (ہزار) کے لئے روانہ ہوئے وہاں سے کلکتہ گئے اور بعد ۲۷ ۳ شعبان ۱۲۳۳ مطابق ۲۰ نومبر ۱۸۴۸ء کو گلی لاہور پہنچے۔ کلکتہ پہنچنے ہی پھر کسی دشواری کے عالم کو ایک مکان چھ دوپہانہ پر مل گیا۔ یہ مکان چیت سڑک شملہ بازار نزدیکیں کتاب میر اسم کی حویلی میں قلم مکان کشف قلم بیت اللہ بنا اور محسن میں قلم پائی کا کوئی قلم کلکتہ پہنچ کر ملک کو ملا۔ آنا کر عرشہ آباد کے قرب ماہوں جگہ کو قصہ پیش کیا جسے بر قصہ دا مل جنوں نے کھسے کے آنا میر کے لئے لکھا

قد ۱۰ دن میں آئندہ ۱۰ کر غالب کھینچی میں سولہ ہونے اور پھر کے مولوی محمد علی کاقدانی فلا نے کر بجلی کے لوب انکر علی علی
میں پہلے انہوں نے نصیحت گرم ہوتی سے خوش کوئی کمالور کی جیسے تک طویل سمجھ کرستہ سبب غالب وہیں ٹھکرتے آئے
لیکن جلد ہی پھر بجلی کے لوب کی صحت میں ۱۰ دن اور ایک رات گزائی اور مقدمہ کے حقائق سے انہیں کھ کید خوش قسمت
لوب صاحب نام دانسہ کی دھت ہاتھوں کے سلسلہ میں بجلی کے کڈکنے سے مقدمہ چابی میں اٹھتے ہوئے تھے۔

علی انکر علی سے ملنے کے فوراً بعد پھر کے مولوی محمد علی علی کی دولت کے مطابق غالب کاخصی القضاۃ کی قبر پہنچے ۲۰ رمضان
۱۳۳۳ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۱۵ء کو مرحوم کاخصی صاحب کی بیوہ کے ہاں ان کی رہائش گاہ اخیلی میں مولوی محمد علی علی کاقدانی فلا نے
کر چپچہ مولوی نظام علی نے حکم صاحب سے غالب کاقداری کرایہ انہوں نے اپنی پر ۱۵۰۰ کر فیصلہ لطف اور گرم بخاری سے منظر کی۔
انہوں نے یہ بھی کہا شرط بازار خمر سے بہت دور ہے۔ اپنے پہلے مولوی داہتہ صہیں کے سطر سے آئے کے بعد غالب کو اپنے گھر میں
قیام تک فراہم کریں گی۔

اخیلی جانے کے ایک ہفتہ بعد غالب کو اپنے پھر نے پہلی مرزا ہوسٹ کا فلا ۲۰ رمضان ۱۳۳۳ھ مطابق ۳۰ اپریل ۱۹۱۵ء کو فلا ۱۰
ہونے جیل ہونے کی کہ انہیں ۱۰ دہائی لڑ میں جتا پھرا کر آئے تھے۔ ان کا طبع ایک عامل کر رہا تھا جس کی شخصیت حق کی مرزا
ہوسٹ کے مرض کا سبب تھا ہلو ہے۔ اس کے طبع سے مرزا ہوسٹ کی حالت میں خاصی تبدیلی آئی۔ غالب کو اور اطلاعات بھی نہیں جن
سے بخیر کی ضرورت ثابت ہوئی۔ حالت نے ہر ایک کو ظہور موزا لیا تو غالب اخیلی نوش ہوئے ایک اور پر مسرت فربہ غالب کی ہتھ
حق۔ ۳۰ مئی ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۸ اپریل ۱۹۱۵ء کو انہوں نے فریزر کے ہم ایک عرصہ داشت نکھی اور ۱۰ مہینہ بتانے کر جن پر ۱۰ اپنے
مقدمہ کو رہا دست پریم کونسل میں جی کرنا چاہتے تھے اس کے بعد ۱۰ ہر شہنیکر ڈری مسٹر منورنگ سے ملے ہر قاری کا فیصلہ عہدہ وفاق
دکھتا تھا اس نے ہر سید اس کے لئے کھا اس نے اس کی بیوی قریب کی۔ ہر غالب مسٹر فریزر سے ملے اس نے ان کا بیوی گرم ہوتی
سے مستقبل کیا اور یہ جان کر خوش ہو کر عرض گزار ضرطہ علی کا جیسا ہے تھے ۱۰ دست ابھی طرح جاتا تھا اس کے بعد غالب نے
عرض داشت جی کی تھے انہوں نے قاری میں کھا تھا کہ ان کا مقدمہ گورنمنٹ کے لئے جی کیا جائے۔ مسٹر فریزر نے اسے
مسٹر دیشی کے پاس بھیج دیا۔ اس کا کام یہ تھا کہ قاری میں قریب کو تمام در خواستوں کا ترجمہ انگریزی میں کرے اور مسٹر فریزر کے سلسلے
جی کرستہ ہر طرح اور ہر طرف سے مطمئن ہو کر غالب نے مسٹر فریزر سے اجازت چاہی جس نے نہ صرف یہ کہ مقرر اور اپنی جی کیا
بلکہ اپنی نشست سے اظہار و دانسہ تک پہنچانے کیا۔ اس سلوک نے ہمارے شمار کے دیکر بہت اچھا اثر پھوڑا غالب اپنے مقدمہ
کے بارے میں بہت پر امید تھے۔

اسی دوران غالب کو علم ہوا کہ انکر علی کا وکیل مرزا افضل یک ان کے خلاف سم جاتا رہا ہے اور مسلسل سرگوشیوں کر رہا ہے۔ افضل
یک مرحوم علی یک کا بارود سخت تھا اور اس کی ہر دواں اپنی بہن کے بیٹوں کے لئے تھیں ہر چاہی کے نتیجے میں فریق تھے۔ غالب کے
ٹھکانے پہنچے سے کہ عرصہ علی مرزا افضل یک اور اس کے حمایتی جن کا سرکاری حقوق میں ہوا اور دوسرے قاضی یہ کہتی گوی کہ جا آئے
دھا شخص اپنا ہم اور نکھی تبدیلی کرنے کی عدالت میں جتا ہے۔ غالب نے اپنا اور دواں جی کیا اور اس الزام کو فلا کر لیا۔ یہ عہدہ
دواں صلت سلی علی مرتب ہوا تھا اور اس پر ان کی مرزا ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۵ رمضان ۱۹۱۵ء اور دہانت کے مطابق امداد علی صرف مرزا نوش حق۔
ایک عرض انہوں نے اس سلسلہ میں حکومت کو بھیج کر ان کے قاضی بدلتی ہوئی فلا دیاں ان سے منسوب کر دیے ہیں اور یہ کہ اپنی
پراپتی داخ کرے ہیں کہ امداد علی اس کا ہم ہے مرزا نوش صرف غالب نکھی ہے۔ انہوں نے مزہ کھا کہ نکھی صاحب میں ہار
صرف ہیں اور یہ کہ یہ ۱۰ آسانی بعض غریبوں میں مستقبل نہیں ہو گا۔ اس نے یہ بھی بھی احمد نکھی نکھی ہیں ہر جی صرف یہ جی ہے

بہر گناہ وہ غالب کی شہسواروں میں بہترین شہسوار ہے۔ شہسوار کے ابتدائی حصہ میں اپنے کلاچوں کی تعریف کرتے اور کہیں پر ہاتھ پٹے ہیں اور ہر سوار گھڑ میں ان کی وہ دونوں ہڈیاں کرتے ہیں۔ اپنی ٹانگوں کا اعتراف کرتے ہوئے وہ اپنے معترضین کو اطمینان دیتے ہیں کہ وہ ٹانگیں پر ہیں اور اپنی ٹانگوں کا اعتراف کرتے کی بجائے اور اطمینان دہش کی بجائے ان سب نے غالب پر طعنہ ادا اور اپنے دفاع میں اپنی دایگی نہیں ہر انہیں لب نہیں دیتی تھیں۔ اپنی ٹانگیں کو صوفی کرتے ہوئے معترضین کی صحت و شفقت کے متعلق ہوتے ہیں۔ تھیں اور واقف کے مروج کو کم کرنے کے اطمینان کے ساتھ میں اپنے حلقہ سے اٹھارہ کرتے ہیں کہ ٹھیکری "عربی" "عربی" "عربی" "عربی" کے ساتھ عربیت اسلامی کو پھر ذکر ہر تھیں اور واقف کو نہ کچھ ہائے۔ غلبت لکھ اٹھارہ سے وہ معترضین سے کہتے ہیں کہ کوئی شہسوار "یہ" سے غور نہ نہیں ہوں اور نہ اعتراضات کی ہر داکرنا ہوں۔ دار ہے تو صرف یہ کہ صوبہ اہل کی وجہ سے ملے ہر طرف لٹی ہو گی۔ آخر میں حتی ہوتے ہیں کہ جو کچھ ہوا اسے بھول چھوٹ اور صاف فریادیت۔

ٹانگیں سر کر گئی سے غالب نے خود کو آزاد کیا غالب سے کہا گیا کہ ضابطہ کے مطابق وہ اپنا مقدمہ ریڈیو نہ دہلی کے قوسہ سے پڑھ کرے۔ یہ سن کر وہ پتیلیں ہونے لگے کہ ان کے ہاں میں نہ تھا کہ مل جائیں اور ہر ٹکڑے آئیں۔ مسٹر امرنگ نے انہیں یہ حضورہ دیا کہ وہ ٹکڑے میں ہی قیام کریں اور دہلی میں اپنے وکیل کی وجہ کے لئے سفر کر دیں۔ لہذا غالب نے اپنے دوست مولوی فضل حق کو بلا کھا اور دہلی جاتی اور فیداری عدالت میں سرحد دار اور پڑے ٹانگوں دہلی تھے ساتھ ہی وہ پڑے کے مولوی ہو مل جلی جس سے وعدہ ہوئے کہ وہ ایک سفارشی خط اٹھاتے تھیں کہ روانہ کر دیں جو مولوی من اللہ کے بیٹے اور کولیوک کے سر حقی تھے تاکہ وہ دہلی ریڈیو ٹی میں ان کے مقدمہ کو بحسن و خوبی اہتمام تک پہنچائیں۔ غالب نے درخواست کی کہ اگر ہو مل جلی خلیا اٹھاتے تھیں سے واقف نہ ہوں تو تخیم سلامت مل جلی جس سے اٹھاتے تھیں کے لئے خط حاصل کر لیں۔ اسی ساتھ میں غالب نے مرزا امیر بیگ کو ایک خط لکھا کہ وہ پڑے کے لب لاہور مل کے ہاں تھے یہی بلکہ غالب غالب کو دہلی کے دوستوں سے معلوم ہوا کہ امور اعلیٰ خان کے بیٹے اور گوی ٹھیکر نے اپنی بد مزاجی "لوائی" "مائی" اور اسراف سے اپنے ہم ذہبوں کو بلکہ انگریز افسروں کو بھی اپنا مخالف مانا ہے۔ غالب نے اپنے مقدمہ کی کچھلی کے لئے اسے اچھا ٹھکانہ کھانا اور ٹکڑے میں قیام کیا۔

غالب نے قیام ٹکڑے کا ٹیبلہ کر لیا لیکن ان کی ملی حالت ابھی نہ تھی۔ جب وہ پڑے میں تھے تو اب لاہور مل کے قوسہ سے ایجن ٹکڑے سے وہ بڑا دھپہ قرض لئے تھے۔ اس رقم کا پتہ صرف وہی مسٹر اور ٹکڑے کے چار لک کے قیام کے دوران فریج ہو گیا۔ لہذا اسی واقعہ ۱۹۳۳ء مطابق ۲۰ جون ۱۹۳۸ء کو غالب نے پڑے کے مولوی ہو مل جلی خان کو خط لکھا کہ وہ یہ درخواست کی کہ ان کے لئے مزید ایک ڈار دھپہ قرض حاصل کیے جائیں۔ قرض آنے میں دیر ہوئی اور اسی دوران موسم سرما شروع ہو گیا غالب نے اپنا گھوڑا اپنے دوست دھپہ میں فروخت کر دیا اور سانسوں اور ایک ملازم کی خدمت بھی ختم کر دی۔ اب ان کے پاس بھی ملازم اور ایک کارخانہ ٹکڑے کی فروخت کی رقم کے بیکہ جس سے انہوں نے کھل کر ٹکڑے اور اعلیٰ لہاس موسم سرما کے لئے خریدا اور ملکہ الزابت کو گناہ کر چکاس دھپہ کر لیا۔

دہلی کھلا اور ٹکڑے کے عالم میں غالب کو مولوی فضل حق کا خط ملا جس میں یہ حضورہ دیا گیا تھا کہ چندتہ میرا اہل کو ریڈیو ٹی دہلی میں اپنا وکیل مقرر کریں۔ غالب نے مقدمہ کے تمام حلقہ ٹکڑے حق کے ہاں میں متعدد اپنی ٹکڑے بھی شامل تھے۔ نہ ٹکڑے کا وہ خط جس میں کہا گیا تھا کہ غالب ریڈیو ٹی دہلی کے قوسہ سے مقدمہ پڑھ کرے۔ نہ ٹکڑے کا وہ ریڈیو ٹی دہلی مسٹر کو لکھا کہ ۳۔ مل انہر خان کا خط کہ لکھ کے شقی اٹھاتے تھیں کے نام یہ ٹکڑے لکھ غالب خود دھپہ خانہ کے ۳۳ مسٹر ۱۹۳۳ء مطابق ۲۰ اگست ۱۹۳۸ء کو تمام ٹکڑے خود ٹکڑے کے ایک لفظ میں دھپہ کے اور دست امتری صوبہ کی میں سر ٹکڑے۔ غالب نے دس دھپہ لک کے اور رسید حاصل کی۔ دھپہ کا فریج دہلی سے ٹکڑے تک ایک دھپہ کے بارہ دھپہ کا ایک دھپہ تھا ابھی یہ ٹکڑے دہلی پہنچے نہ تھے کہ غالب کو

ایک ملا مولوی فضل حق کا دارو درمل خان کے بغیر کار بند نہ بھیجیں۔ سبب یہ کہ غالب نے غلامی کی ایک نقل دس روپے کے مستحب ہے، گو کہ انگریزی دارو سے وہ قہر ۵ روپے ادا کیا ۱۸۴۳ء مطابق ۱۵ جمادی الثانی ۱۲۶۲ء کو دیا گیا۔

۲ روپے ادا کیا ۱۸۴۳ء مطابق ۱۵ جمادی الثانی ۱۲۶۲ء کو غالب کے پاس ۳ روپے دے گئے کہ پانچ روپے کے مولوی محمد علی کی جانب سے مولوی دادا صاحب کے واسطے سے بڑی ملی۔ غالب غرض سے پھرنے نہ سہنے اور خود بازار گئے، مگر غالب اور بڑی کی رقم کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں۔ انہیں بتایا گیا کہ بڑی انہی کے ہم سہارہ ۳ روپے کی ہے۔ غالب نے مولوی دادا صاحب کو بڑی دے کر بازار بچھا دیا ہے یہاں تک۔

بڑی کے آنے سے غالب کو کچھ ہی سکون ملا۔ لیکن ریاضی کی بڑی میں خود کے سلسلے میں دو تاریخ ہو رہی تھی اس سے وہ پریشان تھے۔ جس چیز نے انہیں سب سے زیادہ پریشان کیا وہ یہ حقیقت تھی کہ انکوائری دلی ایجنٹ کے ہاتھوں کے بعد بھی ان کے دیکھ چڑھتے ہوئے لال نے کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔ دلی ان کے ہاتھ مولوی فضل حق اور دلی میں عزیزوں کی جانب سے کوئی خبر نہ تھی۔ اپنے بھوتے مولوی مرزا عارف کے شیخ علی کی دائیں قریح نہ تھی وہ دلی طور پر ٹھیک تھے خواہ علی کے برادر ہستی کے فعلی اعتبار نہ تھا۔ غالب نے اپنے خود کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے قریباً سبب معلومات کو غلطو کیے لیکن کسی کامیابی واپس نہ آیا ان کی یہ دینی نظریاتی تھی بالخصوص اس لئے کہ انگریزی دارو کی کارکردگی پر انہیں مت یقین تھا اور قیادور فعلی تھی تاکہ غلطو نہیں ہو سکتی۔

قریباً خاموشی میں نے غالب کو پریشان کیا اس کا سبب یہ تھا کہ ان کے کارخانے نے سبب انتہائی برائی اصل میں ہوا ہے کہ علی اس کے کہ مولوی فضل حق کو غلامی دارو ریاضی نہ لایا کہ لیوک دلی سے ۱۵ روپے دیا گیا اور ۲ شعبان ۱۲۶۳ء مطابق پانچ فروری ۱۸۴۳ء کو واپس آیا۔ ریاضی کی میں ان کی عرضداشت نہیں دیں کہ بعد میں ہوئی۔ جب سسر کو لیوک نے غلامی پر خود کیا تو معلوم ہوا کہ فعلی انکوائری دارو ایک کے دہانے میں تھے موجود نہ تھے لہذا اس نے انکوائری ٹکٹ سے طلب کیے غالب اس پیش روی سے غرضی طور پر دست خوش ہوئے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ تحقیقات ۱۵ لاکھ پر ملی ہو گی۔ دلی پر کہ امر علی خان کی جانگیر سے ان کے غلامی کے شریک کے ہاتھ پات کئے ہیں اور اسے یہ کہ غلامی ایک خان کی غلامی میں رہتی تھی کے شریک خواہ علی کارواری کی تک درست تھا۔

جب دلی میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا غالب ٹکٹ میں بیکار میں بیٹھے تھا مولوی علی ۱۵ شعبان ۱۲۶۳ء مطابق پانچ فروری ۱۸۴۳ء کو اس تھی۔ وہ ہاتھیں لہار کھینٹ کے سیکرزی سسر فرور کے ہائی گئے۔ اس نے بڑی کرکٹھی سے ان کا استقبال کیا اور انہیں دھاک دھبہ دھری کے بعد علی مولوی میرا کرم خانہ کی رخصت پر ٹکٹ سے کھنٹے گئے ہیں۔ گورنر جنرل لارڈ ولیم کراؤش، بینک اور سپریم کونسل کے میجر سر سزولیم ہارڈج بھی دارو کے لئے گئے ہوئے ہیں۔

فروری ۱۸۴۳ء کی ابتدا میں جب سسر بڑی اور لارڈ بینک ٹکٹ واپس آنے کی تیاری کے دارو اور زانیہ کچھ غرضی دارو ہو چکے تھے۔ ہارڈج اور بینک ہارڈج کو روپے تھے لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ اس سے خطاب کے خلاف احتجاج کرنے آئے تھے جس کی رو سے ان کی اپنی ریاست میں ان کی حالت و قوت کو طلب کر لیا تھا۔ دارو خواہ کسی جہیز ریاست میں تھا وہ اسے وہاں غالب کا خیال تھا کہ حکومت کے انکوائری ضرور نہ ہوں گے۔ لہذا یہ طے پایا کہ ۱۵ شعبان ۱۲۶۳ء مطابق ۱۵ فروری ۱۸۴۳ء کو دارو کے احرام میں ایک دیوار سسر کا جاسٹس جب غالب کو اس کا علم ہوا تو وہ سسر فرور کے پاس دیوار سے پہلے ہو بعد کیا اس دن کے دارو اس کا اعلان کیا کہ انہیں بھی شریک کیا جائے سیکرزی نے ہر کسی ایک کے انتقال کیا 'لارڈ غالب چار ہوئے اور دھتہ طور پر دارو میں گئے لارڈ ہارڈج و سسر ہارڈج اپنی تھی۔

۱۔ عظیم لارڈ کے دارو اور سسر کچھ ۲۔ دارو اور دارو دارو ایک کچھ ۳۔ دارو دارو دلی کا دیکھ لارڈ دارو دارو دارو ایک کچھ ۴۔ دارو دارو دارو

مردانہ تعجب حتیٰ اس میں اعلیٰ کیا گیا تاکہ سامعین کو معلوم ہو جائے کہ گورنر جنرل کا دفتر کئی دہائیوں کے درجہ بددست کی جانب تھم رہا ہے کسی وقت دہائی ہو گا اور لوگ گورنر جنرل ڈاکہ باریک بینی کے ذریعہ انکشاف کے آثار میں جانیں گے۔ اس اعلان کو سن کر غالب کو خیال نکلا کہ آنے والے کی جیسے میں ان کے حقوق کی صورت میں لپکتے گی۔ لہذا انہوں نے طے کیا کہ گورنر جنرل کے سامنے کے دست سے جلی دلی بچا جائے۔

دب انہوں نے نکتہ سے راجگی کا قطعی فیصلہ کر لیا تو غالب علی اکبر سے ملنے بجلی کے بھر مولوی عبدالحکیم کے بھائی مولوی سرانج دہی احمد سے ملے اور ان سے یہ درخواست کی کہ نکتہ میں جو بڑی دقت ہو اس سے انہیں باخبر رکھیں ۳۰ ستمبر ۱۸۵۷ء مطابق ۳ اگست ۱۸۵۷ء کو انہوں نے اپنا ملحق نکتہ کے ذریعہ بارہ دہائی کر دیا اور خود جماعت پانچ ۱۸ یا ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء مطابق ۲۰ یا ۲۱ اگست ۱۸۵۷ء کو دہائی ہو گئے۔ وہ بارہ پچھلے 'غالب و انصار' علی کے ہاتھ تمام کیا اور جس دن پہلے اس دن روز مولوی محمد علی خان سے ملاقات کی چندہ میں انہیں معلوم ہوا کہ مسٹر کو لیوک سبھل کر دینے گئے ہیں اور ان کی جگہ مسٹر فرانسس پکس کا فہرہ ہوا ہے۔ انہوں نے ۶ جولائی ۱۸۵۷ء مطابق ۳ نومبر ۱۸۵۷ء کو علی اکبر خان کے ہاتھ ایک خط لکھا اور یہ درخواست کی کہ کسی انگریز سے مسٹر پکس کے لئے سفارشی خط حاصل کریں اور اسے دلی بھیج دیں۔ یہ روز پختہ مطابق ۱۷ نومبر ۱۸۵۷ء کو وہ چندہ سے دہائی کے لئے روانہ ہو گئے۔

غالب کچھ جولائی ۱۸۵۷ء مطابق ۱۹ نومبر ۱۸۵۷ء کو دہائی واپس پہنچے جہاں ان کے بھائی مرزا یوسف کی حالت بدتر ہو گئی تھی اور دہائی کا سیاسی موسم اس سے زیادہ غراب ہو گیا تھا۔ یہاں پہنچا کے تھے ان تکلیف دہ حالات میں انہوں نے مسٹر پکس کی شان میں ایک قہقہہ لکھا۔ اس سے ملے گئے۔ وہ غلامی کو لیتا تھا۔ قہقہہ کی تحریف کی غالب سے ایک نکتہ پائیں کر دیا اور نکتہ کے بارے میں پوچھا۔ وہ ان کی تکلیف کا حل سامان کے طور پر غالب کو ظم ہوا کہ اپریل ۱۸۵۷ء میں گورنر جنرل نے دہشت ریفیوٹ کے بھیج دی تھی اور اسی لہ اس کا جواب دیا تھا۔ قہقہہ کی حقیقت کو دوسرے نکتہ سے نکالتے گئے دوسرے مسٹر کو لیوک کے مصائب کا انکشاف ہوا اور دہائی کو دہائی کیا اور مصیبت آئی کہ حقوق کے خلاف سبک دے گئے اور نکتہ سے ان کی غفلت طلب کی گئی۔ اس کے بعد ۸ دسمبر ۱۸۵۷ء مطابق ۳ جنوری ۱۸۵۸ء کو مسٹر پکس نے درخواست گزار کے بیان کو فیوز پار کے جائے کار غالب خاں کو لکھا کہ وہ غالب کی شکایت کا جواب دیں۔

برادری جس امر میں علی نے ادا کیا کہ انکا حرم ۸ دسمبر ۱۸۵۷ء مطابق ۷ جنوری ۱۸۵۸ء میں لکھا تھا کہ صرف ایک خان کے ہاتھ میں دہائی کو دہائی کی جائے کار سے پہنچا ہوا ہے سبک دے سکتے ہیں۔ وہ بارہ دہائی طویل دہائی کو اور باقی تین بارہ صرف ایک خان کی دہائی اور اس کے ایک طرف اور دوسری جانب مرزا نوٹ اور مرزا یوسف جو مرزا صرف ایک کے بھائی ہیں مولوی رقم تقسیم کی جائے۔

(۷)

مقدمہ دہائی علی کی فہرہ پر مسٹر پکس نے ۵ مئی ۱۸۵۸ء کو دہشت حکومت کو بھیج دی اور کہا کہ شکایت کھڑے کام سے زیادہ حق میں جتنا تھا کہ دہائی ایک نے غالب اور ان کے بھائی مرزا یوسف کو چندہ ۳۰ دہائی دہائی کے ہیں اور یہ رقم وہاں جس امر میں غلامی کو دہائی کے لئے دہائی مسٹر پکس کا یہ فیصلہ دہائی کے ریفیوٹ کے جواب مسٹر پکس نے غالب کو لکھی تھی۔

ریفیوٹ کے اس خلاف فیصلے سے غالب پریشان نہ ہوئے کیونکہ انہیں گورنر جنرل کے ہاتھ میں بکڑی مسٹر امرنگ کی حالت کا تعین تھا جس کو اب تک ہم "نے میں بارہ دہائی دہائی دہائی" کہیں۔ علی اس کے خلاف دہشت دہائی سے حکومت کو پہلے ۳ مئی ۱۸۵۸ء کو

مسٹر ماسٹی فزیر اور گورنر جنرل کے ہاتھیں بیکریٹری مسٹر انڈراپ سترنگ سے ملنے کے دن کا یادگار ناشی سے استقبل کیا گیا اور ان کے ہاتھوں کے حضور کے حلقہ میں خود ہی مدد بھی کی۔ گورنر جنرل لارڈ ریشک نے ۱۹۱۱ء کی اور کیم اگست ۱۹۱۲ء کو گلکھ میں دہلی ضلع کے اس میں اگلے شاعر کو شرفانے گلکھ اور غیر ممالک کے سوا کے درمیان ملتے والی نظار میں لپٹیں بک دی گئی۔

گلکھ برطانوی راج کا دار الحکومت تھا اور اس میں انگریزوں اور مسلمانوں کا کیم عرصہ عرصہ یادگار انگریزوں کی نصرت یادگار یہاں میں لپٹیں ہوئی تھیں۔ غالب فزیر ان سے سحر ہوئے شاعر کے چکا چوند کو دینے والے نظاروں سے وہ اس قدر حیرت ہوئے کہ جنت الہیہ گلکھ سے دلی کو واپس انہیں شوق گزری۔ انہیں بجلی کے آسمان پر آتے تھے اپنے دوست علی اکبر خان سے درخواست کرتے تھے کہ موسم میں وہ تین بار کیم فزیر لپٹیں اور آسمان بھیجیں۔

شاعر کے حسن کے علاوہ اس چیز نے غالب کو سب سے زیادہ حیرت کیدہ لوگوں کی قوت حیات تھی۔ جو صنعتی عہد کی قوت سے ہٹک رہی تھی۔ انگلستان کے صنعتی سوان کو تشکیل کرنے والے گلکھ میں آقا شروع ہو گئے تھے جو سائنسی سرگرمیوں سے تشنگانہ تھکاوٹ کے دیکھ کر نفع مند صحن خان نے وہ اس وقت گلکھ میں تھے انہیں کی سیکشنس ایم لوہی کی ڈی ٹیکشن ریسر اور سر اسٹیو ٹیوٹن کی برسبیل کا ترجمہ کر چکے تھے۔ اس قسم کی کوششیں لوگوں کے ذہنوں پر اثرات چھوڑے تھے۔ وہ انہیں اور سائنسی سطحت اور ایجادات میں عام دیکھیں یہ ضروری۔ گلکھ کے شہروں نے ۱۹ نومبر ۱۹۱۲ء کو ملے کیا کہ خان ہل میں ایک جلسہ کریں، جگہ چار کے درجہ ایک ڈاکہ دوسرے بلور انعام اس لئے وابستہ کہ پورا کیمیاپ وہ طرف اپنی سزا دینی کشتی کے درجہ ایک سہ پائیس دن میں مکمل ہو اور یہ سزا خود کیمپ میں وہ پانچ ماہ کے درجہ اور شرف یہ دیکھی کہ ۱۹ نومبر ۱۹۱۲ء تک اس پر عمل ہو۔ یہ تخلیق برطانوی دہلی ایک سحر کا کیا اور یہ کہ برطانوی کا وہاں تھیں ساری سے کم نہ ہو۔ اسی سلی کو لپٹیں پڑاؤں کی ایک دہلی جہاز اس کے فوراً بعد مقامی طور پر دہلی جہاز بننے جن کے نام اردو کی لٹکا بجلی اور برام پڑ تھے۔ اور یہ جہازوں کے دریاؤں میں استعمال ہونے لگے۔ ۱۹ نومبر ۱۹۱۲ء کو ڈاکٹر لپٹن کی یہ سب اور کچھ دن لپٹیں بجلی کے باوجود دہلی کا کالہ آج تک سوانہ کر سکیں۔ بہت سے طالب سہ کا سلیو ہیں دن میں مکمل ہوا لیکن واپس کے سفر میں دس دن کم لگے۔ ایک عام بجلی کشتی اس حلقہ کو ملے کرنے میں تین ماہ لگی تھی۔

دہلی جہاز دہلی مدراج ہانے سے جہاز دہلی نکل دھلی لپٹن یا پاب کلا اور غالب کے ذہن پر اس کا اثر ہوا اور جہاز سے تھکاتے کے لئے ذہن کی کڑی کو کلا رکھتے تھے۔ علاوہ اور مزاحمت ٹھپ لپٹیں و بار کا پاس دھلی ان کے ذہن کو دھلی آقا خدا میں نے انگریزوں کی مدد سم جہاز اور سائنس دھلی کا اعتراف کیا۔ جہاز کے مولوی جو علی کو ایک خدا میں سمجھتے ہیں۔ یہ امر شیدائیں نہیں بلکہ دہلی جہاز ان لوگوں کی ایجادات میں سے ایک ہے جو برطانوی سے (دیکھ کر آتے ہیں اور کئی بار دہلی جہازوں نے گلکھ سے آقا تک حاصل ہو چکی ہیں ملے کید۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ دہلی جہازوں کی رفتار جن کی پشت کے ساتھ رہائی کشتی جہاز دلی جہاز تھی اسے دہلی کی گہرائی اور لپٹوں کی قوت کے مطابق ہر موسم میں تبدیل کر دیتے تھے۔ علاوہ ازیں اس دہلی میں دہلی جہاز رات کے وقت بجلی کشتیوں کی مانند کسی منصب مقام پر نظر انداز ہو جاتے تھے۔

اگر دہلی جہاز دہلی نے حاصل کو طمع کر دیا تھا تو انگریزی ڈاک نے غیر دہلی کو محظوظ کر دیا۔ غالب اس سرکاری طر کے بڑے ڈاک نے اور اپنے اہم کثرت شاعر ہر انگریزی ڈاک سے پیچھے تھے۔ انہیں پڑھتے تھے ڈاک جو طوطا اس ڈاک سے پیچھے نہیں ملے۔ کبھی کم نہیں ہوتے اور اگر قصیدہ نہ ہو پائیں تو بیش کتب نگار کو دیکھ مل جاتے تھے کسی کچ کا وہاں ایک درجہ کے برابر ہوتا تھا اس پر ڈاک طرح تقریباً ایک دوسرے آتا اور جب غالب نے اپنا طر بار دہلی بھجوا دی وہاں سے ڈاک کے موہن ہونے نے طم کی تھلاؤ پر ڈاک کو آسمان دہلی حضور

اور تو ذرا طر دہلی میں یہ تبدیلیاں ہو رہی تھیں اور ہر شاعر کے موہن ہونے نے طم کی تھلاؤ پر ڈاک کو آسمان دہلی حضور

غالب کے فلسفیانہ افکار

غالب فلسفی تھانہ اس نے فلسفہ کے کوئی اصول وضع کیسہ نہایتی طور پر شاعر تھا لیکن اس کے اکثر اظہار میں فلسفیانہ خیالات رہے بے فکر آئے ہیں۔

فلسفہ ہم سے تعلیمات آئینہ "طبیعیات، نفسیات اور تصوف کے مجموعے کا لیکن طبیعیات اور نفسیات ہمارے نزدیک فلسفہ کے حدود سے خارج ہیں کیونکہ یہ دراصل تجربی علوم ہیں، انہو سائنس کہلاتے ہیں۔ تعلیمات کا بیشتر حصہ بھی آئینہ اور مصلحتات پر مبنی ہے لہذا اسے بھی فلسفہ میں شامل نہ کرنا چاہیے۔ آئینہ ہے فلسفہ ہے اور اس کے مسائل کم و بیش ذاتی اور فطری سے تعلق رکھتے ہیں۔ علم اور عقائد معروضات اور سیاست بھی فلسفہ میں داخل ہیں لیکن یہ ذہنی مشقیں رہے کہ فلسفہ اسی وقت تک فلسفہ رہتا ہے جب تک اس میں جذبہ کی علامت نہ ہو۔ سوز و گداز کی آمیزش کے بغیر یہ شعر کا ادب اختیار کر لیتا ہے اور جب کوئی بے کمال شاعر ہم و سخت کے انہی مسائل کا اپنے جذبہ اور وجدان کی بدولت شعر کے چلبے میں داخل کر لیتا ہے تو اس وقت لہجہ اور انداز نظمیں اور انداز نظمیں اور استعمال میں پائی کرتا ہے تو حقائق کے لکھ ہوئے نہ کہ سچے جانتے ہیں اور حقیقی اور تخیلی استعمال میں ایک دوسرے سمجھتے ہیں۔

شاعر عالم عقلی کا بدشگور ہوتا ہے اس کے افکار کی پوری عقل اور دہن پوری اسی سے وابستہ ہوتی ہے۔ عظمت کے مظاہر اور حیات و مملکت کے مناظر دیکھنے کے لیے اس کے حقائق تخیلی بیکر دل کی دنیا میں بیکر اپنے حلقہ طوفان بکرتے ہیں اس کی پوری دنیا اس کا احساس اس قدر شدید ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان تخیلی بیکروں سے وابستہ کر لیتا ہے اور ہر انہی ایک ایک کر کے اس وصیت کا لباس پہنا کر اپنے رنگ میں ہمارے ملتے جلتے لانا ہے کہ ہم جلا ہوئے نظر نہیں رہتے۔ یہی حقیقی حیات کا نام پائی ہے مگر یہ خودی نہیں کہ عالم عقل میں کم ہو کہ شاعر جو بیکر کے وہ "مقاہ" "مقاہ" دوست اور عقل عقل بھی ہو۔

وحدت الوجود

غالب کے کام میں وحدت الوجود کا مسئلہ سب سے نمایاں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کائنات کا زور و اثر اور حرکات عالم کی ہر شے شجر حقیقی کے نور سے سمود ہے اور ہر چیز میں اس کا تصور ہے۔ شے کا جسم بھول کی سرگرمیوں بل کی فکر انہی حقیقی کی فکر و جہی انہی کا مسئلہ غرضی پائی کی روحانی سمودوں کا دھن سوز و گداز انہو ش و غرض اور لہذا ہے۔ اس کا لہجہ ہے۔ اسی جاہ غالب کہتا ہے:

اور ۲ جلاو بیکر حقیقی مشق نہیں
ہم کہیں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا غرض

شاعر کا جلاو جلی زار حسن ہوتا ہے۔ سبب جس وقت دیکھا اور اس کی سمودوں پر نظر ڈالتا ہے تو اسے ایک جلی ہر شے پر غازی و ساری دکھائی دیتی ہے۔ اسے بے اختیار پکار لیتا ہے:

صد جلاو درید ہے ہر شجریں الخالی
خلقت کہیں کہ نہ کا انکس الخالی

وہ اس بات کو ثابت کرتا ہوا کہ کائنات کی حرکت و ارتکاب کی جنش اور عالم کی گردش فلسفہ ایک دلت سے وابستہ ہے جس میں دلت کی محاسن

نہیں جانتا ہے۔

ہاتھی ہلکے اور دھرتی کی گنہگار
میرا، اور خوشی میرا، ہر گونہ اور گونہ

: لیکن جس طرح میرا سوسے کو اٹھا کر باہر پھینک دیتا ہے اسی طرح ہندو بنگالہ کثرت کے دھرتی میں بھی نہیں سانسکتے۔
ایک اور مقام پر وہ اسی مضمون کو اسے اٹھا کر پیش کرتا ہے۔

عالم کتنے درجہ مست ہے عینا چہ اسی
کب اور کبہ غباری ہے لگے دریا

غالب دھرتی وجود کے مسئلے کو اس طرح بھی جیت کرتا ہے۔

پہلے رات، زکات، ظن، دھرتی رات
چکے بکیت ہمارے ہر ہر گونہ

مطلب یہ ہے کہ کثرت دھرتی پر غالب نہیں آسکتی۔ اگلی بحث اگلی رہے گی ہے اسے ہزار بار شمار کر لیا جائے اگر تو دھرتی کو سمجھتا
چلتا ہے تو فلسفی سمجھ کر انہیں میں نہ بھیجے، اس سے تو جرنی کے ظلم اور شراب میں جلا ہو جائے گا۔
پھر کہتا ہے کہ یہ عالم جسے تو نے خدا بنائے کیا سمجھتا ہے کھلے رات دھرتی کی جلا ہو گئی ہے وہ رات امید ہے۔ کسی چیز سے مرکب
نہیں، سب سے تمام لہائے عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔

اے کہہ پڑائیں کھلے رات
دھرتی کی کھلے رات، علم و دھرتی
عالم کہ تو جی دیکھ کر میدان
رات سے امید جلا دیکھ کر

اسی خیال کو ایک اور مقام پر یوں بیان کرتا ہے۔

علم وراثت دھرتی خود ہی گمراہ ہے
ہر گونہ خیراتی سے چھ دھرتی سے حق باطل سے

غالب دھرتی کے لئے میں اتنا سرشار ہو جاتا ہے کہ جب وہ اپنے گرد دھرتی پر نظر آتا ہے تو اسے دنیا کی ہر شے اسی رنگ میں رنگی نظر آتی
ہے۔ مگر ہر کثرت کی جلا دیکھ کر اسے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ سب کچھ ہی جانتا ہے۔

جب کہ تھو ہی نہیں کوئی سوسے
پھر یہ ہلکے اے خدا کیا ہے؟

ہو ہائی چو لوگ کیسے ہیں
 نور، دھند، د لوگ کیا ہے؟
 جسکی رنگ چھری کھن ہے؟
 گنگہ چٹم سورسہ سا کیا ہے؟
 ہنر، رنگ کھن سے آئے ہیں
 لہ کیا جڑ ہے ہوا کیا ہے ؟

انسان کی اپنی صوفیانہ کرام کی تحریریں ہندوستان کی رات، رملت کا آئینہ ہے۔ وہاں کا خیال ہے کہ جس شخص نے اپنی رات کا
 روشن حاصل کر لیا اس نے رات پوری کو جان لیا۔ غالب اس عقیدے کو اپنے قصوں اور افسانوں میں اس طرح بیان کرتا ہے:

ہے ہونگی صفت، دوسری خوشم
 درپہ، یک صفت، لڑائی خوشم
 لعل ہے، ضمیر کہ، لعل، غلام
 مانتا کہ، بد، دہری پدائی خوشم

من عرف نفسه فقد عرف ربه

کی اس سے واضح تفسیر کیا ہو سکتی ہے؟

انسانی عقلی سے ہر چیز کو اپنے عقل سے جدا خیال کرتا ہے۔ مگر کہ لاکھ لاکھ آدمی اور اسی انقلاب حقیقت کا منظر ہے:

ہیں کہ در گل دل ملو، کہ راستہ دیکھت
 صوفی، بدو، ذوق، طالب، رضائے دیکھت
 چہ انکس کہ لود، و لڑائی ی علی
 لی دی کہ درپہ پدہ ہم راستے دیکھت

بہارِ دکن:

ہے کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں چہ یہ
 کہ شب دل میں نہیں تم ہو تو آنکھوں سے لعل کیوں ہو

نظریہ ارتقاء

مورخ قلعے کا ایم ڈی منٹو "نظریہ ارتقاء" ہے۔ مگر یہ قدم شمارے بھی اس پر غور فرمائی کی ہے۔ مگر غالب نے اسے جس رنگ
 میں پیش کیا ہے وہ سب سے الگ اور اچھا ہے۔ یہ کہتا ہے:

گراؤں سے طبع میں ہرگز
نہیں نظر ہے آئینہ دائمِ شباب میں

یعنی شہوِ عقلی عالمِ موجودات کی شباب میں چھپ کر آئینہ کے دائرے میں ہی مصروف ہے اور اپنے رخِ روشن کو غنہِ خمیل سے آراستہ کر رہا ہے۔ جب یہ گراؤں و لڑائیاں ختم ہو جائے گی تو وہ اپنے چہرے سے شبابِ الفت دے گا جس وقت دیکھنے والے پکار اٹھیں گے۔

کس کا رخ جلو ہے جیت آئے خدا
آئینہ طراشِ عشق بہت شکوہ ہے

گیا قدرت کی سرکاریاں ابھی وہ چہ خمیل کو نہیں پہنچی۔ خدا نے ارادہ کا اظہار کر رہا ہے۔
یہ عرشِ قتلے وہ تم بھر
پہنچاؤں میں دترِ مہدم بھر
وہ دترِ بید و آشیوں کے ساتھ
وہ اظہار کا دم چھوٹ بھر

یہ رب کے حکمانے زندگی کے بارے میں بہت سے نظریے قائم کیے ہیں جن میں سے وہ جس طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ایک دعوت کا قول ہے کہ کوئی شے بذاتِ خدا میں قائم نہیں رہ سکتی۔ ہر چیز کے بگاڑ و برباد کے لئے کسی دوسری شے کی ضرورت ہے۔ وہ دوسری شے اپنے اس میں نظر کے مطابق اس لئے کا بہک نہ سکے کہ وہی ہے اور یہی ہم اس شے کا سبب بن جاتا ہے۔ خدا پھر اسی وقت پھر ہے جب انسان اسے پھر کھتا ہے۔ ورنہ وہ سچ ہے اس کو واقعی قتلہ کہتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ سری دعوت کا خیال ہے کہ دنیا کی ہر شے ممکن بذاتِ ہے اسے اپنی بھلائی کے لئے کسی دوسری شے کی احتیاج نہیں۔ خدا پھر اسی وقت بھی جاری قرار دے دیکھنے والا کوئی نہ قتلہ ہر سچی قتلہ کھاتا ہے۔ غالب روحیات کا قائل ہے اس کا تصور یہ ہے کہ یہ دنیا جو ہمارے سامنے موجود ہے اور اس کی موجودات کے جو مختلف ہم نے رکھ لئے ہیں وہ سب ہم سے ان کے اختراع کردہ ہیں ورنہ عالم کھل ایک سو سو شے ہے اور ہم جو اس کے اجزا ہیں اسی سو سو شے میں شامل ہیں۔

ہرچہ اظہار ہے دنیا میرے آگے
ہو آ ہے شبِ روز دکھنا میرے آگے

اک کھیل ہے اور کھیل میں میرے نزدیک
اک بات ہے اظہارِ کیا میرے آگے

جو ہم نہیں صورتِ عالم تھے حضور
ہم خود نہیں ہستیِ شہاد میرے آگے

ہوئے صوفیہ کا نظریہ بھی اس سے متاثر ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ دنیا کی پیدائش ایک نقطے سے ہوئی اور پھر نگہ کوئی ہستی نہیں دکھائی گئی اس سے بڑا شہرہ چڑھ بھی ہے حقیقت ہے۔ خواہ وہ حقیقت انکسیر ہی کیوں نہ اختیار کرے۔ غالب کتابت

ہاں کائنات مت فریب ہستی
ہر بند کہیں کہ ہے نہیں ہے

» سب مقام ہے کتا ہے:

شہد ہستی مطلق کے کمر ہے عالم
رنگ کتے ہیں کہ ہے ہاں ہمیں منظور نہیں

دعوت اللہ اور کثرت رسوم کی عقلیت دے کو شعراء و صوفیاء و غالب کے سچے دہانچے ہونے کو اس سے زیادہ عالم فہم نکل گئیں۔ اور
لطیف بڑا یہ ہیں دولت نہیں کیا پاسکتے

ہے مشعل نور صوفی پر دہر اور
ہاں کیا دھرا ہے فکر و صوفی و غالب میں

دور کی آفرینش

دور اور اس کی آفرینش ایسے موضوعات ہیں جن پر عجب اور شہا کے علماء نے بحث کی ہے مگر ہمارے شعراء نے اپنی رشتیں
یادوں سے اس دلی مسئلے کو اپنی کر کے بھلوا ہے۔ غالب بھی حقیقت کی ہمنوا بن کر آوا کتے پر اور اور حقیقت آموز بڑا یہ ہیں کہتا ہے
کہ میری دور اس وقت پیدا ہوئی جب کائنات کی ہر شے خودی سے ناکشا تھی۔ نہ چاند میں نیلا تھی نہ ستاروں میں ہلکے نہ سورج میں
دشمنی مباحرام بلا سے بے خوف تھی پھول تخت سے غلام تھے اور پتہ طاقت پرہیز سے مضبوط

ہاں بحر ظہم کہ سہ را در شیشی دیدہ ام
شب سہ چشیاں دلدردی گردنہ امی دیدہ ام

لخت خلوت خلوت دریاہاں کا نیلا دور
زہرہ را اندر دوا سے نور عیاں دیدہ ام
ہر یکے فارغ زنجیر ہر یکے بڑاں غریب
لوگے دلاور » فطرت گردنہ امی دیدہ ام
ہرگز اسے بڑاں ہاں دواہی نہ بدلی طل کہ صفا
لہ را در نور کدیاں دلاہ میزبان دیدہ ام

دقت ہم زہی بنی بھر ہوا دمویں دلہا
مردم غالب زہی بل پہنچ رہا ہم
شاد ہر سر گل ہر جھنم لہو
طو مغل جانی ہر پہنچ رہا ہم
حرم رات لہو روزگرم کرد ہم
مگر ہم کوئی نہ ملن خواہم کرد ہم

علاش حق

غیب اور مصیبت کا اہم ترین مسئلہ علاش حق ہے۔ ہر شخص اپنے عقیدہ اور ایمان کی بنیاد پر کرتا رہتا ہے۔ ظاہری دنیا میں یہ مضمون
کئی بار ہو چکا ہے مگر غیب نے اس کو اپنے مخصوص انداز میں کہ اس طرح بیان کیا ہے کہ اس پر فہم کی کالیں بھی نہیں ہو سکتی

دعاؤں میں کلمہ پائے غیب سے
اور نظروں کو ہر غیب کھلی
اسی شوق کہ گرداب بھر دلت برادر
اسے لنت دل خوف بوجہ کھلی

ہماری ہلکے خواہش نہ کھیر
آفاق ہر شے ہم اسے کب کھلی
شور و غبار کی ہر نفس را
پیدا اسے جھنم سے کھلی

غالب دنیوی فکرات میں ڈوبا ہوا تھیں قلب اور کیمیا کے لئے نور و نور کا وہ آقا ہے۔ کائنات ہر شے کی کہ اس کے
ساتھ آتی ہے۔ وہ اس میں غور و فکر کرتا ہے اور اسے ہر شے میں جادو حق پر سے بھل و بھل کے ساتھ نظر آتا ہے۔ وہ وحشت کی یہ
دیکھ رہی دیکھ کر پھر الٹا ہے۔

اسے سچ گل لہو لبتا بھستہ
اکابر مغل سرتا بھستہ
ہر ہر نیست سلی میاورد ہر ما
اسے اسے گل جام لبتا بھستہ

ہوں شمع اور تو بلخ ویرانہ کہ ہوں
 کھلی مرائی سہلے جھپستی
 اور چھ شعل کثیر کوئی نہیہ
 اسے وہ کو چو نہیہ جھپستی
 بلکہ کھڑی ہر شعل کی وہ
 اسے سب برگہ میں کہ تو نہ اسے جھپستی

تھکے مشرق و مغرب کی ایک زندہ سہ جہت اس امر شعل ہے کہ حقیقت عالم کے چرے پر امراد ویرانہ کا وہ چہہ ڈھلری پڑا ہوا
 ہے جس کا ہٹا کھن نہیں اور بقل مقلہ شیراز کہ

کیسے کسی کھنڈ و کھنڈ گھٹ میں مغلدا

سب نے اپنی چوڑی کا اعلان کیا ہے مگر غالب اس سب سے الگ ہو کر کتا ہے کہ اگر تو اٹھاتا آسمان نہ ہو تاکہ دشوار ہو تو اٹھاتا کھن
 نہ قلم ہم ہی ہو کہ چنہ دہے اور شعل و درند کی شعل سے بچ جاتے مگر مشکل یہ ہے کہ وہ جس طرح آسمان نہیں جس طرح دشوار
 بھی نہیں جس لیے شعل و درند کی شعل قائم ہے

منا تا اگر نہیں آسمان تو مل ہے
 دشوار تو کیا ہے کہ دشوار بھی نہیں

ہر کتا ہے

حرم نہیں ہے تو ہی تو اپنے دلو کا
 دلو وہ نہ جاب ہے وہ ہے مار کا

میں دلو کے نعروں سے تو ہی دھت نہیں دورن بلا و نہ جاب نظر آ رہے ہیں نہ بھی پند ساز کی طرح امراد ہی کے رنگ ہیں
 رہے ہیں۔
 یہ شعر بھی ایسا ہی ہے

شعل فریادی ہے کس کی شعلی حقیر کا
 کافری ہے جیوں ہر کھنڈ تصویر کا

قلم حیات

غالب نے جس دن نے میں آنکھ کھولی میں دقت مسلطوں کی سطحیں ایک ایک کر کے مٹ رہی تھیں۔ قلم اصلاح اور چلی کی

طرف قدم چھاری تھی۔ عرصہ حیات دودھ بوز تک ہو رہا تھا ہے داخلی خود فرضی اور کوئی نظری کی ہر طرف گرم چھاری تھی۔ مسرت
داخل کی طرف اور تواضع افسانہ داخلی حوصلگی اور خودداری کا قلم تھا۔ خود غالب کی حالت یہ تھی کہ جان کے قتلے پڑے ہوئے تھے۔ مسرت
تلاش کی کی اور خود داخلی کی قلت نے قلم میں اس کا لہجہ کر رکھا تھا۔ اس کے نزدیک فطری زندگی ایک مجبوری اور حیات بشری ایک کلفت
تھی۔ طبیعت قلب صحت اور راحت حوصلگی کے لئے ترستے تھے۔ اس قسم کے ہمارے حالات میں اس کا کام جتنا بھی تم کلریں اور
جون انگیز ہو تا کم خود فکر غالب اس قدر دماغیوں اور نگاہوں میں گھر کر رہی تھی کہتا ہے کہ انسان کو آثار فطری داخلی مسرت پلے نظر ملے اور
دلبری کر رہا ہے اور خود میں کے پڑھو اپنے آپ کا شوق ہمارا رکھا چاہیے۔ اس دماغ میں رہتے ہوئے اگر انسانی عریضہ داخلی کا فکر
ہو سکتا ہے تو ایسے دماغی اہلی اختیار کر سکتا ہے۔ جس سے تحریکات اور تم دور ہوں۔

جہاں راحت اور خوشی ملی کی تربیت حقد میں لڑی شعرا میں سوانحی اور حریفانہ بھی دیتے رہے ہیں۔ مطلق بھی قلم مسرت
موسے کے کہنا کرتا رہا ہے۔ مگر اس کا قلم مسرت کلریں نہیں۔ دکھاتا ہے کہ دنیا چند دہلے ہے اس کی نزدیک عشق و رعب ہیں اس
لئے انکی موعود چھوڑ کے لئے اپنا دل فدا صحت بخت سکون اور طمانیت قربان نہیں کرتی چاہیے اور چہ کہ دنیا بھگتے ہوئے
تو مسرتی خوشد چھلے اور قلم اختیار کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے اس کا داخلی بھونڈ رہا ہے۔

اس قلم مسرت کا دوسرا اثر منظر جود قدر ہے یعنی ہمیں طبیعت اعلیٰ میں کوئی داخل نہیں ہو گھس جس حالت میں ہے خدا ہی نے
ایسا بنایا ہے۔ ہم کیا ہیں کہ خدا کے اربوبے کے بغیر حرکت کر سکیں۔ ہمیں بدھ چاہئے گا نہیں چاہا پڑے گا اس خیانت کا اثر یہ ہوا کہ
قلم کی قوم پر حدود محدود ملے گی وہ ایک عجیب فوسٹ نہیں اور مطلقیت مت نہیں۔ مگر غالب کا قلم حلقہ کے باطن خلاف ہے۔ نہ تو مسئلہ
بیر کا قائل ہے اور اور نہ قلمی خوشد اور تخلیقی قلم کا حامی ہے۔ اگر سے طوری کرتا ہے تو قلم تم قلم کرنے کے لئے چھاپتا تھا
چہ

مے سے فرض تھا ہے کہ دیکھو کہ

اک گونہ ہے طوری مجھے دن دولت چاہیے

وہ اگر طوفان رہنے کی تھیں کرتا ہے تو ساحل ہی خود داری اور پلے حوصلگی کا درس بھی دیتا ہے۔

میںوں دیندیش دکن شرم کہ در شہر

نکلاں بوجہ حکم ہوا حد دھرم است

گرداختہ دل صودہ شہد است۔ رواقی

نور لوح حواریت کہ اسنگ دھم مسرت

ہاں ہم دیند کہ خواہی اہلی

دیکھ بنگہ کہ اگر خود ہر دھم مسرت

دھم راجی فرقت دھن گردن

نہیں رہے پلے کہ کس پلے کہ عام است

غالب ایک حکم پر طوفان کا لہجہ میں نکلتا ہے:

مرا کہ ہوا غدارم زوردار ہے ۵
 ترا کہ بہت دنیا شاق تو بھاری ہے طوفان سے
 دکان پر چاکست ہوا کہ دوست
 انہی رحمت مقدس دہری طوفان ہے ۵
 ہمیں پہلا گل دوسری دہری دہری
 بدست فتنہ تیری گرد ہے سارے ۵

۵ سری تک میں بھی نکلتا ہے:

ہا چلنا دغیب از سنا ہمیں ہے سخن
 دل عدوت اگر طوفان ۵ گھر سخن
 ہا ۵ سطر ہم لطف نہیں سنا
 ہا ۵ شہر کام ۵ کہیں دہری سخن
 شمع طراز غم قدر غم دور
 آہیں روش را طراز دیگر سخن
 ہزار آہیں ہا ۵ مشتاق ۵
 ہزار سخن طراز طراز ۵ ہزار سخن
 ہا ۵ کہ صبح بیست سنی کہ
 انہی شرب کہ خود کام سنا سخن
 دہری طوفان ۵ ہا ۵ ہا ۵
 ام ہا ۵ طوفان کے طراز سخن

دنیا میں کوئی انسانی چیز لیا نہیں جس میں ۵ مخالف اور متضاد کیفیتیں نہ ہوں اور کوئی کیفیت ایسی نہیں ہے ۵ مشتاق جنوں اور
 طوفان کے تعلق نہ ہو۔ یہ کیفیت خود اختیاری ہے یا اضطراری کسی نہ کسی چیز پر ضرور پہنچتی ہے تو اس لیے خود طوفان ہو یا ہزار طوفان ہا لطف
 ہا یا ہے لطف اچھا ہا یا براب اگر خود طوفان ہو تو کچھ کہنے کے لیے پہلی تک رسائی ہو گی ورنہ ہزاروں کام نہ دیکھ سکتی ہے۔ ان ۵

مشرق و مغرب کے درمیان صرف ایک امید ہی ہے، نہ جلدی رہنمائی کرتی ہے نہ کبھی قیامِ ازل سے تاریکی اور فوجِ دوسروں کا کھنڈ بکھنڈ
 حصہ نہیں کہ وہ جیت کر اس لئے کامیابی میں بھی کوئی نہ کوئی امید شروع کر لیں، یہی ہے جو انتہائے داس میں دوسروں نے جھلٹی ہے۔
 بس یہیں ہر طرف مصیبت ہی مصیبت نظر آتی ہو، پھاروں طرف سے یہی پیدا ہو، ہاتھ پتوں دردِ عمل میں گھٹ کر اٹھ رہا ہو چکے
 ہوں ازل بھی کیا ہو جاتی وہاں ایک ایک کر کے مٹا رہا ہو، چکے ہوں اس وقت امید ہی دوری امتِ باطنی ہے جس کی پادشاہت انتہائے
 داس میں بھی طوفانی کی کرن پھوٹ لگتی ہے۔ غالب کتا ہے:

عشرتِ قطب سے دریا میں کتا ہو جاتا
 درد کا حد سے گزرتا ہے ورا ہو جاتا

ۛ

ایک ہاتھ پہ موقوف ہے گھری دھاتی
 نورِ فم ی سہی لڑے شادی نہ سہی

ۛ

عشرتِ ہارہ دلِ دلمِ قنا کھاتا
 لذتِ دلیلِ بحرِ طوقِ نگہاں ہوتا

غالب کتا ہے کہ قوی بھی غولی میں رہا کہ نہ بھولے اور دریا میں غولی سے ہمیں نہ ہو۔ دونوں کا ہر ذرہ برابر ہے جتنا دلیں دریا و دلم
 کھریں کہ راحت کا مزہ جیسا کہ اٹے کا گیسو دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ ایک راحت کا لطف فم کے بعد ہی ہے۔ دردِ فم فراموشی
 ہمِ عشرت ہر وقت اسی دھڑکے میں رہیں گے کہ چہ نہیں آگے چل کر کس قدر فم انہیں پھیلانا چاہے غالب کتا ہے:

دریا سے ہو کر ہوا انہی قسمت پانا ہے دریا
 چھٹی اچھی چہی تھو پہ کہ تملی ہو گئی
 نہ لالی شرفِ اندیشہ کب دریا کو مبدی
 کتبِ ظہورِ لما حدِ تجوید تھا ہے

فلسفہ اخلاق

غالب نے اکثر اخلاقی توصیفِ شاعرانہ عزت نفس، خوداری، موصطفیٰ اور استقلال کے حلق میں اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ وہ ایک
 اہل کی تحقیر اس لئے نہیں کرتا کہ یہ آفاق دوزخ کے لئے اہل میں بائیں بازو اس لئے کہ لوگ تک ہیں اور خدا کی عبادت خاص
 ہی سے کئے کریں۔ ہر لوگ عبادت اس دوزخ پہ کئے ہیں کہ بہشت کے نی پھل شہ اور شرابِ طہور ہو کی تو بہشت کا دوزخ میں
 حرکت دینا چاہیے تاکہ یہ اُٹھ اُٹھ نہ رہے۔

طاقت میں کرے دے راہیں کی آگ
دلتا میں ڈال دے کوئی سے کہ حالت کو

وہ عجیب کے خوش اور خوداری کے لئے میں دعاوی ہو کر کتا ہے

گردلو سواقی دہی سراسے
ہلاوٹی ہم دہی کی خواہم
جست او سرکشہ خوش دل دہی
ظنی دہی کی خواہم
گریم دلتک نور ہرام
برہی سہلی کی خواہم

تکتہ لب برماں دوتا دلچسپ ہلی دہم
گریمون اشکوں میں خوشی مرا
دلی تم وسط لذت آوارم دا
ہنسے کہ ہی ہر غلامیوں رفت
ہلکے تہری شہسے چالی دہم
ملے گردم دے خود ہشتی دہم
کو کہ دیکھ خوداری ہوں کتہ
ہر ترماں ظنی چالی دہم

ہم بکتہ کہ پاتا جدید فر
در غزلت سچا خود ہاک

تک یہ بھی کتا ہے کہ اپنے کو خود خود کھو خود پہ نہیں نہ کہ کہ کتا ہے اٹھ جانے سے دیا تم ہو جانے گی۔

ہرہ شکیب دینے چاہے لکھن بردار
اسے کہ دروا غن چلی ۲ ہزار گودارت

وہ استقلال کی تعلیم ان الفاظ میں دتا ہے

برہی کہ دہی لکھن اصابت اسے
ہستہ کی ہریم دا کہہ ہفت است

ابراہیم کی کاوری دیتا ہوا کتابچہ

صفت آدمِ بیکار و قریب طلب کن
بھتیں مٹھو مہوں دشوار مہا سود

انکساریت میں غالب کی صورتِ زلیٰ لڑل اس وقت تک زندہ رہے گی جب تک اردو زبان قائم ہے

نہ سنا کر یا کے کوئی
نہ کو کر یا کرے کوئی
دک نہ کر بلا ہے کوئی
بھل و کر غلا کرے کوئی
کوئی ہے جو نہیں ہے طاعتِ سر
کی کی طاعتِ دہا کرے کوئی
کیا کیا نظر نے سکھ دے
اپ کے رہنا کرے کوئی
بب وقع ہی اللہ کی غالب
کیں کسی کا کہ کرے کوئی

سے غائب ہو جانے کی دہائی ہو تاکہ وہ خود و اجرام سے زمین پر اترے۔ گداگ اس کی حالت پر ہنس پڑیں گے لیکن اس بگ بگلی کے باوجود گرسے دلا گھوسے میں نہ رہے۔ کام انکو مہرِ اعلیٰ اور پختگی کی طرح تکیہ کے طیل اس کام بھی سرِ حال شہرت پہنچے گا۔ ایک بات ہے کہ دنیا سے اب میں اس کا شہد خیرِ فصول میں نہیں طرفِ داروں میں کیا جائے گا۔

اس نے یہ نہیں کر اب احترام و اعتقاد کے ساتھ طالب کے قدموں کی پلہ چھس چھس کر نکلنے کی کوشش کریں اور آپ کی فکر کسی پہلی تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہو جائے تو میں ممکن ہے کہ آپ کی ذات میں بھیجی ہوئی حقیقی و تہجدی صلاحیتیں بخیر سے ابھر کر سطر عام پر ابھریں اور دوسروں کو آپ کی پہلی کا قائل کر دیں۔ میں یہ بات عرض نہیں کر رہا ہوں کہ دہائی کے بعد سے ایسے خلقِ دہائی ہیں جو صرف اسی کوشش کی بدولت علمی و ادبی حلقوں میں محترم اور اپنے ہم صوبوں میں سر بلند و ممتاز ہوتے ہیں۔ لیکن صرف طالب شای سے ان کامیابوں میں لوہا کیا ہے؟ انکو مہرِ اعلیٰ بخیر کی نظر قسط پر کئی ہی گہری کیوں نہ رہی ہو لیکن جہیں جانتے اگر وہ محاسن کامیاب "نہ گمہ جانتے تو ادبی حلقوں میں خود کی حیثیت سے ان کام بھی بخیر میں نہ آئے۔ شیخ محمد اکرم نے اسلامی تعلیمات اور لی تعلیمات پر جو بحث لکھا ہے ہمیں اس بحث اس سے موازنہ نہیں کیجیں۔ کامیاب جانتے ہیں کہ اردو ادب میں انہیں جو شہرت و عزت ملی ہے وہ "طالب علم" کے مصنف کی حیثیت سے ملی ہے۔ اسی طرح پروفیسر میمن پر شاہ صوفیاء امتیاز علی خاں عثمانی مہرِ اعلیٰ عالم دہائی اور مہرِ اعلیٰ عالم دہائی کے علمی و ادبی کارنامے اور اہم ہیں لیکن اردو حقیقی و تعلیمی میں انہیں جو اعزاز دینے مقام ملا ہے وہ صرف طالب اور عالمیت پر مبنی نظر رکھنے کا اہتمام ہے۔ اصل دوسرے اہل قلم شاہِ اناکار شاکت سہزادی ایک ممتاز خود کی حیثیت سے اول اول قلم کامیاب ہی کی بدولت سطر عام پر آئے ہیں۔ پروفیسر محمد امجد علی اور طالب امجد علی نے ایک زمانہ میں لکھا ہوا بھی ہے کہ لکھا ہے اس میں انہوں نے طالب کے سلسلے میں جس طرف لکھی کا شہوت دیا ہے اس نے انہیں صاحبِ بصیرت و تقویٰ کی صف میں ڈال دیا ہے۔ لہذا اگر فاروقی انکو علی خاں شاکت تقویٰ اور مسلم فیصلی نے دوسرے موضوعات پر بھی بحث لکھا ہے لیکن ان کی فہمیں کو مستر و مہرِ اعلیٰ خاندان نے بظاہر ہے وہ طالب کے سلسلے میں لکھے گئے ہیں۔ اردو کے لکھنے والے کو یہ لب لباب میں ان میں نے صرف کچھ چند برسوں سے باوجود لکھتے شروع کیا ہے لیکن گزشتہ دو سال میں انہوں نے طالب پر جس ڈاکٹر و دانشور سے لکھا ہے اور غرضی علم جلدوں میں جس تنقیدی تفصیل کے ساتھ عالمیت کا اشارہ کیا ہے اس نے ان کے قلم میں بہت جلد شاکت و اعتبار پیدا کر دی ہے جنہیں شاہد بھی صرف طالب اور کامیاب کی بدولت صرف ہوتے ہیں۔ پروفیسر سلیم جاشی رندو مہرِ اعلیٰ شاکت جاشی مہرِ اعلیٰ سید جگ مہرِ اعلیٰ ہی اور اس طرح کے نہ جانتے کئے اہل قلم میں جن کے ہم ادبی تہجد و تہذیب میں صرف کامیاب کی طرف لکھنے کے سبب ادبی ذہن کا مرکز بنے ہیں۔ یہی کیفیت ان مصوروں کی ہے جنہوں نے اشعار، طالب کے تصور ہی مرتبے تیار کیے ہیں۔ مہرِ اعلیٰ پختگی اور صلاحیت کا عقد مصوری سے بھر ادبی حلقوں میں جو عزت شہرت حاصل ہوئی "طالب کی زبان ہے۔ ان ہزاروں نے طالب کی عظمت کا احساس نہیں دیا۔ وہ بات دیا ہو لیکن ان کی عظمت کا احساس ہمیں طالب نے خود دیا ہے۔

ان شخصیات سے موازنہ ہوا ہو گا کہ طالب کے اثرات ہمارے لب اور لہجوں پر کتنے وسیع اور کتنے گہرے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ان کی شخصیت یک پہلو نہیں بہت پہلو ہے۔ ان کا فنی یک رنگ نہیں۔ وہ رنگ ہے اور عموماً علم میں ان کی اولیات ایک "میں پختگی ہیں ان کی اولیت یک شہد نہیں ہزار شہد ہے۔ ہمارے شعر و ادب پر ان کے اثرات "چار نہیں بے شمار ہیں ان کی ذات یک عظمت نہیں جامع الصفت ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ اس جامع الصفت شخصیت سے میری داخلی و ادبی شخصیت پیدا ہوئی ہے اور آج سے نہیں شروع ہوئی ہے تو یہ کوئی نئی بات نہ ہو گی لیکن آج بات ضرور ہو گی۔ میں نے اپنے کسی مضمون میں لکھا ہے کہ میں طالب کے اس ادبی

اگر شعر دہلی پہ دہر آئی ہے
 دیوانی مرا شہت پدی ہے
 قلاب اگر فی ظن ہی ہے
 گل ہی را ہی کلب آئی ہے

www.elsevier.com/locate/jmb

کہ انہیں امام الفقیہ تھیں تو انہوں نے

۱۱) ایں کو تعلیم و تربیت کے ابتدائی دور سے لے کر ان بطور تک گزرا کہ کے باہر مجھے جس قسم کا تعلیمی ماحول پیش آیا اس میں طالب کا ذکر اتنی حیرت اور اتنی کثرت سے ملے جسے میں نے اس کے وہ افسانے کے انشعوبی عناصر کا ایک نام جڑوں کے نیچے جیسے فیسول میں اٹھنے اور اس سے لقمہ اخذ کرنے کی اہلیت حاصل کی میرا خیال ہے کہ اس کی قوت شعری پر پختہ ہو گیا اور ایک نیا وہ کیا کہ ادبی اور لہجہ کی انوکھی مثالیں میں وہ بھرے رہا اور مشکل کشا میں گئے لیکن طالب کی یہ دماغی و عقلی کھلی طرف اچھ نکھ محدود نہیں ہے بلکہ مسائل عام کی حلیت دیکھتی ہے جس مسئلے عام کی کیا حکمت ہے اس کے بارے میں کیا عرض کروں جیسے دل کی بات، غائب ہونے والی میں ڈالہارت کے بدفرستہ و قدر عظیم نے اپنی مختصر سی محکمہ مطلوبہ اورانی طالب فہریت پر اپنی ۱۹۹۷ء میں کسی ہے تب تک نہ پانچواں دیا ہوا:

عالمیاب کے شعر میں انسان کے غبار کے غبارک عظیم سے لطیف اور پیچیدہ ہے۔ پیچیدہ جذبہ اور احساس کو اندر کی زبان عطا کرنے کے قصور اور غصے کی صورت دہکتے اور قصور اور جھٹنے میں انداز چمک دیتے کی جو طبع معمولی قوت ہے اس نے طبیعت کے ہر تجربہ کار اور کمال فطن کا دیا ہے اور اس نے عالم کا قاری پب اپنے کسی چہرہ اور احساس کے سنی گھٹے میں جوت قصوں کرتا ہے یا اس کی د تک نہ پہنچ سکے کی وجہ سے ایک انگلیں میں جلا ہوا ہے تو عالم کا کوئی نہ کوئی شعر مٹانے اگر اس سے کہتا ہے کہ دیکھو میں قصائی الجھی اور قصائی انگلی کی تصویر ہوں اس صورت حال میں انسان کا حاصل دیتے اور اس کا حاصل برقرار رکھنے کے جو امکانات ہیں انہوں نے عالم کے شعر کو برہنہ کی توڑ دیا ہے۔ کوئی کو اگر یہ سمجھیں وہ چاہے کہ دنیا میں کوئی ایسا ہے جو اس کے دکھ کے سنی کہتا ہے اور اسے اندر کی زبان دے سکا ہے تو اس کے لئے زندگی بسر کرنا اور زندگی کو بسر کرنے کی چیز سمجھنا ممکن ہو جاتا ہے عالم کے کام نے اندر کے جو شعور سے انوریت نہ سمجھانہ دی ہے صرف دکھوں ہی کی بات نہیں ہر انسانی تجربہ کے صحت میں عالم کے شعر اور اس شعر کو پہنچنے والے کے ساتھ بھی صورت ہے زندگی کے ہر معاملے میں اس لئے اس کا رشتہ دوستانہ بن جاتا ہے۔"

موقع غالب کو چھوڑ اور اس پر غور کیا تو ہر بات چھ پر غور اور اہلاد کے لئے حق ہوئے ہوئے ہیں۔

پھر چیلنے کے قریب اور زندگی گزارنے کی اگلا پہاڑ کا مسئلہ ہے۔ غالب کے دہلی اور فکری حق کا مسئلہ کرنے کے لئے تو ذہن اور فکر بھی اتنی ہی عظیم اور بڑا ہو چکا ہے۔ لیکن اپنی جگہ کے معجز میں سے اس کے پاس سے اس کی شخصیت سے اور اس کے عہد اور نظر سے پیش بہت دور ہے۔ یہی زندگی کا حوصلہ حاصل کیلئے ہمارے جدید معجز میں وہی شعر نہیں پیدا ہوا۔ اصل 'عربی' کے اس کے مسلخ نہیں لیکن وہ ایک ایسا اور ہے جس میں نہیں اور نہیں کے اندر زندگی کم ہے۔

میں کہنے کو وہ زندگی کی کسی کے شکوکہ چٹے رہے۔ لیکن اس سے زیادہ شکوکہ اس کا یہ تھا کہ پھر وہ عظیم تصور دہلی 'تذکرہ' اور سہیلی سوزہ سہی لیکن سہیلہ انداز فکر کی پہلی کو جانے کے لئے پہل میں سے آگے۔ اس کے وہ دہانے سے اڑ پڑتے تھے وہ اور اس سے بے نیاز بھی رہے۔

فن زندگی (آرت آف لائیو) کا کام نکتہ ہے کہ زندگی بڑا رنگ اور ہر قسم ہے۔ حلقہ کے لشکر میں "گلزار بزار دہلی" ہے۔ اسے اگر مذہب انسانی کی طرح سر کرنا ہے تو ہمیں بھی بڑا شہر بنانا ہے۔ غالب کی شخصیت نے یہی ہر قسمی پیدا کی دہلی 'شاعروں' دہلی کا کم کم 'نقصہ' پیدا کر دیا۔ ہر جا پر یہ حوصلہ یہ ظرف یہ 'پہ' پہلی میں اس کی کہ دہلی اور کلکتہ کی سڑکیوں سے تکتے ہوئے زندگی گزارنے کے لئے یہ حوصلہ چاہیے۔ غالب سے ہر بھی حاصل کرنے کا اسے لئے تھا۔

ایک بات اور جس نے مجھے پیش تصور دکھا ہے۔

ہم جہاں نہ جہاں زندگی کا ہر پہلو پہلے کا قائل ہی مانتے آئے تھے۔ ان کی اور میں دہلی کی ہر بات کو خود بخود ہی یہ قیم نکلتے یہ رحمت یہ بکاز اور یہ ہر فن یا بکاز۔ 'دہلی قصہ' فقر اور تبدیلی کی اصطلاحات سے گریز کر رہا ہوں۔ یہی ہر دہلی ہر بکاز کی تیار ہے۔

اب ذرا دہلی کا نکتہ سے قریب کیسے تو یہی یا بکاز بکاز حرکت اور سو اور رشتہ کا عظیم فقر آئے تھے خود اپنی عہد زندگی میں بھی دیکھا کہ ہر فقر اور تبدیلی بہت سے بندہ کہتے مگر آخر کو یہی آج کا بکاز سو اور اور شاعری خدا کی عظمت فقر تھی۔ بہت پہلے غالب کے اس شعر کو سکھ دہلی نے شخص فقر کا پہلا بکاز تھا۔ آج بھی ہر موٹے ہر مشعل ہی کو رنگ اختیار ہے۔

کراچی دہلی سے فارغ نہیں ہوا

چلن فقر ہے آئینہ عالم غلب میں

تبدیلی اور اہلاد غالب کی اسی حوصلہ بندی کا ایک کمرہ ہے جو اس کے عقل سے اس کے دھڑ دھڑ سے اس کے فراق و وصل سے اس کے منہ سے۔

ہر رہے گا کہ نہ کہ تجھ میں کیا

نظر سے ہر جگہ نکلتا ہے۔ یہ کہ ہر عظیم دہلی کی یہ خاص بکاز ہوتی ہے وہ اسی اصول کے تحت ہوتے ہیں اور یہی وہ نکلتے ہیں کہ زندگی کی ہر خاک اہلاد دہلی گزار کو جانے گی۔

میں بہت بھی فیل ہے بلکہ کے دہلی کا

اور میں دہلی کے بعد ہر کلیات سامنے آتی ہیں اور اس دہلی کے ایسا حیرت خزانے کے ایک پہلو سے دہلی ہر مرگ جاتی ہے۔

دہلی کشہ عہد لب ہر مرگ ہستہ

دہلی دہلی دہلی دہلی دہلی دہلی دہلی

رٹائے غالب میں انیس کی رہائی

دلی میں بارہ سو ناکرختی کا اقرار کر لیا جاتا ہے۔ یہ سدا میرا نفس کی ایک رہائی ہے حتیٰ کہ وہ انہوں نے غالب کی دقت پر نظم کی تھی۔ آخر فروری ۱۸۸۳ء میں راقم کو ایک بزرگ کے خط سے اس رہائی کا علم ہوا جس کی حلقہ مہارت پر تھی۔ میرا نفس مرحوم کو غالب سے تعلق تھا۔ غالب کی جب وفات ہوئی تو میرا صاحب مرحوم نے ایک رہائی کی جو میرا وہ عہد تہذیب کے کتب خانے میں میرا صاحب کے ہاتھ کی کسپی ہوئی اب تک محفوظ ہے۔ رہائی حسب ذیل ہے:

گزار جہاں سے ہوا جہاں میں مجھے
مرحوم ہوئے "دار رحمت میں مجھے
سراج ملنے کا مرحہ اہل ہے
غالب" سدا لفظ کی خدمت میں مجھے

خاندان محمود آباد اپنے ڈال و کرم کی محنت میں مشغول ہے۔ راقم نے کسی سہولت کے بغیر محض اسی حسنِ سخن کی بنا پر ۶ مارچ ۱۸۸۳ء کو صاحبزادی نواب محمد امیر محمد خان صاحب کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا اور ان سے میری رہائش کی تہنیت یا تہذیب کی درخواست کی اور ان سے یہ فرمائش بھی کی کہ اگر مذکورہ رہائی ان کے دلچسپی میں سمجھو ہو تو اس کا انہیں مرحمت فرمائیں۔ انہوں نے ۲۵ مارچ کو مجھے جواب تحریر فرمایا۔ راقم کو جو حسنِ سخن ان کی دقت و مہارت کی طرف سے تھا ان کے حلیہ طے سے اس کی تصدیق ہوئی۔ انہوں نے اس رہائی کے حلقہ بیان کردہ رہائش کی تہنیت بھی فرمائی اور اس کی ذمہ داری بھی مجھے بھیج دی۔

سراج نگار نواب محمد امیر محمد خان کے خط سے معلوم ہوا کہ اس رہائی کا اصلی نسخہ ان کے پاس نہیں ہے بلکہ اس نسخہ اصل کی فوٹو کاپی ان کے دلچسپی میں سمجھو ہے۔ جب وہاں صاحب نے تحریر فرمایا کہ ہر میر جو وہاں پر میری سدا دافع نے اسی لفظی نسخہ کا نسخہ انہیں مہبت فرمایا تھا۔ میر جو وہاں کا انتقال ہو چکا۔ مرحوم لکھتے تھے خدا جانے اب اس رہائی کا نسخہ اصل کس کے پاس ہو گا۔ یہ رہائی میرا نفس کی دقت پر ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے صرف "اسے چھوڑنا ہی کافی ہے"۔

آفتاب کو دیکھ کر آفتاب

جو غنیمتیں "میرا نفس" کے شجرہ جان شیرین میں زبان اور مخصوصہ ان کے بیک رہائش سے واقف ہے ان کے نزدیک اس رہائی کا ہر میر صبراً گواہ رہتا ہے کہ یہ نفس کا کام ہے کسی اور کا نہیں۔

اسی طرح اہل فکر حضرات پر میرا نفس کی اس رہائی کا سدا نفس ہونا بھی روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اب تک میرا نفس کے علم کی قیاسی چٹائی ان کے قدر دانوں کے ذہن میں موجود ہے۔ ان خصوصیت اور مخصوصہ ذہن کے سدا بعض معلوم کتب میں میرا نفس کی قیاسی کے ہاک چھپ چکے ہیں مثلاً "میرا نفس" ہلدی "میرا نفس" دہلی ۱۸۸۰ء میں میرا نفس کے لکھے ہوئے چار سطروں کا نسخہ

کل رعتا (نوروسید)

[illegible]

کل رحمتی فیض کے کئی برس بعد اور چلنے کا اتفاق ہوا تو میں نے ملحدی صاحب سے کل رحمتی اصل منسوب ہو کر دیکھنے کا ارادہ کیا اور وہ صاحب، اصل سوز کا لیلے فون کر کے کل رحمتی کا نسخہ دیکھنے کی استدعا کی اسے موصوف نے شرفِ توفیق بخشا اور حالات کا وقت مقرر فرمایا میں مقررہ وقت پر پہنچا تو اسے اتفاق سے یہ شرف پہنچا جو اصل منسوب ہو کر توفیق کے یہ خاص حوتہ نظر دلائی کہ وہ جاس میں ملحق رحمتی شیل ہے مجھے سمجھ کے لئے بتائی گئی تھی۔ اس نے کچھ نظر دیکھنے کے بعد موصوف کی خدمت میں عرض کیا کہ خدا کا شرف ہے کہ اعلیٰ اصل دیکھ کر ہر سو میں نے شمار و قرائن کی روشنی میں جان سمجھ کر اور ہر باتیں سمجھ کر کے اپنے لئے لے لی ہیں اب اصل دیکھ کر اس کی ترویج ہو گی۔ اس کے بعد میں نے کچھ عہد دی یادداشتیں لے کر موصوف سے اس طرح اصل کا نظارہ کر اٹھا کہ اگر آپ اس کے کھس سمجھا تو فرمائی تو میں یہ نسخہ بھی مرتب کر دوں۔ موصوف نے جی ہری اور میں کراچی آگیا یہاں سے موصوف کو کھس مٹا کر اسے کی یادداشتیں کر لیں لیکن اسے برا کر دیا کہ غائب شد۔

اب لموسویہ کی مکمل کلیت اس لئے نہ رہی کہ جناب نجیم الہی غفر صاحب غفر سہ ماہی اہل فاضل حضرت اعلیٰ جلوی حاضر جناب کے ہوا اعلیٰ مگر رجاء اور جناب کے کتب خانہ حکام سے حلقہ ہیں "الہام کھنڈ" فرمادی تو یہ عبارتیں ہیں ایک کہ فقہ اہل امام اور اہل علم و ادب نجیم صاحب موصوف کے اس کارنامے کو لائق مد تحریک و تکرار قرار دیں گے۔

لہذا سب سے پہلے غفران کے باب نمبر ۱۰ میں مبینہ فراموشی کے ایک مضمون منسلق کی وجہ (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰) (۱۰۱) (۱۰۲) (۱۰۳) (۱۰۴) (۱۰۵) (۱۰۶) (۱۰۷) (۱۰۸) (۱۰۹) (۱۱۰) (۱۱۱) (۱۱۲) (۱۱۳) (۱۱۴) (۱۱۵) (۱۱۶) (۱۱۷) (۱۱۸) (۱۱۹) (۱۲۰) (۱۲۱) (۱۲۲) (۱۲۳) (۱۲۴) (۱۲۵) (۱۲۶) (۱۲۷) (۱۲۸) (۱۲۹) (۱۳۰) (۱۳۱) (۱۳۲) (۱۳۳) (۱۳۴) (۱۳۵) (۱۳۶) (۱۳۷) (۱۳۸) (۱۳۹) (۱۴۰) (۱۴۱) (۱۴۲) (۱۴۳) (۱۴۴) (۱۴۵) (۱۴۶) (۱۴۷) (۱۴۸) (۱۴۹) (۱۵۰) (۱۵۱) (۱۵۲) (۱۵۳) (۱۵۴) (۱۵۵) (۱۵۶) (۱۵۷) (۱۵۸) (۱۵۹) (۱۶۰) (۱۶۱) (۱۶۲) (۱۶۳) (۱۶۴) (۱۶۵) (۱۶۶) (۱۶۷) (۱۶۸) (۱۶۹) (۱۷۰) (۱۷۱) (۱۷۲) (۱۷۳) (۱۷۴) (۱۷۵) (۱۷۶) (۱۷۷) (۱۷۸) (۱۷۹) (۱۸۰) (۱۸۱) (۱۸۲) (۱۸۳) (۱۸۴) (۱۸۵) (۱۸۶) (۱۸۷) (۱۸۸) (۱۸۹) (۱۹۰) (۱۹۱) (۱۹۲) (۱۹۳) (۱۹۴) (۱۹۵) (۱۹۶) (۱۹۷) (۱۹۸) (۱۹۹) (۲۰۰) (۲۰۱) (۲۰۲) (۲۰۳) (۲۰۴) (۲۰۵) (۲۰۶) (۲۰۷) (۲۰۸) (۲۰۹) (۲۱۰) (۲۱۱) (۲۱۲) (۲۱۳) (۲۱۴) (۲۱۵) (۲۱۶) (۲۱۷) (۲۱۸) (۲۱۹) (۲۲۰) (۲۲۱) (۲۲۲) (۲۲۳) (۲۲۴) (۲۲۵) (۲۲۶) (۲۲۷) (۲۲۸) (۲۲۹) (۲۳۰) (۲۳۱) (۲۳۲) (۲۳۳) (۲۳۴) (۲۳۵) (۲۳۶) (۲۳۷) (۲۳۸) (۲۳۹) (۲۴۰) (۲۴۱) (۲۴۲) (۲۴۳) (۲۴۴) (۲۴۵) (۲۴۶) (۲۴۷) (۲۴۸) (۲۴۹) (۲۵۰) (۲۵۱) (۲۵۲) (۲۵۳) (۲۵۴) (۲۵۵) (۲۵۶) (۲۵۷) (۲۵۸) (۲۵۹) (۲۶۰) (۲۶۱) (۲۶۲) (۲۶۳) (۲۶۴) (۲۶۵) (۲۶۶) (۲۶۷) (۲۶۸) (۲۶۹) (۲۷۰) (۲۷۱) (۲۷۲) (۲۷۳) (۲۷۴) (۲۷۵) (۲۷۶) (۲۷۷) (۲۷۸) (۲۷۹) (۲۸۰) (۲۸۱) (۲۸۲) (۲۸۳) (۲۸۴) (۲۸۵) (۲۸۶) (۲۸۷) (۲۸۸) (۲۸۹) (۲۹۰) (۲۹۱) (۲۹۲) (۲۹۳) (۲۹۴) (۲۹۵) (۲۹۶) (۲۹۷) (۲۹۸) (۲۹۹) (۳۰۰) (۳۰۱) (۳۰۲) (۳۰۳) (۳۰۴) (۳۰۵) (۳۰۶) (۳۰۷) (۳۰۸) (۳۰۹) (۳۱۰) (۳۱۱) (۳۱۲) (۳۱۳) (۳۱۴) (۳۱۵) (۳۱۶) (۳۱۷) (۳۱۸) (۳۱۹) (۳۲۰) (۳۲۱) (۳۲۲) (۳۲۳) (۳۲۴) (۳۲۵) (۳۲۶) (۳۲۷) (۳۲۸) (۳۲۹) (۳۳۰) (۳۳۱) (۳۳۲) (۳۳۳) (۳۳۴) (۳۳۵) (۳۳۶) (۳۳۷) (۳۳۸) (۳۳۹) (۳۴۰) (۳۴۱) (۳۴۲) (۳۴۳) (۳۴۴) (۳۴۵) (۳۴۶) (۳۴۷) (۳۴۸) (۳۴۹) (۳۵۰) (۳۵۱) (۳۵۲) (۳۵۳) (۳۵۴) (۳۵۵) (۳۵۶) (۳۵۷) (۳۵۸) (۳۵۹) (۳۶۰) (۳۶۱) (۳۶۲) (۳۶۳) (۳۶۴) (۳۶۵) (۳۶۶) (۳۶۷) (۳۶۸) (۳۶۹) (۳۷۰) (۳۷۱) (۳۷۲) (۳۷۳) (۳۷۴) (۳۷۵) (۳۷۶) (۳۷۷) (۳۷۸) (۳۷۹) (۳۸۰) (۳۸۱) (۳۸۲) (۳۸۳) (۳۸۴) (۳۸۵) (۳۸۶) (۳۸۷) (۳۸۸) (۳۸۹) (۳۹۰) (۳۹۱) (۳۹۲) (۳۹۳) (۳۹۴) (۳۹۵) (۳۹۶) (۳۹۷) (۳۹۸) (۳۹۹) (۴۰۰) (۴۰۱) (۴۰۲) (۴۰۳) (۴۰۴) (۴۰۵) (۴۰۶) (۴۰۷) (۴۰۸) (۴۰۹) (۴۱۰) (۴۱۱) (۴۱۲) (۴۱۳) (۴۱۴) (۴۱۵) (۴۱۶) (۴۱۷) (۴۱۸) (۴۱۹) (۴۲۰) (۴۲۱) (۴۲۲) (۴۲۳) (۴۲۴) (۴۲۵) (۴۲۶) (۴۲۷) (۴۲۸) (۴۲۹) (۴۳۰) (۴۳۱) (۴۳۲) (۴۳۳) (۴۳۴) (۴۳۵) (۴۳۶) (۴۳۷) (۴۳۸) (۴۳۹) (۴۴۰) (۴۴۱) (۴۴۲) (۴۴۳) (۴۴۴) (۴۴۵) (۴۴۶) (۴۴۷) (۴۴۸) (۴۴۹) (۴۵۰) (۴۵۱) (۴۵۲) (۴۵۳) (۴۵۴) (۴۵۵) (۴۵۶) (۴۵۷) (۴۵۸) (۴۵۹) (۴۶۰) (۴۶۱) (۴۶۲) (۴۶۳) (۴۶۴) (۴۶۵) (۴۶۶) (۴۶۷) (۴۶۸) (۴۶۹) (۴۷۰) (۴۷۱) (۴۷۲) (۴۷۳) (۴۷۴) (۴۷۵) (۴۷۶) (۴۷۷) (۴۷۸) (۴۷۹) (۴۸۰) (۴۸۱) (۴۸۲) (۴۸۳) (۴۸۴) (۴۸۵) (۴۸۶) (۴۸۷) (۴۸۸) (۴۸۹) (۴۹۰) (۴۹۱) (۴۹۲) (۴۹۳) (۴۹۴) (۴۹۵) (۴۹۶) (۴۹۷) (۴۹۸) (۴۹۹) (۵۰۰) (۵۰۱) (۵۰۲) (۵۰۳) (۵۰۴) (۵۰۵) (۵۰۶) (۵۰۷) (۵۰۸) (۵۰۹) (۵۱۰) (۵۱۱) (۵۱۲) (۵۱۳) (۵۱۴) (۵۱۵) (۵۱۶) (۵۱۷) (۵۱۸) (۵۱۹) (۵۲۰) (۵۲۱) (۵۲۲) (۵۲۳) (۵۲۴) (۵۲۵) (۵۲۶) (۵۲۷) (۵۲۸) (۵۲۹) (۵۳۰) (۵۳۱) (۵۳۲) (۵۳۳) (۵۳۴) (۵۳۵) (۵۳۶) (۵۳۷) (۵۳۸) (۵۳۹) (۵۴۰) (۵۴۱) (۵۴۲) (۵۴۳) (۵۴۴) (۵۴۵) (۵۴

”علم ہی میں داخل رہنا“ کے یہ حوالہ اعلیٰ سطح پر علم میں کسٹھ ایک حکیم محمد بنی علی سید صاحب کے اعلیٰ کتب کی زینت ہے۔ کتب بھول ہوا علم ہے۔ قرآن کی تفسیر ہی کہ اس کی تکلیف بطور خاص ہے لیکن یہ لفظ داخل رہ گیا ہے۔ لہذا مسلم ہوا ہے کہ تفسیر بھولنے کے دوران میں کوئی اللہ تعالیٰ کی نور کتب سے اسے اور چاہی میں چھوڑ دے اور پھر عمل کرنے کی قوت نہ آئے۔ (مفتویٰ ص ۳۳)

لفظ سید کے حلقہ میں اہل علم کا ہونا قائم رہتا ہے، حتیٰ کہ اگر وہ اس لفظ کو دلچسپی نہ لیتے تو انہوں نے کتب میں وہ روایت نہ لکھ کر کے اہل علم میں لگ رہا کہ تو روایت محفوظات کے حلقہ کتب کہ یہی حق اور سچ میں دیر الحسن بھائی مرحوم نے کتب میں لکھ کر ثابت کیا ہے کہ یہ حق ہے۔ شریعت میں سے روایت بھولنے ہوئے تھے انہی روایت کو ذرا شک اور ان میں موصول نے بھول کرنے کی کو حلقہ کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر محفوظ دیکھتے تو واضح ہو جاتا کہ لفظ سید اور اصل حلقہ عزت اور دہلی سید صاحب کی دانش ایک صر ہے۔ حلقہ ہی تھوڑا سا کتب کو اس کی تکلیف علم ہوئی کہ لفظ داخل ضرور ہے لیکن اس کے داخل ہونے کی وجہ سے کوئی اللہ تعالیٰ نور کتب سے اسے اور چاہی میں چھوڑا ہے۔ لہذا اس نے اپنے اہل علم کے مطابق لکھا یا کتب کیا ہے۔

میں اس کے بعد اس نے کافور گل دھار مروجہ دارم الحنن عابدی مرحوم میں دتا ہے اور چھ مہلت کے ٹکس بھی شامل کرکے
ہیں۔ عابدی مرحوم نے خاصی عزت اور دہائی کی دہائی سے کوئی مسئلہ کیا ہے۔ سن کی محنت کی دوا میں اپنی مروجہ گل دھار میں دے چکا
ہوں اور ساتھ ہی میر حاصل تیرا بھی لکھ چکا ہوں میں نے شہرے میں اور قیادت میں عابدی مرحوم کے قیادت اور صرف نظر امور
تصیل سے بیان کر دیتے ہیں۔ یہاں صرف یہ ماحول چلی گیا جاسکتا ہے۔

”صرف کے اس بات سے یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ موصوف نے پہلے لٹو سیرا سے لیا اور مظلوم صوں کی عقلی معجزی
بانگ رام کے متعلق اور لٹو مرنی سے کی۔ خانہ گل دھار چنگ کے قلم لٹے سے لیا اور ان کا متعلق لٹو خواب سے کیا لٹو سیرا
میں خانہ نہیں ہے کیونکہ اس مسئلے میں تریے سے پہلے یہ شعر ہے۔

باب زہر بیست لڑنے کو ہی کسم

کئی داسطی دولت و لیم نہ

اس شعر مکر دم اور کے بعد ہم لٹو سیرا کے حق کے کو ایک چلی کرنے کی کو حلق کرتے ہیں۔ گل دھار کا حق بھی عابدی اور
بانگ رام کی مروجہ گل دھار میں سب لڑی ہے۔

پہلے لٹو سیرا کا کام اور مسدود شہید صاحب کا کام ہادی مسدود خانہ لٹو خواب اور بھی مروجہ گل دھار میں آتی ہے۔
(۱) لٹو سیرا میں پہلے کھل ہے اور آخر میں ”مکرہ شاد رام ہی کہہ ۱۹۳۵ء مروج ہے۔ مگر گل دھار میں اصل لٹو سیرا کو ظاہر کیے
پہلے۔“ انیس سیرا میں مروجہ حق کرنا چاہیے۔ پہلے میں معمولی لٹو خواب ہے۔ پہلے کی طرح حق کے بعد اور کام
ہے۔ یہی طرح کی مطابقت ۱۹۳۳ء سے ہوئی ہے۔

(۲) صاحب کا کام اور گل دھار میں ۱۹ فرلوں سے لٹو خواب ہوئے ہیں۔ لیکن لٹو سیرا میں مروجہ ”پہلے لٹو خواب“ لکھنے کے بعد
یہ سولہ شعر نقل ہوئے ہیں۔ یہ گل دھار کی چھ مختلف فرلوں کے ہیں:

قا خواب میں خواب کو قلم سے مظل

جب آنکھ کھل گئی نہ لیاں قلم نہ سودھا

لہا ہوں کتب قلم دل میں سبق آموز

لیکن یہی کہ دقت کیا اور بد قلم

امیلا کتنے نے دارغ صوبہ برنگی

میں درد ہر لہاں میں آگ دہو قلم

دست فراموشی میں بھی کسی لہری کے کیا

دلم کے بھرتے تک باطن نہ بندہ کوئی کے کیا

خانہ دار دلف ہیں دلیر سے بھائی کے کون

ہیں کرکھ دھاروں سے گھرا دیں کے کیا

مرض کچھ دہر لٹو کی گری کئی

بکھر چیل گیا تھا وحشت کا کہ صراہل کیا
 محبت تھی مابین سے لیکن لب پہ ہے دہلی ہے
 کہ صبح ہونے لگی سے ناک میں آگے دم مرا
 عزم نہیں ہے تو ہی لوہے راز کا
 ہاں درد جو کلب ہے ہوا ہے مار کا
 تو دور سے غیر نظر ہونے تو جو
 میں درد دکھ تھی مٹا ہونے راز کا
 ہیں اب کی بھڑی ہوا سے شیلے انہیں رہے
 ہر گوشہ پہلا ہے سرخسہ ہوا کا
 نکلج کوشش تم جہاں ہر ہمد
 جہد کہ تھا دھندل کر ہونے راز کا
 پار میں جب وہ چاہتے ہیں
 میرے انہوں کو جدا ہوتے ہیں
 کہ کا کس نے اڑ دیکھا ہے ہم
 بھی ایک اپنی ہوا ہوتے ہیں
 تیرا ہستی سے رہائی معلوم
 نکل کر ہے سہا ہوتے ہیں
 نکلنے ہونے مٹا میں سے ہرچ
 لوگ ہونے کو رہا ہوتے ہیں
 کس کا دل زلف سے ہوا کہ اس
 دست شدہ یہ تھا ہوتے ہیں

یہ سارے شعریں چھ لڑکیوں سے منتخب ہونے ہیں اعلیٰ درجہ میں ان کا نمبر ۱۰۲۰۱۰۱۰ اور ۱۰ ہے ان سارے شعریں کے بعد "تم ودا شعر" کے
 الفاظ کہ کہ اردو انکلب ختم کر دیا ہے اس انکلب و انقلاب کے بعد قاری کام کا آغاز یہ ہیں کہ انہیں نے کئی درجہ میں "مناویں"
 قائم کیا ہے اور یہ ہے اس عبارت کے بعد قاری کام کی تکمیل ہے۔
 یہ قصیدہ دوسرا صاحب داتا صاحب علیاں علیاں علیاں علیاں داتا صاحب

دیکھنے کے اختتام پر صبح کی گئی ہے۔ خود پارسہ مجھ سے کے آخر میں لکھا کے کتاب چھٹی مرتبہ لکھنے لگے تھی، اختتام کی تاریخ ۲۰ مئی
تھو ۲۰۰۵ء کھس ہے جس کی مطابقت تاریخ ۱۷۷۳ء سے ہوئی ہے۔ ۲۰۰۵ء

ہادی مرید گل رحمانی کل اشعار ۲۰۰۵ء ہیں۔ سن میں تین شعر گل رحمانی نام سے لکھے ہیں۔ ایک نام میں ۲۰۰۵ء ہیں جن میں ۳
شعر ہادی گل رحمانی سے لکھے ہیں۔ ہادی میں کل ۲۰۰۵ء شعر ہیں جن میں ۲۰۰۵ء ایک نام کی مرید گل رحمانی کے ہیں اور حاکمیں لکھتے ہیں
سورہ کے تاکر شامل کے ہیں جن کی تفصیل صبح ڈیل ہے پہلے چار چار قروں کے مسئلے اور شیخ صاحب فریڈینڈ
فریڈ فریڈ

حاکم کر ہے دلد اس قدر جس بڑا رضوان کا
روانک گورس ہے ہم یہ قروں کے حلق لہان کا
نکر میں ہے ہادی لکھ رہا کتاب
کہ یہ شیراز ہے لکھ کے ازلے پہن کا

فریڈ نمبر ۱

ہم نے بھون پھونکیں میں لکھ
نکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
ہم نے بھون پھونکیں میں لکھ
نکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ

فریڈ نمبر ۲

حسن طوے کی کھانسی سے پھانسیب ہو
ہم نے لکھ سے ہیں لکھ لکھ لکھ لکھ
لکھ ہے لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
کس کے لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ

فریڈ نمبر ۳

لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ

دشمنی اور قریب ہادی۔

۱۰ غزلیات قاری گل کو

و ترجمہ "ہم شد گل و ہوا طرح" اسم دی قدر ۱۵۲ھ "یہ ۲۷ فوروری ۱۸۸۳ء سے مطابقت رکھتی ہے۔

گل و ہوا سے یہ حتیٰ بہت کم ہے اور غزلیات کے ۳۵۳ شعروں میں صرف ۲۱ درج ہیں۔ گیارہ ۳۳۸ شعروں میں ایک قطعہ قاری کا نہیں ہے اور قاری کی ۲۷ غزلوں میں سے صرف ۹ غزلیں ہیں گیارہ غزلیں قاری کی نہیں ہیں۔ قاتر گل و ہوا بھی نہیں ہے۔ اس لئے ہم ہے کہ اس میں بعض اشعار و محلات جان کے گئے ہیں اور بعض قاری اشعار بھی ایسے معدوم ہیں کہ جن سے تاجت کلام میں مدخل ہے۔ قاری مراد گل و ہوا میں چھ شعر قاری قصیدے کے ایسے مقل ہیں جو نسل ملک میں نہیں ہے اور ان میں یہ ایک شعر ایسا ہے جو کہیں نہیں پایا جاتا۔

اوران از مریدان وطن نشووم

یہ خلف از وطن ہم چوں غریبوں شوم

اسود زکونہ کی مدثنی میں نسل جمل سویا گل و ہوا کا انتخاب ہے جو قاضی عزت اللہ دہلوی نے کیا اور اپنی جاض میں درج کر لیا اس میں دیباچہ کے بعد معدوم تاریخ سے صرف اشعار آئے ہیں کہ گل و ہوا کا کوئی ایسا نسل قاضی صاحب کے سامنے تھا جس میں دیباچہ کے بعد یہ تاریخ جیت تھی۔ یہ صاحب نے وقت فعل کسی ہو گیا یا ہر نسل کے کاتب نے خود کو دی ہو گی۔ گل و ہوا کے حتیٰ کے علاوہ دو قاری عزا اور چار اور غزلیں بھی اس جاض میں نقل ہیں۔

والله اعلم

مرزا غالب کی شہنشاہی

[illegible]

دوسرا دور فورٹ ولیم کالج کے بانی کورسوں کا قیام جن میں "مذہب و تہذیب" کی بحث کے مطابق مصنفین نے اس لیکچر سے بہرہ ور ہو کر مرزا صاحب کو مزے پہنچا دیئے جو تحقیق کر کے سونے اور سانس کو اپنا اور لہو کو ترک کر لیا۔ یہی ہے جن کی قدیم روای سے آزاد کر کے اسے مغربی تہذیب کے افکار کا وسیلہ بنا اس طرح جہاں دور اول کی تشریحات مشرقی طرز احساس سے عمل دیکھی اور اقتدار پر مبنی کارباز نظر آتا ہے وہاں دوسرے دور میں اس سلسلے سے انحراف اور مخالفت لہجوں سے ہم آہنگی کا دور واکھلی رہتا ہے۔ یاد رہے کہ دور اول، مثال بہت سے دور دہائی گئے سے وابستہ ہے۔ جہاں مشرقی تہذیب و فطرت اور مغربی طرز احساس کا انہیں فرق موجود تھا۔ مثال بہت کی مثال اور مشرق و مسیح ٹکڑے مقابلے میں فورٹ ولیم کالج میں ایسی تہذیب کو دیکھا کہ عام ہل چال کے قریب اور عام بھاری کے لئے کھل گئی تھی۔ چنانچہ

”محبوبوں کے ہمدردی جان لی کر قسمت نے لطف سے لہلہا کر اس قلعے کو عظیم بندوختی کھنگھڑ میں جو اس کے لوگ جہو، مسلح، عزت، سحر، آگے ہلے، خاص، نام آگیاں میں پڑے ہی، زبرد کو“

میرا میں لودن کے مختلف ادو تڑ کوئے قری قضیوں کے مطابق اعلیٰ کی کو شقی کی جنکی طو اپنے طرز اسس کو پوسے طو
 ی نہ بدل سکے۔ اس کاوش ی ہے کہ اول فوٹ ویم کوئی کے تمام معنی کی تڑ یکس طبعیت کی مائل فیض۔ مثال کے طو یہ یل
 ی باد بھی تڑ کسی دوسرے مسق کے حصے میں نہیں آتی۔ دوسرے فوٹ ویم کوئی کے آلو معنی جن میں طو میرا میں اگی شامل ہیں۔
 قی طو آخر جینی ی مختلف تڑی سوب کے سرت یہ ری طو یہ یں لگی سکے۔

مذاہب کو یہی وہ اہم اسلوب درست میں ملے تھے جن کے مطالعے سے ہمیں اگر ایک طرف مسیح اور تنگ نظر مخلقت اور اس کے حکم داری اہلیت نہ ہونے کا احساس ہوا تو دوسری طرف فطرت و علم کلام کی ترقی کے بارے میں احساس ہوا کہ یہ اسلوب پرچہ عام فہم سے بچیں اس میں اپنے فلسفے کے چاقی شعور اور زندگی کی مٹائی نہیں کی گئی۔ چنانچہ غالب نے اس کی کامیابی کرتے ہوئے اپنے شعری اسلوب میں نہ صرف اس کی صفائی کی بلکہ غور و فکر کا ایک اہل علم نمونہ بھی دکھا کر دیا۔

عالم کا طریق سہلہ دنیا، تر علوم کی عقل میں ہے جن کے حدود مجھے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ موبہدی "عالم کے سہلہ"

جانب نے غلوہ لڑی کے ذریعے جس اسلوب نگارش کو روشناس کرایا۔ اس میں نہ محض اسلامی ورواست اور کوہنگری ہے اور نہ اور
 نہ صرف اوائے مطلب کو سامنے آکھایا ہے بلکہ اس کے ہاں قسم کے مختلف انداز اور رنگتے کی بکلی غریب سے بکلیا اور کرایا اسلوب اختیار

کیا ہے جس میں اللہ اور مطلق نام یک جان ہو گئے ہیں۔ اسلوب کے بارے میں اگر یہ مفروضہ مان لیا جائے کہ:

”اسلوب کھینچنے والے کی شخصیت کا یہ تو ہوتا ہے تو یہ بات بلاطوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ غالب کی نثر میں کی شخصیت کی مکمل طور پر آئینہ دار ہے اور ان کی طرز نگارش میں ان کی شخصیت کا مغربی ہونا ہر طرح کے تشبیہ اور مختلف سے پاک بالکل واضح نظر آتا ہے۔“

غالب کا اردو ادبی مزاج ’مشرقی طرز احساس سے وابستگی‘ ’تذہبی فہم سے ہم آہنگی‘ ’جنت اور عسری قوانین‘ ’فریادِ غریبہ‘ میں کی شخصیت کے قریب پہلوؤں کی نثر میں صاف نظر آتے ہیں۔ انہوں نے نثر میں بے غلبہ انداز پر توجہ دی اور سادگی، سادگی اور سادگی کا شعار بنایا۔ ان کی نثر میں شمال انگیزی کے ساتھ ساتھ اتر مغربی کا عنصر بھی نمایاں ہے۔

غالب کی نثر کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ ان کے ہاں نثر کی مختلف انواع کے تقاضوں کا شعور موجود ہے۔ یہ غلطی ان سے پہلے کسی نثر نگار کے حصے میں نہیں آئی تھی انہوں نے ایک وقت میں نثر کے مختلف اسلوب کو یک جا کر دیا ہے۔ ان کی بعض عبارتوں پر داستان گوئی کا گمان ہوتا ہے تو بعض عبارتیں غزل گوئی کا اسلوب لے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ان کے بے شمار مکالمے دار سے کے متحرک اور زندہ مکالمے دکھائی دیتے ہیں۔ چند نمونے سامنے فرمائیے۔

۱۔ اگر زندگی ہے اور ناپائیداری کے ڈکھائی کی جائے گی۔

۲۔ کام جان کی گلی ’خیراتی کے پھانک سے چل کر چک غصے کے پھانک تک بے چراغ ہے۔

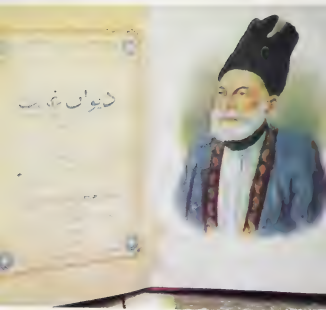
۳۔ یہاں تمہارے دوا تو نواب امین الدین جان بھڑا ہیں ’میں تو تمہارا بندہ ہوں۔

۴۔ اسی چمڑی کج رفتار کا رہو ’ہم نے اس کا کیا کارا خدا تک وہاں وہاں جہاں تک نہیں دیکھتے تھے ’ایک گوشہ وحش خدا

چند مجلس و سہ نوا ایک جگہ فراہم ہو کر کچھ غصے ہول لیتے تھے۔

سواری نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اسے غلبہ اور قیاس کچھ نہ تھا ایک عمر دیکھتا

غالب نے اردو میں جس زندہ اور قابل تنقید نثر کی بنیاد رکھی اسے ان کے بعد قبول عام حاصل ہوا اور یہی سبب ہے کہ آج کے دور میں بھی ان کے ہاں غالب کے اسلوب کا یہ تو نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔



یہ تصویر ڈاکٹر حسین نے کسی جرمن لکاش سے
 چار سو سال پہلے۔ اس تصویر کی تیاری کے لئے مولانا
 علی کے پاس سے لگی استفادہ کیا گیا

خطے میں جس قدر اصطلاح استعمال کر سکا تھا وہ کیا۔ یہ تصویریں اس کے سامنے تھیں۔ غالب کے نقوش اور لحاظ داخل کی ساری خصوصیات کو اس نے ہر کلمہ غالب کے سوشل و فنی امتیازات کو بھی نظر انداز نہ کیا۔ آخر عمر کی احمول کیفیت و چہرہ کی اس ہمر میں غفلت ہو گئی ہے۔ — یہ قسم پاؤں کے پلہ، ظاہر اس ہمر کو "غالب" کہنے کے لئے چار نہیں۔ وہ اسے "کھانگی شاعر" کہنے پر مصر ہے۔ یہی نہیں کہ سکا کہ فکار کو اس عنوان پر کیوں اصرار ہے ہر ایک عنوان یکہ ہی ہو غالب ہر غالب ہے اس کی غفلت اس عنوان سے بھی ظاہر ہے اور جو ہمر تخلیق ہوا وہ غالب کے سوا اور کون ہے؟ اگر فکار کا جذبہ یہ ہو کہ وہ سب سے عظیم شعرا کو بھی اس "عظیم" میں لٹا دے وہی جائے تو کچھ برا نہیں یوں "کھانگی شاعر" ہونے میں بھی وہ اوصاف "جالتے ہیں جو ہم غالب سے منسوب کرتے ہیں اور جن کا اصل اصطلاح نہیں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا غالب کی یہ نگلی شہیہ یاد کرتے ہوئے فکار نے غالب کی شخصیت کا پورہ مطالعہ کیا تھا اور اس نے اس خصوصیات کو چرخی گرفت میں لیا تھا جس کی وجہ سے غالب ایک تہذیبی علامت بن گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کا یہ نگاہ پلاند نے بھی نہیں دیا اور چند لکھی باتیں بھی شامل کر دی ہیں جو فکار کے ادبی فکر کا ہم دیکھتی ہیں۔ فکار اپنے موضوع کو کسی کس لکھنے سے دیکھا ہے میں پر یوں بھی کوئی تہ فنی نہیں لگتی جا سکتی۔

بعد نے یہ ہمر یعنی غنیمتوں کے اسلوب پر غلط ہے کہ اصطلاح "کلیہ یک" کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کھانگی غنیمتوں کے لئے یہی اسلوب مناسب بھی ہے کیونکہ وہاں وحشت کو امیر کرنے کے لئے اس اسلوب کی روایت گور کی روایت بھی کرتی ہیں اور وہ بھی۔ مگر بعد نے شرقی مزاج وادوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے اور ہمر جاننے کے وقت ایک نئی نئی راستہ اختیار کیا ہے۔ اگر ہمر میں انہیت کی جھلک نہ دکھائی دے۔ مثلاً "آپ پاؤں کی ترحیب میں یعنی کھانا کی بجلی سی جھلک پائیں گے تو آنکھوں میں وہ جھلک دورانی اور شعلہ بھی نظر آنے کا جو غالب سے غصہ اور اس کے فنی خطرے متوجہ ہے۔ عمر کی روایت سے آنکھوں کے نور میں دیمیاہیں بھی ہے گویا چراغ کی اور شمع تو ہے شہزادہ فزوق بہت شب نے غوثی کی سیر سے قریب پہنچا ہوا ہے؟

بعد نے یہ کام اپنے عام انداز کار سے مختلف طور پر کیا ہے کیونکہ اس کے دیگر مجسمے کھانگی یا "روایتی" موضوعات و اسلوب سے مختلف نہیں ہیں۔ اس کی علامت علامت نے دوسرے روپ اختیار کئے ہیں۔ بعد رامپور کے ایک بیت تھیں گمراہے کا جنم و چراغ ہے۔ چودھری شاد میر شکر اور دھرم پاترا جیسے مشہور استادوں کا شمار دیا ہے۔ اس نے گھنٹوں کے ترش لیز کا شس کٹا سے دھندلہ سندھ لئی بھی حاصل کی ہے۔ اس کے فنی کی نوائشیں کی جگہ ہو چکی ہیں اور غنیمتوں کی تصویر اظہار میں شروع ہوئی رہی ہیں جنہیں غور فنی نے سراہا۔ پسندانی طور پر وہ نمود لائیں کا شوق نہیں بلکہ غور محنت سے بھی نمود ہے غور فکار کی روایت ہے پردہ فنی اس میں بھی نمود ہے۔

بعد نے ہمر ساری کے علاوہ عقل نگاری بھی کی ہے۔ تجزیہ طوطا اور کرب و بخت رنگوں کا شائق و گدیدہ ہے۔ اس کے موضوع اور تہذیبی دل کی دھڑکنیں ہیں۔ فنی کے عظیم فنی پاؤں کو دیکھنے کے لئے اس نے ہر سے برصغیر کا کوہ کنہ چمن مارا ہے۔ ہر پائنتوں میں سوئی ہوا دہ چنے اور چٹلا کے سرچشموں کو دیکھ چکا ہے۔ جو میں ایلے رامپور اور ہندوستان کے ہمارے دیکھے ہیں۔ ساری گمراہ کا غور فنی جہاں فنی کی نمود ہے وہ بعد کی نگاہ سے گزر چکی ہے۔ جیسے جیسے عمر میں غفلت ہو گا اس کے فنی تجربات اور متنازعہ توجہات کا وہ فنی دستچ ہوتا جائے گا جس کی ہمیں چرخی توقع ہے۔

تعلیقات غالب

شعری اصطلاح میں "غزل" یا "تن" ایسے اشعار کو کہتے ہیں جن میں کوئی شاعر اپنی حالت اور اپنے کل فن و لہجہ پر فخر کا اظہار کرتا ہے۔ "لعل لب سے انواع شعری میں غزل کو ایک خاص صنف قرار دیا جاتا ہے۔" عربی نگاری اور اردو کے تقریباً تمام شعراء (غالب، اقبال، امداد) کے یہی ہمیں ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں وہ کسی نہ کسی انداز میں اپنے کل فن اور بعض شعراء اپنی برتری کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔

مثلاً "غزل" عربی کے یہ اشعار ملاحظہ ہو:

بازئی سدا بہشت خاک شیراز ازچہ بود
گر بید اگر کہ گرد سوادہ دلائے من
تقریب کہ من تو سر مدح سادہ دم
نہ انوری نہ لعلی وہ نہ بہلی

یا مثلاً "میر" لکھتا ہے۔

میر ہے میرا لہلہا ہوا
اگرچہ گوشت گری ہوں میں شاموں میں میر
پہ میرے شعر نے دوسے کی قسم لیا

اسی طرح صفحہ اور سدا کہتے ہیں۔

صفحہ رنک بنگلا ہے مرے رنج کو
شادیوں گر ہے مزا کی بھی موزلی کا
موس معنی کی تصویر کھینچ آئی ہے سدا کو
کئی خاطر میں اس کے ہائی و مزا تو ہے

غزلی میں لعلی جیسے عناصر قسم کے شعراء بھی تھے۔ ان سے نہیں بچ سکے اگرچہ ان کے یہی ایسے اشعار لکھے گئے ہیں اور چند ایک شعراء ایسے ہیں جن کے یہی غزل اشعار کی خاصیت تھی۔ ان میں غالبی و مثنوی وغیرہ سرفہرست ہیں۔ یہ شعراء ایسا کہ پہلے عرض ہوا انہیں روا دست اپنے کل فن اور اپنی عظمت کا اظہار کرتے ہیں اور کہیں دوسرے شعراء کو اپنے سے کم درجے کے شاعر کہہ کر اس سطح میں مثنوی یا دہم ہے اور اسی درجہ سے اسے منظور شاعر کہا جاتا ہے۔ مثلاً "مثنوی ایک جگہ خود کو تو "حک العظم" کہتا ہے لیکن غالبی جیسے بڑے شاعر کو "عظم" (مہربان) شعر کہنے والا کے لقب سے یاد کرتا ہے۔

"اسلام اے حک انصاف" بدایہ و بدوفاک
چن بادشاہ عالم شادیوں رستم

لنہ ہیں کہ مراحل دلہ از رنگ
ہر آنستہ یں از مرگ سوخت غافل

غالب کے یہاں بھی فعلوں کے اشعار کثرت سے ہیں، جہاں تک اس کے لفظ کام کا تعلق ہے اس میں اس قسم کے اشعار گنتی کے ہیں اور ان میں بھی بیشتر اس کا لہجہ دہمیا ہے، جیسا کہ کسی دوسرے شاعر نے اپنی برتری کا اظہار نہیں کر سکا، بلکہ پاداشط طور پر اپنے استاد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے:

دہلے کے تیس استاد نہیں ہو غالب
کتنے ہیں لنگے دہلے میں کوئی میر بھی تھا
ہو یہ کہے کہ دہلے کیے کر ہو دہلے دہری
گفتہ غالب ایک بار پادہ کے اسے تاکہ ہیں

لیکن دہری شاعری بالخصوص قصیدے میں اس کے فن کے اشعار کی تعداد جتنی ہے اور کئی ایک جگہ انداز بیان عربی کا ماہر ہے۔ یہ قصائد کے حوالہ بعض نعتیہ اور منقبت کے قصیدوں میں بھی کہیں دہ چار چار اشعار میں اور کہیں دس دس بار بار شعروں میں اس نے اپنی ملی و مستحق قبولی کا ذکر جسے فن کے انداز میں اور اچھوتے ہیں کے ساتھ کیا ہے۔ ایسے بعض اشعار میں تو واضح طور پر دہ کسی جیسے استاد سے اپنا موازنہ کر کے اس سے اپنی برتری کا دعویٰ کرتا ہے اور بعض میں اسے حقد کے لئے اشدوں اور کٹیوں سے کہہ لیتا ہے۔ مثلاً ایک مقام پر بارہا ہی جنت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

باہنہ بھڑا کش گفتار کہ مستم
ادب ہنرمند نیر غلط ہیں را
بخت سطر معراج و اقل فرم نیست
تسکین پہ نظم دل بنگہ گزین را
دہانگ زنی کاخ و درہ عطف
گرم ہلچل باد تین پہ شادیں را

(اگر تم یہ کہو کہ قدرت نے ہم بخت و شہریت جادو کو خلق دی ہے تو حقیق ہے یہ سب کہ اسے مبارک تینوں میں حاصلہ کا کیا ہوا)

جادو انھوں نے صدی بڑی کا ایک عظیم قول کو شعر ہے اس نے دہری قول کو با حواس بنا لیا اور کلمہ لکھا دہ کسی بھی دوسرے شاعر کو نصیب نہ ہو سکا اور پہلی مثال اگرچہ جادو کے نام سے ملتی دوسرے شعروں ہی سے لئے گئے ہیں پھر بھی اس کی فزونی نے دنیا میں غلط نہ کیا کہ دہ اس کے آگے ساری مشہور خواہ اور ساری چھ شعروں کے ہرگز کی بھی آوازیں نہ پڑ سکیں۔ (شعرا نگر جلد ۲) آج بھی جہاں ایران میں اس کے کام کو شامت کے لفظ سے قرآن کریم کے بعد دوسری حیثیت حاصل ہے وہاں دہ تمام دنیا میں کمال و بہتہ و شوق پر مہمان ہے۔ ٹھیکری جیسا اور افکار شاعر بھی جس کے ہنرمندی میں قول کہ کہ غالب ایک قسم کا غرض ہوں کرتا ہے:

غالب خواہ نظمی اور شمس غالب
غیا لہو ام و نظم انزل دلم

مشکل ہے دراصل غالب کا زیادہ تر میدان قصیدہ اور غزل ہے اگرچہ اس کی شاعری بھی بعض خصوصیت کی حامل ہے لیکن نکال :
بہر حال اس پر فوقیت حاصل ہے۔

مرزا کے فنیہ شعراء میں بیشتر خلقت کا تصور پایا جاتا ہے ایک جگہ وہ کہی جاتی کہ غزل کی طرف توجہ دے کر بددلی کا اضافہ کرتا ہے تو
وہ مری جگہ اسے اپنے مقابلے میں چچا کا سزا دیتا ہے۔ مثال کے طور پر قصیدی سے اسے یہ حقیت تھی کہ جس طرح اس نے اس سے
کس فیصل کیا ہے اس کا وہ جگہ جگہ اظہار کرتا ہے:

ہم غم و غر مولانا قصوری دہم ہم غالب

دک جی کہہ ہم شیریں اورانی کتابی را

دل بددلی قصوری ہاں غالب بحث پرست

وہ غزل و غنئی طبع نہ دکانو سے

اور شاعری "ہم غالب" میں ایک جگہ لکھا ہے:

داسن از کف کس چو نہ رہا

غالب و معنی و نظیری را

جسہ رنہ دودن سخی را

کہ قصوری بہان سخی را

آنگہ از سر فرازی گلشن

اسپن ساست ہاجم طغی

طرزہ اعلیٰہ کالیہ دوست

وہ تن لفظ جان و سہ دوست

پشت سخی قوی زہلعلی

خبر رافریں زہلعلی

اور سداورد زہلعلی قصوریت و غنئی

لیکن یہ نکتہ یہ آتا ہے تو غور کو اس کا ہم پر قرار دیتا اور لکھا ہے کہ وہ کہو میں نے قصوری سے لایا ہے وہ مجھ سے دلیلی سے
سکتا ہے

غالب ہ شعر کم و قصوری ہم دے

عدل ش حق دس دوا لوق کو

طاہر ہم دس آچہ از قصوری یا ہتم غالب

اگر چاہد جانان راز میں داسری ہاں

نظیری کو جس کی چوری میں غزل کہہ کر وہ قدرے خوف اور فکر کے طے پانے نہایت کا اظہار کرتا اور یہ بھی لکھا ہے کہ میں اس کا

جی ہاں کچھ ہلنے والے سے اس قدر بڑھ گیا کہ سو فرادہ اس کی گردن بھی نہ پہنچ سکتی تھیں ہم چٹل کے طور پر ٹھہر کر اپنی ہر طرف
حلقہ کا ہم نے دیکھا ہے۔ حلقہ شروع شروع میں ٹھہرے سے بہت متاثر تھا اس کا اس نے نہ صرف شعروں میں اظہار کیا بلکہ ٹھہرے کی کئی
ایک فرموں کے جواب میں فرمائیں بھی کیں۔ چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے

استو قزل سوسے ایشی ہر کس ل

دارو قزل حلقہ طرز و روش ٹھہر

جیسا کہ لوگ ہیں جو ٹھہر کے ہم سے واقف ہیں اس کے برعکس قریب تمام دنیا میں حلقہ کا عملی ہونا ہے۔ اگر غالب نے کہیں
بعض اصناف کی جی ہاں کا ذکر کیا ہے تو اس سے اپنی برتری یا برتری کا تذکرہ کیا ہے تو اس کے بدلے میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس کے دل
فرار قسم کے اشعار اس وقت کے ہیں جب اس نے حلقہ طرز کا انتخاب کیا اور سو فرادہ کا اظہار اس حد کے ہیں جب وہ اپنے مقام سے
پوری طرح اٹھ کر چلا تھا۔

اپنے قریب اشعار کے علاوہ جن میں اس نے بعض اصناف قلم کا ذکر کیا ہے اور ان میں ذکر کیا ہے اس کے بیشتر قطع کے اشعار ہیں جن
میں وہ اپنی شعر میں اپنی غویں کا اظہار بلا راست انداز میں کرتا ہے۔ اس کے اپنے اشعار میں بھی ایک خاص قطع ہے اور وہ روش طرز
کی ہر چٹل ہے۔ کئی ایک اشعار ایسے ہیں جن میں انھوں نے اور ان کی نسبت و تریک۔ آگئی ہیں اور صحیحی کا صراحت بھی ہے
مثلاً ایک جگہ لکھا ہے کہ میں ایک جیسا سرا داشت اور سحر جانی شاعر ہوں۔ جس نے حلقہ کے قسم میں مدح پور تک دی ہے اور یہ جو
کہتے ہیں کہ دغا میں داخل و دغا نہیں ہے تو یہ دغا ہے اس لئے کہ جب اس میں غالب جیسا ہر دلی ہے تو ظاہر ہے اس میں سب داخل و
بیش سحر ہے۔۔۔ یوں تو ہر شخص جس کو لکھ نے زبان دی ہے شعر کہ لکھا ہے یوں جو شخص کہ لکھا ہے وہ کسی اور کا صیغہ نہیں

ہو

ہر دغا قسم کھن شاعر انجاز جان

کہ دمن کا لہو ہاتھ چلنے دارو

دلت با کہ نکلن آواز لا پائے کھ

نچان پائے کہ گھنٹن ہادی دارو

دھر گورہ غلام روش داخل و دارو

ہر دارو کہ پو غالب ہر دانے دارو

حق از ہادی غلام نیلانی بہت

کہ ہر آئینہ پادمن شیر زبانے دارو

ہم گری کہ میں ہادی ہر کی نہ دھر

کھ ہاتھ حق ہر کہ زبانے دارو

مست دلم حق نیز کھنکھ بہ بہت

جغم از گردش چاند چلنے دارو

یہ شہد کہ تھائی دہ اور خوش

خدا در دست میں لڑا کھلے ہاتھ

اس میں محبوب عاشق کی خوش سے لگنے کی خوش کرتا ہے اسی طرح ہم میرے ہاتھ میں دے دو سے تو کرتا ہے

وہ "وہ" کہ محفل شعر میں ہوا میرے پرانے دوستوں سے ہوا دھک چار کی خوشی حاصل کر لی ہے اور میرے قلم میں یہی

جنت سے ہوا میرے قلم کی کہیں کہیں فرشتوں اور معرکے جیوں جی ہیں کو انکار کرتے دانی ہی جہلی ہے۔

دور رسک قلم : وہ پرانے میں

یہ قلم ہاتھ و دھک چار

وہ جنت قلم : کہیں کہیں قلم میں

ہاتھ (فرشتہ) "وہ" "سپیدی شکر" و

ہت

نیکو تو انگر کہ ہم وہ قلم حتم

نہیں کہہ میں کہ لکھیں ہر دورانی

ہم کہہ جنت و قلم حاتم ہر نام

ہر نام نام از قلم کورہ ہم طرکے پہلی

اس شعر سے تجویز کے ہر یہ غزل کہا جا سکتا ہے کہ غالب نے اپنے ہاتھ میں وہ قلم کی ہے اس میں نہ تو یہ ایک خط

کے اس نے کوئی زیادہ مبارک سے ہم نہیں لکھتا وہی قلم کی ایک چلی کا شعر ہے اور یہ اس کی بد قسمتی ہے کہ اس کا قلم کام بھی

انکار اور توجہ کا مستحق نہ ہو اور آخر میں ہم اس کے چند مزید انکار کو خوش جان کی لذت سے بھرا ہوا چلی کرتے ہیں

دشمنی میں فدا ہر خط

ہم شمع نظاں سے قلم : جتا

میراث دہدست از قلمی لہلہ

دانی شعر راوا و جانی بکر کھ

۔ دانی و شاکر ہر حرف شکر سے

آسکتے کا دست دم پادشاه را

آدم کہ ہوا قلم لکھت

آدم کہ قلم لکھت اور لکھ

نظم نام لکھتہ از شعر نور جنت

نکو زدم رنک و رنک شکر

دینا یعنی وطن گناہ کی قسم کرم
 جان مادی و جان گناہ کی پیدائش
 جان دست و پا دل خود دست برانم
 تو چند لورانی سکھ من گناہ
 چوتھ لعل دگ لورانی تو کرم
 تو کرم دے دے ایسی لورانی پیدائش
 دے دے کرم دے دے لورانی کرم
 دے دے کرم دے دے لورانی کرم

۱۔ اس مضمون میں طالب کے صرف قاری نظام کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

www.ck12.org

عبدالرشاد سید، مدیر اعلیٰ امور مالی و معاش

محمد تقی الزبیدی، مستطی علی دینی، تهران ۱۳۹۱

ہم کلیاتِ تدریسی کے آثار میں اس نے یہ فرقہ جرحی نہیں ہے اس میں بھی دوسرے شعرا کے ساتھ تعلیمی کے اس فن کی کاؤ کر گیا ہے جو (۱) ان کے کلیاتِ غالب معلوم ہو کہ کس قدر گہرے تھے۔

وہ کاروبار میں قائم کا ایک بہتر جس نے ٹھکانا چھوٹے عالم پورٹ کے خلاف حکومت کر کے اسے مواد اور لوگوں کو اس کی جگہ تھے ،
 (شعبہ - انڈسٹری فریڈ ہال)۔

جوان ہو گئی۔ سوگ کی وسعت و پختہ ہو گئی۔ لفظ گمبھوں کے احوالے چلتے ہیں اور ہندو کی اپجیوں کی جھڑپوں کے پیم لڑتے ہیں۔ ایک شیر ذوق اور تیل قند پیرا ہوا ہے۔ سکاہت چھٹا اوجھا پھرتا ہے۔ لفظ لفظ خان گلی کی موٹی ہے اور گھٹتے ہیں جن کو حوم کہہ سکتے ہیں۔ انہیں یاد آ کر ایک ایک کی بلیا اعلیٰ محمدت سے لے کر ہادی ڈاؤر سے ہندوئیہ ڈھاتی اور ہر شے کے لیے۔ آپ نے دیکھا ہو انھیں موسم کے حال سے شہر ہوا تھا کہیں تک پہنچا شہر کی زندگی کا پتہ ہوا تھا اس پر ظہور ہند کا استدلال پورے انھیں میں کسی ہا کی کثرت ہے زندگی کی درجہ میں لیں اور گمبھوں کا ڈھتے چھٹا میر کی شاعری میں یہ سٹائیں کہیں کہیں رنگوں سے ظاہر ہوتے ہیں اور لفظ غائب میں اس کی کیا توضیح ہے۔

اب کہیے اس چیز کی طرف توجہ ہم طرز غائب کا نام دیتے ہیں مطلق غائب یہ سٹائیں کہتے ہیں۔ ان کے غائب و گلوب ان دینے کے اندر کا دار کرتے ہیں اور اس ضمن میں یہ فنی "دشوں" کو یا معلوم ہے معنی اگر انہیں سے تعبیر کرتے ہیں مگر کیا یہ سٹائیں کا سلسلہ ہے۔ کیا متر کے اسلوب کا تدریجی زندگی کی کوشش سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ کیا تراخی کا عنصر صرف ہماری قدیم غرضی میں ہے یا اس آرائش کا پائوں کی آرائش 'سمبھوں' اور دیگر علامت کی عقل گری اور فنون کی دیگر دھنوں سے کوئی تعلق نہیں۔ دھنیں ہمارے میں بھی ہوتی ہیں اور آخر میں بھی کیا ان سب چیزوں کا بنیشت مجموعی رسائی فنون کی مختلف جہتوں سے کوئی تعلق نہیں بناتا ہے۔ غائب و گلوب تو کیا اس کا تعلق بھی ایک خاص طرح کی تدریجی درجہ بندی سے نہیں؟ کیا یہ غائب و گلوب یہ ظاہر نہیں کرتے کہ اس تدریجی درجہ بندی میں کسی کا کیا مقام ہے۔ غلط مراتب کا اصول دیا گیا ہے اور اس کا پہلی مراتب ہندو کا کوئی تدریجی تصور موجود ہو۔ ایک ایسا معاشرہ جس کے افراد کا اصول "سو کن" ہو۔ یہ غلط مراتب کو کیا پہچان سکتا ہے غائب کی بدلت کا خاکہ کرتے ہوئے ہم نے یہ فرض کر لیا کہ وہ "دراویڈ" تہذیب سے گئے ہوئے فنی کار تھے۔ حالانکہ غائب کی طرز ہند کی اصل ہیئت اسی تدریجی میں نظر میں آتا ہے۔ مگر ہوتی ہے۔ غائب نے مولوی فیضان احمد کے نام ایک خط میں لکھا۔

"... کہیں اتنی میری قریب کی ہو میں اپنے آپ کو اس کے لائق نہیں جانتا ہوں۔ ہر گز ایسا نہیں کہ خدا نے مجھ سے پہلے کوئی ایسا پیدا کیا ہو۔ سچتہ غائب یہ ہے کہ مسطوروں کو شوق کا طرز تلاش اور ان نازک خیالوں کا پیر ہوں اور ہندو فیاض سے مجھ کو اس کی تعلیم میں پیر تحقیق دے گا۔ اور میں صاحب طرز ہند ہوں۔"

ان جملوں کو دیکھ کر کہیں کہیں ایک اور جگہ لڑا "مسطوروں کو شوق کا طرز تلاش" ان نازک خیالوں کا پیر "اور" تعلیم میں پیر تحقیق" کو جتنی فکر رکھیں اور اس صاحب طرز ہند اسی میں نظر میں قرار دیا گیا ہے۔ "تعلیم" کی اصطلاح آج پختہ معنی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتی ہے مگر وہ اتنی معاشرے میں اس کا مفہوم یکہ اور ہے۔ غائب کے بارے میں علامہ نے حق اور غلط بتاتے ہیں کہ وہ علامہ کے سے کتنی دلچسپی رکھتے تھے۔ مولانا امتیاز علی حسینی نے تو کمال صحت سے لفظ "جانی اور قسم تک کی تحصیل فراہم کر دی ہے۔ ان کے فلوں میں جگہ جگہ نازک کے فلوں کا بھی خاکہ ہے۔ اور امتیاز "تعلیم" کے نازک آج ہے ہر مختلف فلوں نے یہ بھی دکھایا ہے کہ غائب کی شعری میں بھی "مکعب" نام طرز میں سے ہیں۔ ہر پیر میں میری فن نے اپنی مختصر انگریزی تصنیف (SPARIES OF DANCE) کے ایک ضمن میں غائب کی شاعری میں لفظ یا گھر سے واپس طرز کا صحت ایسا جائزہ لیا ہے مگر ان چیزوں کے ساتھ یہ بھی دیکھا ہے کہ غائب کو خوب گاری کی رنگی رنگوں کی قدر و قیمت کے بھی دور خیال تھے۔ اور میں کو خوب گاری شوق کرنے سے پہلے "میں آج ایک" میں کو خوب گاری کے غائب و گلوب اور غائب میں صوبہ جلی لفظ کے موضوع پر تحصیل سے گھر بچے تھے اگرچہ وہ اسے نہایت ہی طرز دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں تو غائب و گلوب و قیمت کوئی دہائیہ ہوں کو مثلاً داتا لکھتا ہوں مگر



میرزا محمد، صورت نگار طرغی

دیوان غالب بصورت شبیه غالب از روی

نسخه خطی
کتابخانه ملی

دیوانِ غالب

”اردو“

[illegible]

براعت خود را پس از مدتی در این کار به جا آورد و چون بدین واسطه که با او بیگانه بود، آنگاه

بڑھیں۔ اور کئی دن کا بندے کر
 سوتا کر پ۔ علی، بیٹم حورو کا
 آنکلی نے علی سید کا دوست
 کاہر ہوا کہ داغ کا سہارہ نہ
 کا خوب میں خیال کو تھ سے سہلہ
 جب آنکھ کھل گئی نہ زبان کا نہ سو کا
 جاتا ہوں کتبہ فیم دل میں سخی ہوا
 جیسے ہی کہ "رفت" کیا اور "مرد" کا
 دھنپا کھلنے سے داغ بھبھ "رنگی
 میں" دھند ہر لہاس میں قلب دھوا کا
 چھپے اظہر سر نہ نکا کو کئی اسد
 مرگئے: غلہ موسم ولولہ کا

کہتے ہو : مہر دیں گے ہم نے اگر چاہا
 دل کھل کر تم کیجئے تم نے دعا کیا
 عشق سے طبیعت نے نکلتے کا سزا کیا
 درد کی دعا پائی درد + دعا کیا
 دوست واپس رہیں ہے اجڑا دل مسطور
 کہ ہے اثر دیکھیں ہمارا ہمارا کیا
 سبکی د پردائی + غریب و ایشیائی
 حسن کو حاصل میں جرات کیا کیا
 فوج پر کا کھیلے آج ہم نے اپنا دل
 غریب کیا ہوا دیکھا تم کیا ہوا کیا
 طالب دل میں مسطور ہیں اس قدر یقین
 ہم نے پیدا و سرور تم نے پیدا کیا
 خبر پر تاج نے رقم + حکم چڑھا
 کہ ہے کوئی رکھ : تم نے کیا سزا کیا

مل میں مرا سوئے نکل سے بے سلا جہل کیا
 آفتِ غاصق کے مار کیا جہل کیا
 مل میں تعلقِ وصل و یار یاد تک باقی نہیں
 آگ اس گھر میں لگی لٹی کہ ہر جا جہل کیا
 میں دم سے مجھ پرے ہوں دورِ غافل ادا
 بھئی کو آجھیں سے ہلکا جھٹکا جہل کیا
 غرض کیجئے ہر اوصاف کی مری کئی ا
 کہہ دیں کیا جا دھشت کا کہ صرا جہل کیا
 مل میں تھو کہ دیکھا دستِ دھن کی ہمار
 اس پرانی لا کہوں کیا کھر لیا جہل کیا
 میں ہوں نورِ انیسویں کی آمدِ غالب کہ مل
 دیکھ کر طرزِ چاکِ مل خطا جہل کیا

۶

حقائق پر رنگ دیکھ کر وہاں سے اٹھ گیا
 قہر کے پھولوں سے پھولوں میں اٹھ گیا
 دلم نے دلم نہ دلی گئی دل کی دیرینہ
 بحر بھی جیتا گئی سے پہلے گئی
 جیسے گئی جیتا دلی دلم چلا گیا
 جوشی دم سے گئی سو پہلے گئی
 طو صیرت دلی کا ہاتھ لہجہ دلی
 کم یاری کا ہمارا لب و دلی گئی
 ہے تو کھیل کا ہمارا دلی دلی
 حلقہ مشکل ہے کہ یہ کم بھی نہیں گئی
 دل میں ہر گز نہیں گئی گھر گھر
 کہ ! ہر گز نہیں گئی گھر گھر گھر

۷

دلی میں سر کیا ہو نہ باب ہو گا
 حلقہ ہو چلا طلب ہو کر ہو گا
 گا دلی میں مرگ کا کھانا ہو گا
 ازلے سے چکر بھی مرگ دلی ہو گا
 ایک سو پہلے دلی کر دلی ہو گا
 کھانا دلی دلی دلی ہو گا
 دلی بیکر کے ساحل دلی دلی ہے لب
 اس دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی ہے کئی دلی دلی دلی دلی
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا

۸

دلی میں سر کیا ہو نہ باب ہو گا
 حلقہ ہو چلا طلب ہو کر ہو گا
 گا دلی میں مرگ کا کھانا ہو گا
 ازلے سے چکر بھی مرگ دلی ہو گا
 ایک سو پہلے دلی کر دلی ہو گا
 کھانا دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی بیکر کے ساحل دلی دلی ہے لب
 اس دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی ہے کئی دلی دلی دلی دلی
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا

۹

دلی میں سر کیا ہو نہ باب ہو گا
 حلقہ ہو چلا طلب ہو کر ہو گا
 گا دلی میں مرگ کا کھانا ہو گا
 ازلے سے چکر بھی مرگ دلی ہو گا
 ایک سو پہلے دلی کر دلی ہو گا
 کھانا دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی بیکر کے ساحل دلی دلی ہے لب
 اس دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی ہے کئی دلی دلی دلی دلی
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا

۱۰

دلی میں سر کیا ہو نہ باب ہو گا
 حلقہ ہو چلا طلب ہو کر ہو گا
 گا دلی میں مرگ کا کھانا ہو گا
 ازلے سے چکر بھی مرگ دلی ہو گا
 ایک سو پہلے دلی کر دلی ہو گا
 کھانا دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی بیکر کے ساحل دلی دلی ہے لب
 اس دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی ہے کئی دلی دلی دلی دلی
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا
 دلی دلی دلی دلی دلی دلی ہو گا

۳

سچا رہی حق و باطلت سے
مہلت بتی کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا
بدر عارف ہے سچا ہمارے تھو کہی بھی
ہر تو دہلے سے ہے تو میں نہیں ہوں حاصل کا

۳

حرم میں ہے تو ہی لہلہ راز کا
یہاں دہن ہر چاہ ہے پہا ہے سار کا
دیکھ کر۔ صبح بیلو بھلا ہے
ہر دلت ہے شگفتہ کھلے ہر کا
تو اور سے غیر فکر ہے تو بڑا
میں اور دیکھ کر ہی ہر ہلے راز کا
صرف ہے جیلر کو میں میرا دگرہ میں
خود ہوں ایک ہی صلیب ہیں گداز کا
ہی ایک جیلر ہلے سے شے اچل رہے
ہر گڑہ بیلہ ہے سر شے ہر کا
کوش کا دل کرے ہے کھنا کہ ہے خود
ہلے ہے قرض اس گڑہ نیم ہر کا
تکڑا کوشی علم ہلے ہر کا
سید کہ ہر دیندہ مگر ہلے راز کا

۳

ہم شہد میں افسار کا دفتر کا
دیکھ داریا ہے وہ کچھ گور کا
شب ہوئی ہر اہم دشمن کا سفر کا
اس شہد سے کہ گویا جت کرے گا وہ کا

د کئی سلج کئی بھی راج میرے ہوں کہ
لایا دھن میں ہر کلا ہوا ریشہ بیچن کا
دکھن کا کھنہ ہی اگر فرصت ملنے نے
مرا ہر دلاں دل اک حق ہے سوجھن کا
کا کچھ خلع کا ہر کھنہ جیسے ہلے نے
کرتے ہر تو فریڈ عالم شہنشاہی کا
میری قبر میں سفر ہے اک صورت لڑائی کی
پہلی بتی قرض کا ہے غلہ گرم دھن کا
ہر ہے گھر میں ہر ہر سوز دہرائی تھاکر
دار اب کھلے پکھن کے ہے میرے دھن کا
فرشی میں لہلے ہوں کھنہ لاکھن آمدن کی ہیں
چراغ سوہ ہوں میں ہے دھن گور نہیں کا
خود اک ہر حق نہیں ہر ہلے ہے
دل افسوس کلا کھنہ ہے ہست کے دھن کا
بھل میں خبر کی کن آپ سوتے ہیں کھنہ دھن
سب کیا خواب میں اگر جسم ہلے پنک کا
میں معلوم کس کس کا لو پانی ہوا ہر کا
قیامت ہے سرک کھنہ ہوا کھنہ دھن کا
نظر میں ہے ہلے چنہ راز کلا کھنہ
کہ ہر شیریں ہے عالم کے ازلے پھن کا

۳

د ہر کا یک جیلر بھگی سے لاق کم میرا
جیلر سوہ راز ہے کھنہ قرض میرا
میت حق ہیں سے لکھن اب ہر ہر دھن ہے
مگر سوجھن سے گل سے ناک میں آہ ہے دم میرا

فرانٹ سے بھرتی" وہی غولیاں تھا سوچے رنگ کا
وہی دھبی سے آہلی تک سرخس کا پاپ تھا
بگلیں اس رنگ سے غولہ چلانے کا
مل کر لٹی لکڑی بائیں سے آنت پاپ تھا

[illegible]

ایک ایک تقریب کا مجھے دعا پڑا مطلب
خون بھر دھبہ چڑھانے دار تھا
میں میں ہوں اور باقی ایک شہر تھکا
دھڑکا ہوا کتبہ کتبہ دار تھا
گیوں میں بھی فتنہ کتبہ دار تھا
میں دلہا ہونے سے پہلے تھا

گھر پہ ہول پانچا ہے کیوں دوست کا کہیں قریب
آجی میں دشنہ پہنوں پاتھ میں گھڑ کلا
گود کہیں اس کی ہاتھی گود پاس اس کا ہوبہ
ہے کیا تم ہے کہ لہ سے وہ پانی پیکر کلا
ہے غلیں صحن میں صحن عمل کا ما دیلاں
غلہ کا آگ وہ ہے بھلی گود کے اور کلا
ست نہ کھینے پر ہے وہ عالم کو دیکھا ہی نہیں
ڈنگ سے چھ کر غلب اس شرع کے ست ہے کلا
وہ ہے دھنڈ کو کلا اور گود کے گیا ہر گیا
پتہ گھرے میں مرا لپکا ہوا بستر کلا
کیوں اندھیری ہے شبہ فہم ہے چلتی کا نعل
آج اور ہی کو روپے کا دھبہ بستر کلا
کیا دھن قریب میں غرضی اب وہ عورت کا یہ حال
بدر لانا ہے وطن سے بدر یہ آکر کلا
اس کی است میں ہوں میں صبرے رہی کیوں کام بند
واپس جس شہر کے دھبہ گود ہے در کلا



قلب کو پہنچ سونہری سے زہرا کیو کہاب کا
 قطر عارف ایک قطرہ کہاب کا
 دلی گرم کو طہر پارل کا علی کعبہ فرام
 کہیہ سے یوں پڑا ہوا کہاب کا
 دلی خود آرائی کو کا موتی ہونے کا خیال
 یوں ہم شک میں بہار کہاب کا
 جوتہ گل نے کیا کا دلی چاہی کعبہ
 یوں دلی جھکیا بچم سے علو کہاب کا
 یوں سر پہ نور کا عوالم کا دار و
 دلی کا لعل کا جو ہر کہاب کا
 یوں ہنس کر کا دلی طبع ہم کا لعلی
 یوں کہ دلی ہلا شخصت علیاب کا

ایک قدم دشت سے دوری دفتر اعلیٰ تھا
 ہوا، ازلے سے عالم دشت کا شیراز تھا
 بلخ دشت لڑائی ہائے لعلی کون ہے؟
 غلہ بھون سزا کر ہے دروازہ تھا
 پوچھ مت رحمتی انداز انتظار سے حسن
 دست مہرچہ تھا رشاد میں قاتل تھا
 بڑے دل نے سبے لڑائی لکھ دی تھی
 ہانگہ تھا اک دہائی ہے شیراز تھا

۲۰

”دست“ فرائی میں بھی ”سنی“ سنی نہیں گئے کیا؟
 دلم کے بڑے تک ”جانی“ نہ جہ چلنی گئے کیا؟
 ہے نیازی حد سے کردی بندہ پور کب تک
 ہم کہیں گے مل دل اور کب فرائی گئے کیا؟
 حضرت باج کر توئی ”دھ“ دل فرائی راہ
 کوئی تھ کہ ہے تو کہا ”د“ کہ بھلنی گئے کیا؟
 کج دلی جی دکن ہند سے ہونے جاتا ہوں میں
 خار میرے گل کرنے میں نہ لب لہری گئے کیا؟
 کر کیا باج لے ہم کو تیرے ”بھا“ ہوں میں
 ہے جوتی حق کے انداز پشت پلہی گئے کیا؟
 تھ راہ راف ہیں ”دھ“ سے برائی گئے کیا؟
 ہیں گزرا ”د“ دلی سے تمہاری گئے کیا
 ہے لب اس معرے میں قتل و غارت گئے کیا
 ہم نے یہ ”د“ کہ دل میں رہی کلہی گئے کیا؟

۲۱

یہ نہ قحی ہاری قسمت کہ دہلی دار ہوا
 اگر اور جیتے رہے ”کی“ انگہ ہوا

موتی مراد دشتی ”د“ نہ پوچھ مل
 ہر نہ ملو عمر چ ”کب“ دار تھا
 کم چلتے تھے ہم بھی غم حق کو ”ب“
 دیکھا تو کم ہونے ہے غم روزگار تھا

۱

۱۸

بکر دھوار ہے ہر ہم کا بھی ہوا
 کوئی کو بھی میر نہیں انہی ہوا
 گھر چاہے ہے لڑائی سے کاشلے کی
 دروازہ سے نہ کیے ہے طلیا ہوا
 دانتے ”د“ لکھی شوق کو ہر دم تھ کہ
 آپ جانا کھر اور کب ہی جوں ہوا
 جوں لڑکے کھلتے تھ کر ہے
 اور کہ بھی چاہے ہے ”د“ ہوا
 عشق قتل کمر لڑ تھا مت پوچھ
 میر غلہ ہے شمشیر کا میاں ہوا
 نے مجھے خاک میں ہم دلائے کھلا
 تو ہو اور آپ ہے صدر گھر گھسی ہوا
 عشق پانے دل زلم تھا کھا
 لکھ رہا بکر غلی نکلی ہوا
 کی مرے گل کے بد میں نے بنا سے تہ
 ہائے اس دھ چپلی کا چپلی ہوا
 چل اس چارگر کپڑے کی قسمت تھ
 جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریہ ہوا

۱۹

شب غار شوق ساقی ”د“ مستحضر لڑائی تھا
 بھیڑ پاد صورت غلہ ”د“ فیانہ تھا

نہ سے لئے کو کا لول' غالب غفر کہ سے
کہ صورت آج میں عرض رسم لئے جہاں ۳۴

۳۶

مر نہ اندر شب فرقت یوں ہو جانے کا
ہے ظف دلہا۔ " سر یوں ہو جانے کا
دہر گر بیا ہی شمع ہر میں ہوا ہے کب
ہے قر مجسمہ بل غافل ہو جانے کا
لے توں سوتے میں اس کے پاؤں کا پور کر
لگی ہاتھ سے " کٹر ہنگی ہو جانے کا
دل کو ہم شہسوار کہے تھے کیا معلوم تھا
یہی یہ پہلے ہی قدر اچھل ہو جانے کا
سب کے دل میں ہے جگہ تھی جو تو راضی ہوا
تھ پہ " کلا" اک نالہ میں ہو جانے کا
مر غفر گرم لہائی دلی تعلیم جہا
شہ طس میں " تھے غول رگ میں تہی ہو جانے کا
بار میں تھ کہ نہ لے جا دہن میرے دل پر
ہر گل تر ایک چتر میں لٹاں ہو جانے کا
دستا کر میرا ترا نصف سحر میں نہ ہو
اب تک تو یہ قریح ہے کہ وہی ہو جانے کا
لاکھ کیا سوچ آ کر تو بھی رہا ہے امید
دستی یوں کی ہے بی کا نیاں ہو جانے کا

۳۷

دو سنت سحر روا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا " کیا نہ ہوا
مج کرتے ہو کہیں دیکھوں کہ
اک ڈیٹا ہوا " رگا نہ ہوا
ہم کی قسمت کائناتے جاگیا
تو ہی اب سحر کیا نہ ہوا

خاک کا رنگ ہے " وہ قلعہ کہ دیر نہ ہوا
ہم کا میرے ہے " ہو دکھ کہ کسی کو نہ ہوا
کام میں میرے ہے " جو قدر کہ بھا نہ ہوا
ہمیں شمس دم " اگر " نہ چپے توہم
عز کا قدر ہوا " خلق کا چہا نہ ہوا
تغیر میں دیر دکھائی نہ سے اور جو میں کئی
کھیل لڑکوں کا ہوا " دہا " دہا نہ ہوا
تھی ٹر گرم کہ غالب کے اسی کے ہاتھ سے
دیکھے ہم بھی گئے تھے " چہ " نہ ہوا

۳۸

امد ہم " وہ یوں ہواں کولتے ہے میرا میں
کہ ہے سر پیچہ " کنگر " ہو پیکر خدا لہا

۳۹

چہ قدر گرم عقد ہے شرم پارسی کا
توں شبہ " صد رنگ " دعوی پارسی کا
نہ ہو صبر " دست " رہا ہے دہلی کا
ہر سر حد سحر جیت ہے دعوی پارسی کا
دکھ " حسن " سے لے جوتہ دیش کہ سر سما
چراغ " جوتہ " دیش " ہو " کدہ " کولہ کا
نہ مارا " ہاں " کہے " ہم " غافل " تھی " گدگد " ہ
ما " ہر " کونتر " ہے " کدہ " حق " کھلی کا
قنائے " نیاں " کونتر " ہے " دہلی " ہے
ہا جس سے " کھنا " کھنا " ہے " دست " دہلی کا
وہی اک بات ہے " عریں " جس " دل " کھتر " کھی " ہے
ہاں کا " جوتہ " ہاتھ " ہے " عریں " دہلی " کولہ کا
دکھ " ہر " ہر " ہر " ہو " دیکھ " رسول
ہم تک ہے " رہا " چہ " تھی " ہے " دہلی کا

نہ کہہ کر کہیہ ہا تھا ہر صبر دل ہے
میں تھک میں ہے سچ و سچ دھڑکا
تھک کو دیکھ کے کہتا ہوں اس کو یاد
جنا میں اس کی ہے جلا کر کیا کا

۲۹

قدرا نے بکر حیرت سے غصہ پہرہ ہوا
ظاہر جام نے سراسر رشہ گور ہوا
غیر عقل کی ظنہ لڑائی دیکھنا
نیر نے کی تو لکھیں وہ تھا مجھ پہ ہوا

۳۰

ہم پہ ہر تھپہر سحر پار نے نکل بدعا
تھن عشق نے ہر دوسے پہ اک دل بدعا
اک نکل نے ہر حیرت کدہ عشقی ہوا
ہر کہنہ کو طوفانی نکل بدعا
ہاں وہ امی نے یک عود بیوں ہاک
کھر مے نے غصہ دلہا ساکن بدعا
نہ بدعہ عشقی عشق کے غصوں غالبہ
کہہ دل کھل کے ہوا کو بھی سائل بدعا

۳۱

میں کو دوسرے سے ہیں تھو ہم کھیں
گر میں نے کی تھی توبہ عشق کو کیا ہوا تھا
ہے ایک تھو جس میں دواں چھوٹے ہنسے ہیں
وہ دن گئے کہ لپکا دل سے بکر چا تھا
درد کی میں غالب کچھ بھی ہنسے توجہیں
ہم رشہ ہے کہ تھا باہیں کہ کھتا تھا

کچھ شیری ہیں مجھ سے ب کہ رقبہ
کھیں کھا کے بے حوا نہ ہوا
ہے نیر گرم میں کے مے کی
تھن ی گھر میں ہوا نہ ہوا
کیا وہ لہو کی خدائی تھی
بھگی میں سوا ہوا نہ ہوا
جان دلی دلی بولی اس کی تھی
حق تو ہیں ہے کہ حق ہوا نہ ہوا
دلم گریب کیا ہو نہ ہوا
ہم کر دک کیا ہوا نہ ہوا
دلی ہے کہ دل جتنی ہے؟
لے کے دل دل میں ہوا نہ ہوا
کچھ تو چھوٹے کہ لوگ کہتے ہیں
تھن غالب غزل ہوا نہ ہوا

۲۸

کہ ہے عشق کو دل میں بھی چلی ہوا
گھر میں کو ہوا غریب دوا کا
ہر جان میں کہ تو اور پتھر کھوب
تھر سم وہ میں غصہ غلہ فرما کا
جتنے پائے فوس ہے بدل کر ہے بھی
دلم غصہ خاطر ہے جتن دوا کا
تم فراق میں تکلیف سیر ہوا نہ ہوا
مجھے دلم نہیں غلہ پائے ہوا کا
ہر عروا میں اس کو دوا میں
کسے ہے ہر یں تھو ہم جگر دوا کا
دل اس کو پہلے ہی ہوا دوا سے پیٹھے
ہیں دلم کھل حسن کے کھتا کا

۳۲

مگر ہوا نہ دے تھی تو وہی ہوا
 بڑا کرکڑ نہ ہوا تو جلی ہوا
 گئی دل کا گہ کیا ہے وہ کار دل ہے
 کہ اگر تک نہ ہوا تو پشلی ہوا
 جسک ہر دہا ہر تو رہا ہوا
 کتنی دہلیوں کی دیوار کا دیوں ہوا

۳۳

نہ تھا کہ تو خدا تھا کہ نہ ہوا تو خدا ہوا
 لڑا کہ کو بولے نے نہ ہوا میں تو کیا ہوا
 ہوا جب تم سے میں ہے جس تو تم کیا ہو کے گلے کا
 نہ ہوا گہا جی سے تو زور ہوا
 ہولی دت کہ غالب مر گیا پیار آتا ہے
 وہ ایک بات ہے کہ کہ میں ہوا تو کیا ہوا

۳۴

یک دنیا دلی نہیں ہے کہ دلی کا
 ہاں جلد بھی قیل ہے لالے کے دلی کا
 ہے سے کے ہے مختصر تشویر آگے
 کھینچا ہے ہر عسل نے لالہ لالی کا
 لیل کے کھدے پہ ہیں شد ہائے گل
 کہتے ہیں جس کو خلق خل ہے دلی کا
 کہ نہیں ہے لکڑہ کر جن کے
 نہائی قلم میں ہر دلی کا
 ہر دلی خلق سے اولم ہوا
 ہے کیا کریں کہ دل ہی حد ہے لالی کا

۳۵

ہے خلق دل ہے جنم میں سورج تک ہر
 ہے کہ غلب ہے نے کے سورج کا
 دلی خلق ہوا ہر دلی کا
 اور ہر لم کہہ کہ کے دلی کا

وہ مری پھر نہیں ہے لم نہیں کہا
 دلی کج ہے دلی نہیں کہا
 یک اف دلی نہیں جیگر آتے ہوا
 چاک کرتا ہوں میں وہ ہے کہ نہیں کہا
 شہر سبب گرفتاری خاطر سے ہوا
 اس قدر تک ہوا دلی کہ میں دلی کہا
 دلی نے نہ تھا لے مرگم دلی
 دلی پہ ہر خلق حق دلی دلی کہا
 ہر سے اپنے یہ چاک کہ وہ دلی ہوا
 ہر دلی سے نہیں شہر دلی کہا
 ہر خلق میں کی خلق نے راست دلی
 ہر قدم سلیہ کو میں اپنے نہیں کہا
 ہر دلی دلی دلی دلی دلی کہا
 دلی دلی کے دلی دلی دلی کہا
 دلی کی کہ دلی کو سلی کہا

۳۶

ہر دلی دلی دلی دلی
 دلی دلی دلی دلی دلی
 دلی دلی دلی دلی دلی
 دلی دلی دلی دلی دلی
 دلی دلی دلی دلی دلی
 دلی دلی دلی دلی دلی

دیکھ کر خیر کو' یہ کہیں نہ گیا تھا
 یہ کرتا تھا وہاں طالبِ باختر بھی تھا
 چنے میں حب نہیں رکھتے نہ فربہ کو ہم
 ہم ہی آتشِ سواں میں وہ ہوں میر بھی تھا
 ہم تھے مرنے کو کڑے پاس نہ آنا نہ سی
 آخر اس شرع کے زکس میں کوئی تیر بھی تھا
 بکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے گھسے، جان
 کوئی کوئی حصارِ دمِ تیر بھی تھا
 رحیم کے قصصِ امت نہیں وہ طالب
 کتے ہیں آگے نالے میں کوئی میر بھی تھا

۳۸

لبِ شک و دھجلی سواں کا
 زاریت کھتا ہوں طائرِ آندھن کا
 ہر آسمانی ہر بدگئی
 میں دل میں نہیں نہیں وہاں خودی کا

۳۹

و دست کسی کا بھی خم گر نہ ہوا تھا
 لوریں پہ ہے وہ غم کو بھڑے نہ ہوا تھا
 پھوڑا سرِ صلب کی طرح دستِ قضا
 خورشیدِ ہزار اس کے بار نہ ہوا تھا
 رشتہ چاروں مت ہے اکل سے
 آنکھوں میں ہے وہ غلو کہ گور نہ ہوا تھا
 وہ تک کہ نہ دیکھا تھا قیاد کا عالم
 میں مستقر تھا' صخر نہ ہوا تھا
 میں سواں دل آسنگا' بار سے خوش ہوں
 یہی سقو' غلو کہ نہ ہوا تھا

ہر وہ تیرنگہ نظر یاد کا
 کھنڈرِ دلالتی اسے مستحضرِ دل
 ہر کرتا تھا ہر یاد کا
 زندگی ہوں بھی گزر ہی جاتی
 کہیں ترا رو گزر یاد کا
 کیا ہی رہوں سے کڑی ہو گی
 گھر ترا غلہ میں گر یاد کا
 کہ وہ ہر ہر گزیرِ فربہ کہیں
 دل سے شک کے بھر یاد کا
 ہر ترے کہنے کو ہاتا ہے خیال
 دل گم گشتہ گھر یاد کا
 کوئی درانی ہی درانی ہے
 دست کو دیکھ کے گھر یاد کا
 میں نے بھوں پہ لڑکپن میں اس
 شکِ اظہار تھا کہ سر یاد کا

۳۷

ہوئی بلیز' تو ایک پست باختر بھی تھا
 آپ آتے تھے' تھر کوئی حق گیر بھی تھا
 تم سے ہے جا ہے مجھے اپنی چن کا گھر
 اس میں ایک شجر، فربہ' شجر بھی تھا
 تو مجھے بھول گیا ہوا' تو جا ہوا
 کبھی خزاں میں جیسے کوئی چھپر بھی تھا
 قید میں ہے ترے دشتی کو' وہی دلف کی یاد
 ہی کہ ایک سبک' گراں ہائی' دلچر بھی تھا
 بجلی اب کہہ بھی آنکھوں کے آگے' تو کہا
 پست کرتے کہ میں لب' خنہ' تیر بھی تھا
 پست اس کو کوں اور کہ نہ کے غیر ہوئی
 گر بکر پٹے تو میں اداں تیر بھی تھا

۱۔ دلتے شخص کے لئے درجہ تہذیب ہوتا ہے
۲۔ ہمارے فاضل و اہل علم میں ہمارے
۳۔ دلتے ہیں وہی خلق نے ہندوستان میں
۴۔ طبع تو اللہ آپ کو ملی ہوئی تھیں ہمارے
۵۔ کہ میں ہرگز حرم ہمارے لئے لڑا
۶۔ تھیں قریب ہزاروں سے فاضل تھیں ہمارے
۷۔ دل سے ہوائے کلمہ دہشت گئی کہ وہی
۸۔ حاصل ہمارے صریحہ حاصل تھیں ہمارے
۹۔ ہرگز خلق سے نہیں لڑا کر ہمارے
۱۰۔ جس دل سے ہوتا تھا مجھے وہ دل نہیں ہمارے

11

رات گھٹا ہے کہ اس کا بڑے سے انوار صاف
 چل کھتی ہے کہ وہ ہے سر کی کا گھٹا
 وہ اور سارے بھگتہ نیچے ہے
 گھڑیوں میں پھٹنے لگی گھٹا
 شوق ہے ملک طراز لائبریری لایب لڑ
 وہ سحر دست لکھ و قلم و دوا گھٹا
 میں اور اب گھٹا آگوا وہ دل چل کہ ہے
 عجیب کا دشمن اور تواریکی کا گھٹا
 شمع، تار، رات، بیکہ د رہا چاہے
 میرا رات سوسنی اور آگہ تیرا گھٹا
 کوسر گھٹا یکہ گھٹا شیری تھا سید
 گھٹے سے سہار کہ جیسے نہ میرا گھٹا



ذکر اس پر دلی ۲ اور ۱۲ ہیں
یہ ۱۲ دلی ۲ اور ۱۲ ہیں

ہمارے ساتھی ملک بھٹی سے ہوا ملک
بھٹو کے پاس بھی نہیں آتا ہوا تھا
جاری تھی اسکا دل بھر سے میری تعلیم
آپنی کہہ جاگیر مسجد نہ ہوا تھا



شب کو یہ بھی غور فرماتے ہیں کہ
"دیکھو" ہر شیخ اپنے رشتہ داروں کا
حکمِ مطلق سے کہوں تک ہر آگے ہے تا
کس قدر با دہ پاکیزہ سیرت پائی تھا
ماحولِ اعلیٰ نہ دیکھا تھو گشتِ سرور
دل چاہے، بوجہ" گویا یک لبِ لعلوں تھا
کیا کہوں بھائی" غم کی فراغت کا ہیں
جو کہ کھلا غم "دل" ہے صحت کیوں تھا

تجربہ رکھنے والی ماہر لکھنے والے کے ہونے کے
 صاحب کو مل نہ دیتے ، کتا غور تھا
 ہمارے کی لپٹ ہاتھ سے گھسیٹ نہ دیتے
 اس کی نگاہ نہیں ہے یہ میرا قصور تھا

1

عرضِ نیازِ خلق کے حال نہیں رہا
میں نے وہ جو تھا مجھے وہ ہی نہیں رہا
ہاں ہوں دلِ صریح پہنچ گئے ہوں
ہوں طبعِ مستی و طہرِ عقل نہیں رہا
میرے کی آواز میں اور ہی قدر کر کے
نہاں رہا وہ دہانے والی نہیں رہا

تھ سے قسمت میں مری صورت کھل کھل
 تھا کھا پات کے پتہ ہی جا ہوا جانا
 دل ہوا نکھر چلا دست میں ترم
 مت کیا کہنے میں اس حد سے تھا ہوا جانا
 اب جانا سے بھی جی معلوم ہم لطف لطف
 اس قدر دشمنی لڑا ہوا ہوا جانا
 طعنت سے گریں پہل ہوا دم سدا ہوا
 باد کیا ہمیں پانی کا ہوا ہوا جانا
 دل سے نکل تری انکھت جلی کا نیل
 ہوا کیا گوشت سے جان کا جا ہوا جانا
 ہے کھے لبر ہدای کا پس کر کھٹا
 دلتے دلتے فم فرقت میں تھا ہوا جانا
 کرکھیں کھیں غل کو ترے کہنے کی ہوس
 کہاں ہے گھر وہ بھلا کر ہوا جانا

ق

بکہ تھ ہ کھلے اظہار ہوائے میں
 دیکھ رہمت میں سزا آنے کا ہوا جانا
 جتنے ہے جلا کھل نکھر کھٹا غالب
 چٹم کو چاہتے ہر رنگ میں وا ہوا جانا

ب

۵۰

پھر ہوا وقت کو ہوا پل نکھا صبر شرب
 دے ہارنے کو ملر دستہ کھا صبر شرب
 پچھ مت دہر سیر سیر لڑا ہوا جانا
 سلینہ تک میں ہوتی ہے ہوا صبر شرب
 ہوا فرقہ سے بختہ دما رکھا ہے
 سر سے گزرتے پہ بھی ہے ہوا صبر شرب

ت

۵۱

انہوں کے دلوں کا کیا رہتی تھ تے
 جی لوگوں کی خفی درخیز صبر کڑا نکھت
 کئی ہے کھلی تری پچھے کا نہ دنا
 علی کھے رکھا کے بختہ سزا نکھت
 کھتا ہوں تمہا سوا دل سے غل کرم
 تاکہ نہ بکے کوئی مرے حال پہ انکھت

تجے ہزار راحت ہے عقد لے دیا
 کیا ہے کس نے شک کہ ہر سز کھینچ
 دی طرف ہے یہ صحت کھانہ زخم
 کھوئی دل و جان رقیبہ سافر کھینچ
 یہ ہم فتنہ دیا کہ حق و صحت ہر
 نایاب ہوتا زلم بکر سے کھینچ
 صحت قمر میں ہے سبائے آفتل پند
 بدستہ سوا کلبہ دلبر سحر کھینچ

د

۵۸

حسن' غزنی کی کھانہ کھل سے پتا میرے ہر
 ہرے کرم سے ہیں اہل جنا میرے ہر
 منصب فیصلی کے کوئی قاتل نہ رہا
 ہوئی سونپنا حواد و ہوا میرے ہر
 طبع بھین ہے تو اس میں سے دھواں اٹا ہے
 شطرنج خلق سے ہوش ہوا میرے ہر
 خوں سے دل خاک میں احوال رکا ہے یعنی
 حق کے ہاتھ میرے کھینچتا میرے ہر
 مد غور عرض نہیں' غور ہے وار کا' جا
 کہ ہر ہے میرے سے خا میرے ہر
 ہے بھوں' اہل بھوں کے لئے ہتھیار دلا
 پاک ہونا ہے گریوں سے ہوا میرے ہر
 کون ہوتا ہے مریض نے مو اگھر خلق
 ہے کھد لب سقنی میں صلا میرے ہر
 لم سے مرنا ہوں کہ دعا نہیں دلا میں کوئی
 کہ کہے قہقہہ سر و دہا میرے ہر
 تے ہے بے کئی' خلق پہ رونا کھنکھا
 کس کے گھر جانے کا سیلاب میرے ہر

د

۵۹

ہا سے' جیسا ہے چ پٹی فکر د و دہر
 ہر خلق کو جیسا دل دے دہر
 دہر ایک نے کائنات کا کیا یہ رنگ
 کہ یہ کے صحت دہر دہر
 نہیں ہے بلکہ' کہ حق کو لیے مقدم ہر
 کے ہیں چند قدم پتھر د و دہر
 جلی ہے کس قدر لڑائی نے جلی
 کہ صحت ہے ترے کہنے میں ہر دہر
 د ہے تجھے سر سوائے انکاد تو آ
 کہ ہیں دکنہ خلق فکر دہر
 جہم کر ہے کا سلیں کب کہا میں نے
 کہ کہنے' نہ میرے ہاتھ دہر
 د آہا میرے پہلے میں' تو سلیہ سے
 ہوتے تھا دہر دہر
 غر میں کھلے ہے' بن تجھے گھر کی تھلی
 دتے ہیں ہم' دیکھ کر دہر
 نہ پوچھ ہے فتنہ' جتنی ختم سیلاب
 کہ شپچ ہیں چنے' سوار دہر
 نہ کہ کسی سے کہ کھنکھا میں دہر میں
 غریب دہر بہت گھر دہر

۶۰

گھر جب ہا لا ترے دہر' کے ہر
 ہانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کے ہر
 کہتے ہیں' بہت ہی نہ کھے جتنی حق
 جہاں کسی کے دل کی میں کہیں کر کے ہر

۳۳

۶۵

ہوں کی دھجی کس سے ہو کر ہو نہ ہوئی
گروں چاک آق ہو گیا ہے میری گروں پر
رنگبر کھڑے آئل دوا رنگبر چلی
ہزار تکتے مل ہاتھ ہے ہزار یک تپیل
لک سے ہم کو چلے دات کا کیا کیا لکنا ہے
حق نہ کہ کجے ہونے ہیں آئل دینے پر
ہم نور ہو ہے جب ریا آٹا دشمن کو رکنا ہے
شعلہ سر سے تسمت گہ کی ہنم دھنن پر
نار سوپ کر حلق ہے اپنی حقیقت کا
نوریا طالع غناک ہے موقوف جس سے
مہر لیں ہے کس اواز کا کھل سے کتا ہے
کہ حلق نہ کر لوں وہ عالم میری گروں پر

۶۶

حم کل صفت سے ہوں کہ توہی تھو چ مانی ہیں
کلف بر طرف ل ہننے کا تھو سا رجب آخر

۶۷

لام تھا کہ رنگو مڑا دتا کوئی دن نور
تھا گئے کیوں لب رہو تھا کوئی دن نور
مٹ ہننے کا سر کر زنا پھر نہ گئے کا
ہوں نہ چ دے بھی لڑنا کوئی دن نور
کے ہوکل نور آج ہی گئے ہو کہ چلیں
ہا کہ چلے نہیں اپنا کوئی دن نور
ہننے ہوئے گئے ہو چلتے کو نہیں گئے
کیا خوب اچھتے کا ہے گویا کوئی دن نور

ہے ایک ہر اک فن کے اشلے میں کھلی نور
کرتے ہیں بہت تو گروا ہے گلی نور
با رہ نہ بگے ہیں نہ کھیں کے می بات
دے نور دل کو ہو نہ دے تھ کو نہیں نور
اہد سے ہے کیا اس نگہ باز کو بچو
ہے جو مشر کر اس کی ہے کھلی نور
تم شرمیں ہو تو میں کیا تم جب انہیں کے
لے آئی کے ہزار سے چار دل و ہل نور
ہر چند سبک دست ہونے بت تھی میں
ہم ہیں تو بھی رہ میں ہے سبک گری نور
ہے خون بگر ہوئی میں مل کھول کے دوا
ہوتے ہو کی دوا خوب کھلی نور
مرا ہوں اس کوا پہ ہر چند سوا چلے
ہو کر چلی وہ کے چائی کے چلی نور
لوگوں کو ہے فریبر ہیں لب کا دوا
ہر روز دکھتا ہوں میں اک داغ نہیں نور
لیتا نہ اگر مل تھیں دوا کوئی دم بھی
کر؟ ہو نہ مرا کوئی دن کو دھن نور
پاتے نہیں جب دوا تو چنہ چلتے ہیں تالے
رکی ہے می طبع تو ہوئی ہے دوا نور
ہیں نور بھی دوا میں سحر دست آگے
کئے ہیں کہ کتب کا ہے اواز ہاں نور

۳۴

مظاہرہ جیہہ آئیہ ہے سلاطین رنگ آخر
تھیر آہر دوا ہاں لا پاتا ہے رنگ آخر
نہ کی سلطان میں دوا نے خیر دولت کی
ہوا ہم دوا کی گھے داغ رنگ آخر

وہل جاؤ تھلا ہے ، داغ کئی
 کہ رہے کئیہ انکار کو ہزار
 ہر ایک ذرا عاشق ہے قلب پرست
 گی نہ خاک ہوئے ، ہر لئے جاؤ ہزار
 نہ پوچھ دھمچھ بھڑا اچھا قلاب
 بہل ہے کھڑا گھڑی ہے ایک خاک ہزار

۷۵

دھمچھ سن' کرم دیکھ کہ سرخس خاک
 گزرتے ہے اکھ پا لبر کمر ہزار
 یک غم کھڑا آکل لہ ہے سطر دشت
 حق پاش ہے تیر گری راکھ ہزار

۷۶

کھل کر اس بات سے دکھوں جان سزا
 کیا نہیں ہے مجھے تھیں عجز
 دل سے لگا ہے نہ لگا دل سے
 ہے ترے تیر کا چھان سزا
 کب تھے ی پہلے گی قلاب
 دھڑکتے ہے نور ہیں سزا

۷۷

نہ کئی نور میں نہ ہوا سزا
 میں میں اپنی گھٹ کی کھار
 نہ نور نور کھٹکی لم اکھل
 میں نور نور کھٹکی ہائے کھار سزا

ہاں اسے کھٹکی دیا ہوں تو اپنی ملک
 کیا تھا کھٹکی؟ ہر نہ مرنا کھٹکی میں نور
 تم نہ شب پارسم تھے مرے کمر کے
 بحر کھٹکی نہ ہمارا کھٹکی میں نور
 تم کھٹکی سے تھے اپنے کمرے دھڑکتے
 کھٹکی ملک ملک کھٹکی میں نور
 مجھ سے جھین نور سن' نیر سے لڑکی
 بچوں کا بھی دیکھا نہ کھٹکی میں نور
 گزری نہ سیریل یہ عفت طوفان ہزار
 کھٹکی میں نور کھٹکی میں نور
 ہاں ہر' ہر کھٹکی ہر کہ تھیں چھتے ہیں قلاب
 قسمت میں ہے سرنے کی کھٹکی میں نور

۷۸

۷۹

دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے
 ہے دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے
 ہے دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے
 ہوں کھٹکی دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے
 سے کھٹکی دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے
 طیارہ کھٹکی ہے دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے

۸۰

دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے
 دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے
 نہ دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے
 دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے دھڑکتے

درخت و چیتا اب مرے کونے لٹا
”مر کیا غالب آخوند لڑا“ کہتے ہیں

۸۸

نہر کا خاک اس گل کی کر محنت میں نہیں
ہے گہلیں گلاب و گل و دامن میں نہیں
ضبط سے لے کر یہ جگہ جاتی مرے تن میں نہیں
رنگ ہو کر لایا ہو گل کو دامن میں نہیں
”کے ہیں حق اچھوٹے شکر آفتاب
دورے اس کے گہری دھندلے کے مدد میں نہیں
کیا کون لڑکی“ زلفیہ“ غم“ اندھیر ہے
پہنچے نور صبح سے کم جس کے مدد میں نہیں
دوڑتی مٹی ہے عشقِ خانہ دہلی سے
ابن ہے شمع ہے گر حق غم میں نہیں
دلم سلوانے سے“ گھڑے چاند بھٹی کا ہے وطن
غیر سمجھا ہے کہ لذت دلم سون میں نہیں
بلکہ ہیں ہم اک بہار ہار کے بارے ہوئے
جہاں گل کے سدا کرد لہجہ دلی میں نہیں
قلو قلو“ اک بولی ہے بے ہودہ کا
لوں بھی لذت درد سے خارج مرے تن میں نہیں
لے گئی ساقی کی غزلت“ قدم آشتی میں
سوج سے کی صبح رگ جتا کی گشت میں نہیں
ہو نظیر ضعف میں کیا ملائی کی لہو
قد کے چنگے کی بھی گھاٹی مرے تن میں نہیں
حق دلی میں لٹن کیا تپا کہ ”نہت میں قدر
ہے ظلم ہیں“ شہر لٹل کر گھس میں نہیں

۸۹

ہودے سے دھار ہار کے ہار نہ آتا
کرک لڑا ہو تو اسے اپنی تھا کون

دل تو دل ”دلخ بھی نہ بنا
شور سوائے غلہ دغل کہیں
حق ”اب محض کے تصور سے
اب ”دھڑکی نہیں کہیں
ایسا آہلی نہیں کہہ رہا
دل میں حالات“ جگر میں حال کہیں
ہم سے پہرہ“ قدر غلہ“ عشق
دلی ”چلویں“ کہ میں دلی کہیں
ظہر دانا میں سر کھپا“ ہوں
میں کہیں نور ”دلی کہیں
محض ”کے قوی“ تپا
”محاصر میں اصول کہیں

۹۰

کی دھم سے تو غیر اس کو بڑا کہتے ہیں
ہوتی آتی ہے کہ اہوں کو ”بڑا کہتے ہیں
کے ہم اپنی پہچانی خاطر میں سے
کہتے ہاتھ تو ہیں، دیکھتے کہا کہتے ہیں
اگلے دھن کے ہیں یہ لوگ ابلیس کہہ نہ کو
جئے و ظہر کو لہو کیا کہتے ہیں
دل میں آجائے ہے ہوتے ہے جو فرصت عشق سے
نور بحر کن سے ہلے گزرا کہتے ہیں؟
ہے ہے سرور لوراک سے ہوا مٹھو
تیلہ کو علی نظر جگہ ”تپا کہتے ہیں
پائے ظہر ”جب سے چلے دم کیا ہے
ظہر ”کو ترے ہم ہر گیا کہتے ہیں
اک شر دل میں ہے“ اس سے کوئی گھڑاے کا کیا
”مطلب ہے ہم کو“ ہو ”نہا کہتے ہیں
دیکھتے لاتی ہے اس شرح کی غزلت کیا رنگ
اس کی ہر بات ”ہم ہم“ کہتے ہیں

کی حد سے فکر کیجئے اس وقت خاص آ
نہ سہل ہے اور ہائے تنہا درہوں میں
میں کو ہم صبح فکر کو ہم صبح
میں میں ہے اگر میں میں
پور میں نہ دیکھتے دکھام ہی میں
آزادی دے دیکھتے ہم تم کہیں میں

(۳)

ہر چند میں گمانی تو وہ چپ ہے
ہر چند پشت گریں لب دہی میں
میں سلوہر دلائی کی سر نہ ہے
لب پہ نہ کٹر دھڑلے میں
فکر سے جو جد کر ہی نہ ہم
دل میں چلی جہنم میں گروہوں میں
ہر گھر جد ہی اگر اقل کہ نہ ہم
ہر عالم دل میں اگر گروہوں میں
تھی نہیں ہوں میں نہ ہے مگر خوب
ہرگز نہیں کے ہلے ہلے گریں میں
کچھ نہ کیا تھا ہے دی سر اہل میں
کوا نہیں نہ جہاں ہت کا نکلیں میں
پا ہوں اس سے وہ کہ اپنے کام کی
مدد تھیں اگرچہ سرچوں میں
جہاں ہے ہائے پور دے کلاں کے بھی
غالب کو چاہا ہے کہ وہ ہم جہاں میں

۳۳

بغیر دشت اور ہی کوئی شہر نہیں
لکھ پکر ہے سر پہ پور میں دیکھ نہیں
حق اس دشت ہی دلائے ہے کہ کو کہیں
جہاں غیر آ ہم دشت قسم نہیں

مجھے ہیں غم ہائے کلاں نہ ہونے ہی
ہر گز دشت کو گھر سر ہاں میں
میں اور سر ہزار دلائی ہر گز نہیں
دہر ایک وہ دشت کہ کیا کہیں
غلم سرہ کلاں سے گھر دشت نہ ہے
ہے نہ خواہ گھر ہے نہ کلاں میں

۳۴

میں ہر گز ہاں گھر ہاں میں دشت
میں گھر دشت میں کہ ہر گز نہیں
دشت میں دشت دشت کا گھر کیا ہے؟
دشت کہ سر دشت ہے کہ ہاں میں نہ کلاں
دہر دشت میں گھر کو ہم کر دشت
کیا ہم ہے دشت ہے کی کہ کلاں میں نہ کلاں؟

۳۵

ہم سے کلاں جو دشت ہے ہر گز ایک ہی
دشت ہم دشت کے دشت کو ہم دشت ایک ہی
دشت دشت دشت دشت دشت نہ ہے
اس دشت کے دشت میں ہے ہر گز ایک ہی
دشت کی دشت ہے دشت دشت دشت کہ ہاں
دشت دشت کی دشت دشت دشت ایک ہی
دشت دشت ہم کو بھی دشت دشت دشت
ہے دشت دشت دشت دشت دشت ایک ہی
دشت دشت دشت دشت دشت دشت ایک ہی
ہم ہی کر دشت ہے دشت دشت دشت ایک ہی

۳۶

ہم ہی کر دشت ہے دشت دشت دشت ایک ہی
دشت دشت دشت دشت دشت دشت ایک ہی

صورتِ قندور کھل رہی ہوتی ہے
 ہلاتے رہا جاؤ دمِ عشق میں
 سنا کر نہ پھٹتی چلتی گویا
 خوش ہوں مگر نہ دلتی کب جاؤ میں
 سر کھنکھاتا ہے، ہنسی دلم سر اچھا نہ ہنسنے
 لذتِ رنگ - اندازِ قندور نہیں
 وہ گرم رخصتِ چاک و گداز میں
 کئی کھیر کچھ کچھ کچھ کچھ میں
 بلب لپا - عقیقہ ہے بلب داغ
 "آپ نے سنا ہے یہ سنتے ہیں نہیں"

۹۳

سے سوک رہا میں کھو - لپٹیں
 ہیں بچ نہو لے دلوں نام میں اپنی

۹۵

دھنک کر رہا ہنسنے دیکھا ہوتا ہے
 کھل کھل ہنسنے گل سہا سے دھنک رہی
 ہنسنے گل سے گل ہے دعویٰ دارنگی
 سر ہے ہنسنے آواز گزلہ رہی

۹۶

حلق	نہر	سے	نہر	میں
چل	پاری	چھو	چھو	میں
سلطنت	دست	دست	کلی	ہے
جام	سے	نام	بہش	میں
ہے	گی	تھی	سلطنت	دور
دور	+	ہم	نورشد	میں

رازِ عشق نہ دوسرا ہو چلتا
 دلتے سر ہلتے میں کبھی نہیں
 گزرتی رنگِ طرب سے دار ہے
 غمِ مروتی چلتی نہیں
 کہتے ہیں "تجھے ہی سہی ہے رنگ"
 ہم کو چھو کی بھی سہی نہیں

۹۷

ہنسی کھلا ہنسنے دیکھتے ہیں
 خیلوں خیلوں ہنسنے دیکھتے ہیں
 دل اندھک غلغلہ کچھ دلتی ہے
 سہا میں ہنسنے ہم دیکھتے ہیں
 تہ سے سوچتے سے اک قدر کرم
 قسمت کے قلعے کو کم دیکھتے ہیں
 دلتا کہ لے لے لے لے دلتی
 چلے یہی قند سے ہم دیکھتے ہیں
 سربازِ عہد لے لے دلتی دل سے
 کہ شب و کا ہنسنے دیکھتے ہیں
 حاکمِ قیود کا ہم بھی بلب
 تھکتے لے لے کرم دیکھتے ہیں

۹۸

ملتی ہے غم سے دار سے دار بلب میں
 کاز ہوں کر نہ ملتی ہو رختِ طرب میں
 کب سے ہوں کیا نکلتی بلبِ خواب میں
 شہنشاہِ بحر کا بھی دلتی کر حلب میں
 کھر نہ نکلتی میں پھر آتے غم
 آتے کا حد کر گئے آتے ہو طرب میں

تھم کے آتے آتے غلام اور گھر رکھوں
 میں چلتا ہوں جو وہ گھسیں گے خوب میں
 مجھ تک کب ہی کی دم میں آقا قادریہ ہمارے
 ساقی نے یکہ نہ دیا ہو شراب میں
 ہو سکر دلا ہو فریب اس پہ کیا چلے
 کیوں بدگن ہوں دوست سے دشمن کے باب میں
 میں شریب ہوں دامن میں طرف رقیب سے
 ادا ہے تم کو دم نے کس چچ رنگ میں
 میں اور حشر وصل "خدا سدا ہست ہے
 ہاں خدا دلی بھول کیا بخلوب میں
 ہے تجوی چڑھی ہوئی حشر بخلوب کے
 ہے اک گلشن دلی ہوئی طرف بخلوب میں
 انکوں بھولا ایک چرنا گھر کا
 انکوں بھولا ایک گھبرا کتاب میں
 وہ بھلا دل میں شمس کے بار بار چک نہ پائے
 جس شمس سے شمس پائے آلب میں
 وہ حشر دلی میں نہ کم آتے
 جس حشر سے سفید دلی ہو سراب میں
 غائب بھلی شراب؟ اب بھی کبھی کبھی
 چچا ہوں دھڑلہ شہر کا کب میں

وہ میں ہے دھڑلہ حشر میں دیکھتے تھے
 نے ہاتھ پاگ ہے نہ پا ہے رنگ میں
 کٹا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے تھو ہے
 بتا کر دم غیر سے ہوں چچ رنگ میں
 اصل حشر و شمس و حشر ایک ہے
 جڑوں ہوں ہر مطلب ہے کس مطلب میں
 ہے حشری حشر حشر ہے دھڑلہ
 پاں کیا دھڑا ہے حشر دھڑلہ رنگ میں
 حشر ایک لائے ہاں ہے لائے ہی تھو کس
 میں کھتے ہے رنگ کس ہی ہوں رنگ میں
 کراہتیں ہل سے حشر حشر حشر
 کراہتیں حشر ہے آئینہ دامن رنگ میں
 ہے رنگ رنگ جس کو کھتے ہیں ام حشر
 ہی رنگ میں حشر ہو جائے ہی رنگ میں
 رنگ دامن دوست سے کھل ہے لائے دوست
 مشعل حق ہوں بھلا رنگ میں

جڑوں ہوں دل کو حشری کس حشر کو میں
 حشر ہو تو حشر دھڑلہ حشر کو میں
 چھوڑا نہ رنگ لے کر تھو حشر کا دم ہوں
 ہر اک سے پہچانتا ہوں کہ "جہاں کدھر کو میں؟"
 جانا چچ رقیب کے حشر حشر ہاں
 لے کٹا چلتا نہ حشر حشر حشر کو میں
 ہے کیا حشر کے حشر حشر حشر حشر
 کیا جانا نہیں ہوں حشری حشر کو میں
 نہ لگتی کھتے ہیں کہ "ہو ہے حشر دامن ہے"
 ہ جانا کر تو حشر نہ حشر کو میں

کل کے لئے کر آج نہ حشر شراب میں
 نہ حشر حشر ہے ساقی کڑ کے باب میں
 ہی آج کیوں انکس؟ کہ کل تک نہ حشر ہند
 کھلائی فریاد حشری رنگ میں
 ہاں کیوں کھتے حشر ہے حشر سے دم حشر
 کر نہ حشر حشر ہے حشر حشر حشر میں

اگر تیرے کی دلگیری
اٹھیں، مگر وہ ہرگز نہیں
ملا، ہرگز نہیں، غائب
م سے جانے کا ہرگز نہیں

۱۰

دلہا غصہ کم اٹھ رہی ہے جلیں لہے
دگر م سے تو دلچ لہا رکھتے ہیں

۱۱

دلم چا ہوا ترے وہ نہیں ہوں میں
خاک لکی زندگی پہ کہ ہجر نہیں ہوں میں
کھلیں گردنوں دام سے گھبرا نہ جانے کی؟
انہی ہوں، چاند و سافر نہیں ہوں میں
ہا رہا لہا لہا کہ جانا ہے کس لئے؟
لورج جلی پہ حرف کرتے نہیں ہوں میں
وہ جانے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر کتابک ہوں کافر نہیں ہوں میں
کس واسطے سوز نہیں جانتے لکھ؟
معل و دمو و درد گہر نہیں ہوں میں
رکھتے ہو تم قدم سرے آنکھوں سے کیوں دریغ؟
رہے میں سر و دل سے کفر نہیں ہوں میں
کرتے نہ لکھ کہ صبح قدوس کی لئے؟
کیا آہوں کے بھی رونا نہیں ہوں میں؟
غائب! دلچہ طار ہو، وہ شلہ کو رہا
وہ جے کر کہتے تھے سزا نہیں ہوں میں

۱۲

سب کھل جاکہ تار و نخی میں لپٹیں ہو
خاک میں کیا سودھی ہو گی کہ پنڈ ہو گئیں

یاد تھی ہم کو بھی رونا کھہ ہم کرنا
لکھی سب لکھی و ناکر ملنے نہیں ہو گئیں
تھی حالت بدش گھول جان کو پڑے میں تھی
شب کو ان کے ہی میں کیا نکل کر مویں ہو گئیں؟
قد میں غصہ نے ہی کو نہ صحت کی خبر
لکھی انھیں دلکش دوار دواں ہو گئیں
سب دھوپوں سے ہوں جھوٹی، نظر سر سے
ہے رنگا ٹوٹی کہ غور نہ کھلی ہو گئیں
ہوئے غل آنکھوں سے بٹے ہو کہ ہے تمام طاق
میں یہ سمجھوں گا کہ غصہیں وہ لڑاں ہو گئیں
ان پرچوں سے لیں کے تھ میں ہم انعام
قدوس حق سے کیا، عورتی، گر وہی ہو گئیں
پھر اس کی ہے دماغ اس کا ہے دماغ اس کی ہیں
تھی دماغ میں کے چاند، پتلی ہو گئیں
میں جن میں کیا کیا، گوا دماغ کھل گیا
پتلیں میں کہ سب شلہ غولوں ہو گئیں
وہ لکھی کھلی جلی ہیں چاہے مل کے پڑا
وہ مری کھلی، قسمت سے جڑیں ہو گئیں
بس کہ دماغ نے لور چنے میں لہریں ہے وہ ہے
پتلی تھی، جیہ، ہاکر گھریں ہو گئیں
وہ کیا بھی میں، تو ان کی کھلیں کا کیا جواب
یاد تھی جلی دماغی موشہ دیوں ہو گئیں
ہیں خوا ہے وہ جس کے چاند میں جام آگیا
سب گھریں چاند کی، گوا دھوپ ہیں ہو گئیں
ہم سوئے ہیں، ہارا کھلی ہے ترکہ دسم
جتنی رہ سہ گئیں لڑنے لکھی ہو گئیں
رنگ سے ڈار ہوا اندر تو مٹ جانا ہے رنگ
چھلکی لکھ، پتلی اتنی کہ کھلی ہو گئیں
ہیں ہی کہ دوا رہا غائب تو لہہ جلم جلی
دیکھا ہی نہیں کو تم کہ دواں ہو گئیں

۱۳

روانگی سے روش پہ ڈھلا بھی نہیں
 تپتی ہولے بیب میں اک کمر بھی نہیں
 دل کو نیم سرسبز دیوار کر چکے
 دیکھا تو ہم میں طاقت دیوار بھی نہیں
 لٹا رہا اگر نہیں کسی تو سل ہے
 دیوار تو یہی ہے کہ دیوار بھی نہیں
 ہے عشق مرکت نہیں کتنی ہے اور ہاں
 طاقت ہندو لہجہ آواز بھی نہیں
 غریبگی کے ہاتھ سے ہے سہیل دیوار
 حرا میں اسے خدا کوئی دیوار بھی نہیں
 گہا کٹر عاصف ہندو ایک طرف
 ہاں دل میں ضعف سے ہوس رہا بھی نہیں
 دار باد ہائے دار سے میرے خدا کو مان
 آخر توانے مرا گرفتار بھی نہیں
 دل میں ہے یاد کی صف دیوار سے راکھی
 حال آنکہ طاقت ہندو خدا بھی نہیں
 اس سادگی پہ کتنے نہ مر ہائے اسے خدا
 کرتے ہیں اور ہاتھ میں کبار بھی نہیں
 دیکھا اسے کہ غلوت و جلوت میں باد
 دیوار کر نہیں ہے تو دیوار بھی نہیں

۱۴

نہیں ہے دلم کوئی بچے کے درگاہ میرے حق میں
 ہوا ہے کمرانگیر ہاں' رشتہ چنم سدا میں
 جہاں ہے 'یاغ' خلد کشتا عتدہ درہنی
 کعبہ سیلاب پانی ہے رنگین پہ دیوار میں

دھلتے خانہ بیدار کا دھلتے دیوار میں
 تعمیر نام شہد ہے میرے ہر تلوہ غول' حق میں
 ہاں کسی سے ہر طاقت کسی سے بیبہ جسٹس کی
 شب نہ ہو' نہ دیکھ رہی چاندیوں کے دھلتے میں
 کوئل دیوار چرانی' طوطہ دیوار جانی
 ہوا ہے عتدہ انہیں 'تپتے بیبہ و دامن میں
 ہونے اس سرور کے جلاوطن کے آگے
 ہے طاقت ہندو گیتھ میں شہر اور دیوار میں
 نہ چلتی تک ہاں کا دیوار' پر صحت طاقت ہے
 نہ کئی ہاں تو ہوس نکلس میں جوس ہاں تو ہاں گھٹن میں
 ہزاروں دل دیکھ دیوار دیوار طاقت سے بھوک
 یہ ہو کر سوتا ہو گیا ہر تلوہ غول' حق میں
 اسدا زبانی' گاہر طاقت ہائے دیوار ہاں
 لم دستہ فواش ہو گیا ہے طوق گھٹن میں

۱۵

جسے جہاں کے اپنی نظر میں خاک میں
 سوائے غلوت بکر ہو بکر میں خاک میں
 کر غلوت ہونے ہے ہوا اڑا لے ہائے
 دگر نہ کب دیوار ہاں دیوار میں خاک میں
 ہے کس بھشت غلوت کی کہ کہ کہ ہے؟
 کہ طبع جلا کئی رنگہر میں خاک میں
 ہوا اسے نہ سہی بکھ بھی کہ رم آتا
 اڑ میرے نفس ہے اڑ میں خاک میں
 دیوار جلا کئی سے غراب ہیں نیکن
 شرطاٹنے کے دیوار دور میں خاک میں
 ہوا ہوں طاقت کی جادوئی سے فرشتہ
 سوائے سرسبز حقیر گھر میں خاک میں

تلاوتِ شعر ہیں اب صرف طے لگی کے ساتھ
کھلا کہ لائقِ عرضِ ہمار میں جانب نہیں

دل کی آواز ہے نہ تک وشت اور نہ ہرگز آئے ہیں
 مدد کے ہم بار بار کوئی ہمیں ملنے کیوں
 ہم نہیں، حرم نہیں وہ نہیں ہمیں نہیں
 ایسے ہیں رہنمائی ہم غیر ہمیں افسانے کیوں؟
 جب وہ ہمارے افروز صورت ہمیں ہر نور
 آپ ہی وہ نکالے روزِ پندے میں نہ پہچانے کیوں؟
 دشتِ غم پہنچیں خاکِ بے پایہ
 کھڑی کھڑی رخ سے ملنے جیسے آئے کیوں
 قہرِ حیات و ہر ظلم اصل میں ہوں ایک ہیں
 موت سے پہلے آئی فلم سے نہایت پائے کیوں؟
 حسن اور اس پہ حسنِ علی وہ کئی ہوا لہریں کی شرم
 لپٹے پہ لپٹے پہ غیر کو اگلائے کیوں
 وہاں وہ غلامِ روزِ بے ہوا پہ چاہیے دانو وشت
 راہ میں ہم نہیں کہیں؟ ہم میں وہ ہلکے کیوں
 وہاں وہ نہیں خدا بہت چاہے وہ بڑا کسی
 جس کو وہ دیکھ دلی میں اس کی گل میں ہلکے کیوں؟
 قاتلِ قصہ کے ہمارے کون سے کلمہ بد ہیں
 دیکھتے راہِ ہر کہا؟ کچھ ہلکے ہلکے کیوں؟



غریب باغیچہ کو دور سے مست دیکھا کہ وہاں
 ہوسے کو پھل پھل رہا تھا جس دور سے مجھے ناکہ وہاں
 پہنچا۔ ظاہر دینی کیجئے کیا کہ مجھ کے
 اس کے ہر ایک اشارے سے لگے ہے یہ لڑاکا وہاں
 دولت کے جوتے سے سیرِ حلقہ دیکھ کو لئے
 تھے وہاں تھا کہ ہے نہ کہ۔ خدا کہنے کہ وہاں

مغیر سے دست کیا ہی؟" یہ سنا کلا تو بیٹھے
 ملنے میں بیٹھا اور یہ دیکھا کہ وہیں
 دم میں اس کے ہونٹوں کیوں نہ لٹکی بیٹھے
 اس کی تو حاشی میں بھی ہے بگی ہوا کہ "میں"
 میں نے کہا کہ "ہم ہر چاہتے ہیں سے حق"
 یں کے ہم غریب نے مجھ کو اٹھا ہوا کہ "میں"
 مجھ سے کہا ہوا ہے: "ہلے ہی ہوش کی طرف"
 دیکھ کے میری دھڑکی چلے گی ہوا کہ "میں"
 کب مجھ کو سے ہوا میں رہنے کی دھڑکی ہوا تھا
 آج ہوا میں گئی مجھ کو دھڑکی ہوا کہ "میں"
 کہ ترسے دل میں وہ خیال "دل میں ہی حق کا ہوا"
 سوچ میرا آپ میں ہونے ہے دست ہوا کہ "میں"
 ہوا یہ کہہ کہ "میں" کہیں کے ہوا دھڑکی ہوا؟"
 مجھ کو دھڑکی کہ ہوا ہوا کے سے ہوا کہ "میں"

محمد سے مل کر اظہار ہے گرم کشا ۴۰
 کہ چاہے تک شاید کھڑے گا، سے دا ۴۰
 بقدر صورت مل چاہے غلظت محاسن بھی ۴۰
 کہوں کہ کوشا دامن گر آہر ہلے دلا ۴۰
 اگر ۴۰ سداقہ گرم فرام ۴۰ تھیلے ۴۰
 کعبہ پر خاک غلظت کھلی قوی تک فرما ۴۰

[illegible]

۳۰

قطعہ

ہے رنگِ دل و گلِ دہری ہوا چا
 ہر رنگ میں ہلکا کا اٹھتا چاہے
 سزا پائے تم سے چاہے بھگتِ راجی
 وہ سوائے قلبِ دلتِ سہجہ چاہے
 جتنی ہے مسکرتِ گدلی زبانِ طفت
 مارے کچھ مسکرت سے زلت چاہے
 نمودار ہے اصل سے کاتب ! فروع کو
 طعشِ ہی سے لگے ہے ہر بات چاہے

۳۳

ہمارے گھر میں تھا ایک بلی بکرا خوں وہ بھی
 سو رہتا ہے ہمارے بیکین سرگوشی وہ بھی
 رہے اس شوق سے آواز ہم چاہے ظلف سے
 ظلف ہر طرف تھا ایک آوازِ بھون وہ بھی
 خیالِ مرگ کب نہ سکر رہا آواز کو بکھٹے
 مرت دمِ قوت میں ہے اک سپر زلی وہ بھی
 نہ کرا کھن بکھن کو کیا معلوم تھا ہم
 کہ ہو گا ہمتِ فوجِ دہرِ دہن وہ بھی
 نہ تھا بڑا بڑا جگر بچا ہے ہر فرد
 مرتے دوائے بھلی میں ہے اک صبحِ خون وہ بھی
 ہے شربت کی خواہشِ ساقی گھٹوں سے کیا کیجے
 لے بیٹا ہے اک ہمارے جامِ داغوں وہ بھی
 مرتے دل میں ہے کاتبِ خلق وصل و لکھن بھری
 خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

۳۴

ہے جہم بھلی میں غنمِ گندہ لہوں سے
 لگ آئے ہیں ہم اپنے پوشے بلبوں سے

ہے ہنسا دار ہر در و دارِ لم کہہ
 میں کی ہلکا ہے ہر اسی کی خوش نہ پہچ
 ہمارے کھنکی کی بھی صورتِ لطیف
 دھاری نہ دھم بھری نہ پہچ

۳۶

مرد ہمارے وہ ہے ہر مڑھی لطیف
 طاقت کہیں کہ وہید کا اسی لطیف
 ہے سنگ ہے برادرِ سناورِ جونِ شوق
 یعنی ہمارے مسکرتِ ظلالِ لطیف
 دارِ ہمارے مسکرتِ حیرت سے ہے تم
 اسے خالی قراب نہ اسی لطیف
 دھرتِ دلمِ رنگ کو زہا نہ بکھتے
 نہ پہچا جسمِ بھلی لطیف

۳۲

سجھ کے دیرِ سلیبِ غریب چاہے
 ہوں پاس آکر قلبِ مہبت چاہے
 عاشق ہونے میں کب بھی ایک اور شخص ہے
 آخر حق کی جگہ تو شکست چاہے
 وہ دار اسے شک طرِ صورتِ پرست کی
 پاں کہ نہ کہہ ملتی بخت چاہے
 کھٹے ہیں ہر دلوں کے لئے ہم مسکرت
 تقریب کہ تو ہر دھرت چاہے
 سے سے غرضِ کھٹا ہے کس نہ سید کر؟
 اک کو نہ بھری لگے دن رات چاہے

کوں کیا اپنی فاضل اپنے لیں تاکہ
ہوئی کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی ہوا لگی

۳۸

حاصل سے ہاتھ دھو چہ اسے آواز عری
دل ہلکے گھر میں ہے اپنی ہوئی عری
اس شمع کی طرح سے جس کو کوئی جگہ دے
میں بھی چلے ہوئی میں ہیں درجہ ہلاکی

۳۹

کیا تک ہم حق رکھ کا ہوں ہے
جس میں کہ ایک چہرہ گھر ہوں ہے
ہے کائنات کو حرکت میرے ذوق سے
ہوا سے اکٹپ کے اسے میں ہوں ہے
ہل آگ ہے ہر جلی خارا سے لاکہ رنگ
ناقص کو میرے بیٹھے چہ سے کا لکھ ہے
کی اس نے گرم چند اہل ہوں میں جا
توہ نہ لکھیں ہند کہ لکھا لکھ ہے
کھا خوب تم نے گھر کو ہوس میں دوا
میں چپ رہا طوطے بھی نہ میں توں ہے
بیٹھا ہے ہر کہ سلوہ دیوار ہار میں
نہروائے شجر ہندوستان ہے
ہستی کا ہتھار بھی تم نے بنا دیا
کس سے کوں کہ درجہ بکر کا لکھ ہے
ہے ہنس اٹھ دکھاری اس قدر
تاکہ ہم اس میں توں ہیں کہ بھوں ہے

۴۰

دود سے بھرتے ہے تھ کو بدکاری ہنسے ہنسے
کیا ہوئی غلام دلی غصہ شہادی ہنسے ہنسے

ہے ہر قسم دہر پہلے سہا
کہ ہر گاہ وہ گھر سے میرے لیں سے
دعا گھر ہر جگہ گھر میں دوا
دائید د ہوا قوت میں ہے لوں سے
ہوا دے دیکھ کہ ہلکی رہی آواز
ہر چند میں ہوں کہ تھا رہا لوں سے

۴۱

آہم کو قطع کی بھی پائی نہ دے جا
میں پلٹے ہیں گو ذکر ہوا نہیں کرتے
تاکہ ترا ہوا سا دلی کے ہم میں کو
ہے میں کے ہا لکھ ہے ابدا نہیں کرتے

۴۲

گھر میں تھا کیا کہ تراجم اسے قدرت کرا
ہے ہر دیکھتے تھے ہم اک صبر خیر ہ ہے

۴۳

غم دیا سے کر پائی بھی فرمت سر اٹھنے کی
لکھ کا دیکھنا خوب میرے ہا کرتے کی
لکھ کا کس طرح صبر میرے کتب کا ادب
ہم کئی ہے اس کار نے کتھ کے چلنے کی
پلٹا ہوا میں شط آواز کا آواز ہے
دے شکل ہے عکس دل میں سوز تم پھیلنے کی
میں صبر اپنے زمینوں کا دیکھ کا تھا
اٹھتے تھے میرے گھر کو دیکھ کر ہی ہنسے کی
ہندی سہی خسی اٹھتے ہا ہ ہا
درا کا نہ تھا عالم گھر خیر چلنے کی
لکھ کبیر ہوا کا چل کر نہیں سکتی
میں حالت کے خاص تھی ہوں کے ہر اٹھنے کی

ہے وہ لہجہ جس سے چمکتا رہا
ہر بات اس کے پاس دل حق نکلا ہے
لی بس قدر نے شب سبب میں شرب
اس بھی مزاج کو گری ہی داس ہے
ہر یکہ سخن کو ہے نہیں سے شرف اند
بھوں کو مر گیا ہے تو بگل لباس ہے

۳۲

گرفتاری سے قائم اٹھائے مل ہے
خوش ہوں کہ میری بات کبھی نکل ہے
کس کو سخن صبرِ اشد کا گرم
مل لہجہ شیخ و شاعر نہاں ہے دل ہے
کس پرست میں ہے کچھ پروا نہ خدا
رست کہ خدا قبول ہے سوال ہے
ہے ہے خدا خواست وہ اور دشمن
اسے شوقِ حافل ہے تجھے کیا خیال ہے؟
تھیں لباسِ کب عشق کے خم سے بن
خدا دین ہے نہ کہ ہنس نواز ہے
دشمن پہ میری رونا کھل جگ تھا
دعا نہیں کہ عشقِ حافل ہے
سچی کے مت قرب میں آہنج اند
ہام ہم مقررہ دایہ خیال ہے

۳۳

تم اپنے شکوک کی بائیں نہ کہو کہو کے پہلو
خدا کہ مرے دل سے کہ اس میں آگ لگی ہے
ہاں یہ دردِ عالم میں تو سُست ہے کہ انور
نہ گریہ میری ہے نہ نورِ عالم جس ہے

نیرے دل میں گر نہ تھا آئینہ تم کا وصل
تو نے ہمیں کی قسمی تھی گدھی اپنے اپنے
کہیں میری تم غباری کا تھ کو کیا تھا غبار؟
دشمن اپنی قسم میری "دشمنی" اپنے اپنے
مر ہم کا تو نے کیا وہ بدعا تو کیا
مر کو بھی تو نہیں ہے پادری اپنے اپنے
اور حق ہے مجھے آپ د ہوائے ریکی
میں تم سے قسمی اسے جادوگری اپنے اپنے
کی نظری اپنے باز جہاد کو کیا یہ کہہ
ناک ہے مرنے ہے جہی باز لکھی اپنے اپنے
شرح رسائی سے چاہیہ خوب خاک میں
ختم ہے غصہ کی تھ ہے ہوا داری اپنے اپنے
خاک میں ہمارو چلو صحت مل کی
انہ کی دنیا سے روا روح داری اپنے اپنے
باتہ ہی چلے گئے کا ہم سے چاہا روا
دل پہ اک تجھے نہ چلا دم لکھی اپنے اپنے
کس طرح کائنات کوئی شب اپنے تیرے حافل
ہے فکر نہ کہو "فکر" تیری اپنے اپنے
کوئی محرمِ حرام و ختم محرمِ مل
اکہ دل جس ہے یہ جامہ داری اپنے اپنے
حق نے پکارا نہ تھا پتہ اپنی وحشت کا رنگ
د کیا حال میں جو کچھ دفترِ غری اپنے اپنے

۳۶

مرگشتگی میں عالم سچی سے پاس ہے
نسکین کو دے لہو کہ مرنے کی جس ہے
لیتا نہیں مرے دل تواری کی طر
اب تک وہ جاتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے
کچھ ہیں سوارِ صبر تم کہیں نکلا؟
وہ مرے ہوا پہ انہاں پاس ہے

۳۳

۳۷

دم کر عالم کہ کیا ہو چارنگ کھنڈ ہے
نہیں چار دہ دہ چارنگ کھنڈ ہے
مل گئی کی بارگد چکی رکتی ہے
دست پا چوکی سر چارنگ کھنڈ ہے

۳۸

چشم طریغ غاشی میں بھی نوا ہوا ہے
سور ڈ کونے کہ بحر طوع کوا ہے
نیک طلق سب طالع ہوا ہے
ہر کوا کدو ہوا کی کوا ہے
دستار دہا خواہر بھون دیکھا
یک طریغ چل کر فرار پا ہوا ہے

۳۹

خلق مجھ کو نہیں دشت ی سی
میری دشت تری شربت ی سی
طبع کیجے نہ خلق ہم سے
کہ نہیں ہے نہ دولت ی سی
میرے ہونے میں ہے کیا رسائی؟
اے "میں نہیں خلعت ی سی
ہم بھی دھن تو نہیں ہیں لہنہ
نیر کو تھ سے صحت ی سی
اپنی جتنی ی سے "ہر کہ "ہر
آگے کر نہیں خلعت ی سی
مر ہر چہ کہ ہے ہنر غم
دل کے خوں کرنے کی فرصت ی سی

ایک پہلو بہ کھاتا سو بھی منور کیا
ظاہر کھنڈ تہہ کھ کا ظہ ہوا ہے
نی چلے اقل کا کی چھٹی " نہ کھنڈ؟
ہم میں چلے غنہ ہر چہ آتقی ہر ہے
آگ سے پانی میں چھتے وقت امتی ہے صدا
ہر کوئی دہانگی میں ملے سے ظہار ہے
ہے وہی ہستی ہر فرد کا فرد ہوا ہوا
جس کے ہلے سے دیش تا آہل سرشار ہے
کھ سے مت کہ "ہم میں کھ کا اپنی دہانگی
دہانگی سے بھی مرلی ہی دہان ہوا ہے
آگ کی قصہ سرتے پہ کھنڈی ہے کہ "ا
تھ پہ کھل ہونے کہ اس کو صبر ہوا ہے

۳۵

وطن میں گزرتے ہیں ہر کوچے سے " میرے
کدوا بھی کدوں کو ہلے نہیں دیتے

۳۶

میری جتنی گھٹائے حیرت آہر تھا ہے
تھے کہتے ہیں ہر " اسی عالم کا کھکا ہے
غوں کچھ خلعت کی کہتے ہیں کوا کوئی موسم "ہر
دی ہم ہیں غنہ ہے ہر نام ہل دہکا ہے
وقتے دہانگی ہے خلق دہا اے ہم
ہر فرار دہانگی میں کا کھ لے دیکھا ہے
دہائی غنہ دہانگی کھنڈ کھنڈ کھنڈ
کدوا غنہ کھ کا صبر کھنڈ تھا ہے

م کوئی ذکر دیا کرتے ہیں
 نہ کسی خلق صحبت ہی نہ
 بلکہ تو دے اے قلب بے صفت
 کہ دلیلوں کی رخصت ہی میں
 ہم بھی تسلیم کی طرف راہیں گے
 ہے غازی تری بات ہی میں
 بار سے پھر پلے جانے لے
 گر نہیں وصل تو صرت ہی میں

۱۵۴

ہے کرمیگی میں کوہل جا گئے
 کج خلق ہے خدا دہاں نا گئے
 دھڑلے ہے اس خلقِ آفتی نفس کوئی
 جس کی صرا ہو جودہ بزم کا گئے
 مست لے کھوں میں دو دلیاں خیال
 (پڑھتے سے نہ رہے دعا گئے
 کرتا ہے ایک بار میں تو ہے جلیاں
 کہنے لگی ہے کھتر کل سے جا گئے
 کہتا کسی پہ کیوں مرے دل کا سدا
 شہروں کے دلچسپ نے رسوا کیا گئے

۱۵۵

زندگی اپنی باب اس فعل سے گزری تاج
 ہم بھی کیا بار کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

۱۵۶

اس دم میں گئے میں خلق جا گئے
 بیجا دیا اگرچہ اشارے دیا گئے
 دل ہی تو ہے سیاست دہاں سے لڑ گیا
 میں اور چٹاں دے سے ترے ہیں صرا گئے؟

رکتا بچوں میں فرقہ و چٹا دہاں سے
 دت ہوئی ہے دھرم آپ دہا گئے
 ہے مرلہ ہی گزرتی ہے ہو کرچہ ہم غلغلا
 صحت بھی کل کیس گے کہ ہم کیا کیا گئے؟
 خدو ہو تو خاک سے پائوں کہ لے ہم
 تے وہ گھنٹے گراہیں کیا گئے؟
 کس دوا عشق نہ ترشا کیسے خدا؟
 کس دن تلوسہ سر پہ نہ کرے چا گئے؟
 صحت میں لیر کی نہ پڑی ہو کیسے یہ تو
 اپنے لگا ہے بوسہ بھر ادا گئے
 خدا کی ہے اور بات مگر تو رہتی نہیں
 بوسے سے اس نے تکیں دوسے دیا گئے
 تاج نہیں کہ کر لے گا تاج کج
 بنا کر تم کا گئے اور وہ بنا گئے

۱۵۷

دلدار مر لعل دو غلغلا ہے
 اس مل کے صلب کو بے تاج ہے
 چلتے سے ہے سر شکر باد سے
 بار قدم چلتا مون شراب ہے
 زخمی ہوا ہے پاش پاش ہمت کا
 نے جاننے کی گئی نہ اجسے کی لب ہے
 بدلو باد توڑی دہاں ہے مثل صحت
 غافل گئی کرے ہے کہ تکی شراب ہے
 خدا کا دلہا ہو اس بزم صحت کا
 دلی ہوا جوسے کو جس کے قلب ہے
 میں ہمارے دل کی قتل کو کیا کہنا؟
 ہا کہ تجھے رن سے تگر بھلیا ہے
 گرا اتنا سرسبز بیچ بار سے
 جھڑپ ہے کہ کہ دلیلوں صوفی دلچسپ ہے

اس گل کا قصہ میں بھی سنا دے گا
جب کہوں گا کہ یہ ہوا ہی نے مجھے

۱۵۶

کونکر پہنی میں لہر وارن مٹاں ہے
رقی قوموں دھندلے طائر گرج دھواں ہے
خجہ کا گھٹن کا رگڑا طبع مہم
پندہ دہن خواہد گل پریشاں ہے
ہم سے رنگ بچاں کس طرح اٹھیا جائے
دار پشتر دستہ لڑ شطرنج بدعاش ہے

۱۵۷

گل ہا ہے صد دیوار سے سجا پالت
ہم جاہل ہیں جی نور گھر میں یاد گلی ہے

۱۵۸

سدا ہے اس کی مہر جانے کی صحت دل میں ہے
میں نہیں جانتا کہ پھر کون کونسا قافل میں ہے
دیکھتا نکھر کی قبت کہ نہ اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
کچھ ہے کس کس پائی سے ولے ہا میں
دار میرا کھ سے بھر ہے کہ اس صحن میں ہے
میں بھوم چھیدی خاک میں لی جائے گی
یہ وہ ایک لذت ہادی سنا ہے حاصل میں ہے
رنگ نہ کیوں کھینچے؟ دانہ کی کو صحن ہے
اگر نہیں سکا طرا ہو قدم حلی میں ہے
جانہ دھر آئندہ صانع خدا دل میں
قدحہ شور قیامت کس کی تب دلی میں ہے؟
ہے دل شریعت پالت ہم چا، کب
دہم کر اپنی آقا ہے کہ کس لعل میں ہے

۱۵۹

دیکھا قسمت کہ کب اپنے پہ رنگ آجائے ہے
میں اسے دیکھتا تھا کب کب سے دیکھا جائے ہے
پتھر دھول دل سے کی گئی کہ گھڑے میں ہے
آئینہ بھری سہا سے بچھا جائے ہے
غیر کو یاد ہے کہ کونکر صبح کھینچی کسہ؟
کر گیا بھی اس کو آلی ہے تو شہا جائے ہے
شوق کو یہ نص کہ ہر دم نہ کھینچے جائے
دل کی وہ حالت کہ دم لپٹے سے کھرا جائے ہے
صد چشم ہر تری برج عجب سے دار دار
نظر ہو ہوا ہے وہی کہ نہ میرا جائے ہے
کچھ ہے طرز تماثل پہ دار دار صحن
یہ ہم اپنے کھسے جائے ہیں کہ وہ پائے ہے
اس کی ہم گزشتہاں میں کر دل دھندل جائے
شکر شکر دھندلے غیر بیجا جائے ہے
ہم کے عاشق وہ ہی رخ نور پاک میں کہا
رنگ دیکھا جائے ہے جتا کہ لانا جائے ہے
صحن کو اس کے صمد ہے بھی کہا کہا ہے
کھینچا ہے جس قدر کہ ہی کھینچا جائے ہے
سدا میرا کھ سے صحن قد بھانکے ہے اند
ہاں کھ آئین بھوں کے کس سے صرا جائے ہے؟

۱۶۰

گرم فریاد دیکھا شکر قافل نے مجھے
تب لی ہر میں دی نیواریں نے مجھے
نہ و فکر و عالم کی حقیقت معلوم
نے لیا کھ سے مری صبر طاق نے مجھے
شکوت آرائی دوست ہے پرستاری دہم
کرنا کفر میں صبر بھلی نے مجھے

تم کو بھی ہم دکھائی کہ ہمیں نے کیا کیا
فرصت کھائی، غم پھلی سے گر گئے
لادم میں کہ نظر کی ہم جڑی کریں
ہوا کہ اک درگ بھی ہم سڑ گئے
اے ساکھو کوپ دکھ دکھ
تم کو کہیں ہو غالب غلام سر گئے

۲۱

کئی دن کہ درگاہی دور ہے
اپنی ہی میں ہم نے غلی دور ہے
آتش دھڑا میں یہ گرمی کھلا
سورہ غم ہائے غلی دور ہے
ہوا دیکھی جی میں کی رہیں
یہ کہ اب کے سرگاہی دور ہے
دست کے علاوہ دیکھا ہے ہر
کہ تو غم غلی دور ہے
چلے اور ہیں انور غم
ہو ہائے غلی دور ہے
یہ بھی غائب ہائیں سب غم
کہ سرگاہی غلی دور ہے

۲۲

کئی ناپہ و میں
کئی صورت نظر میں
سب کا ایک دن نہیں ہے
چند کہیں رات ہر میں
آئے آتی تھی ظہور دل و
اب کسی ہاتھ یہ میں
ہوا ہوں خواب حاضرت و
یہ غیبت ہر میں

۱۵۹

دل سے زہی تھ بکر تک از گئی
صاف کو اک اور میں دھند کر گئی
حق یہ کیا ہے سید ہوتا قصہ فرام
تکلیف ہوا دلایا غم بکر گئی
ہو ہوا غم کی سرسبز کھلا
اچھے ہیں اب کہ قصہ خواب سر گئی
آتی بہت ہے خاک سر کہ ہر میں
دست اب اے ہوا میں ہوا کی
دیکھو تو دلچسپ ہوا غم ہوا
سورہ غم ہوا میں کیا غم سر گئی
ہر ہ ہوا نے میں پرستی شہ کی
اب آہستہ آہستہ غم نظر گئی
غلام نے بھی غم کیا وہ غم کا
مستی سے ہرگز ترسہ رہا ہے بکر گئی
فرامی کا غم یک بار دست کیا
کئی تم مجھے کہ ہم و قیامت کور گئی
ہوا دھند نے آتے اور میں نہیں
ہو دھند کئی ہو ہوا کور گئی

۲۳

نکس کو ہم نہ دیکھی ہو غلی نظر لے
دور غم میں زہی صورت کر لے
اپنی گئی میں تھ کو کہ کہ دھند ہوا
بھرتے ہوتے سے غم کو کہیں حیرا کر لے
ساقی گرمی کی شرم کہ آج دور ہم
ہر شب چاہی کہتے ہیں نے جس قدر نے
تھ سے تو بہت کام میں تھیں اے غم
میرا غم کہیں اگر ہر ہ لے

گھر کا ہر گوشہ خوں میں رنگا
 کیا کھنچا ہے جنا گھر نواں ہے
 ہوا ہوا وصل سلی تک مست
 ہم غیل بندہ ہے گردش ہے

قطرہ

اے نکو دلفریز ہوا ہوائے دل
 زلف کر صیں ہوا ہوائے دل ہے
 دیکھ لکھو ہوا ہوا محبت تک
 بھی سنا ہوا کوئی نصیحت تو ہے
 سنا ہے ہوا دلفریز گل و آہی
 طرب ہے لہر دلفریز گل و آہی ہے
 یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بند
 دلفریز ہواں ہوا کوئی گردش ہے
 لعل فرخ سنا دلفریز ہوائے جنگ
 ہوا جتن تک ہوا گردش کو ہے
 ہوا گم دم ہوا دیکھتے ہیں تو ہم میں
 ہے ہوا سود و سوز نہ ہوا و خودی ہے
 دلفریز طوق محبت شب کی جل ہوا
 اک شمع نہ کی ہے ہوا بھی خوش ہے
 آتے ہیں لب سے ہوا مٹائی غیل میں
 چاہا سرور غلہ لہائے سرواں ہے

لکھا

گھر مری جان کا قرار نہیں ہے
 غایتیہ ہوا انقدر نہیں ہے
 دینے ہیں جنت جہانور کے ہونے
 نہ ہے ہوا ہوا ہوا نہیں ہے
 گھر نکلتے ہے زری ہم سے لکھ کو
 ہونے کے بدلے ہے اختیار نہیں ہے

خون گھٹا خون کی پانکھے ہے کیا ہر
 ہوا رنگ رنگ رنگ رنگ ہوا
 بھی ہوا ہے کیا ہوا ہوا کہ دور میں
 جہے سا بھی ہم پہ ہوا سے تم ہونے
 لکھتے رہے ہوا کی مٹائی فریادیں
 ہوا چہ ہوا میں ہوا ہوا تم ہونے
 لکھ دلفریز بھی ہوا ہوا کے ہم سے
 ہوا ہوا ہوا میں ہوا ہوا ہم ہونے
 ہوا ہوا کی گنج ہے ہوا ہوا ہوا
 ہوا ہوا کے ہوا ہوا کے ہم ہونے
 ہوا ہوا میں چہ ہوا ہوا ہوا
 ہوا نہ کھنچے ہوا ہوا کے ہم ہونے
 چھوٹی ہوا ! د ہم نے گواہی میں ہوا کی
 سائل ہوا تو ہوا ہوا ہوا

۲۲۹

ہوا نہ ہوا ہوا کی کہ ہوا ہوا
 تو ہوا ہوا ہے ہوا ہوا ہوا
 لکھ ہوا سے کیا ہوا ہوا ہوا
 بھی کوئی ہوا میں ہوا نے نہ ہوا ہوا
 ہوا ہوا کسی کو ہوا نہیں ہوا ہوا
 کہ ہوا ہوا کو ہوا ہوا ہوا

۲۳۰

طقت کوہ میں ہوا ہوا ہوا
 اک شمع ہے ہوا ہوا ہوا
 نے ہوا ہوا ہوا ہوا ہوا
 ہوا ہوا کہ ہوا ہوا ہوا
 سے نے کیا ہے ہوا ہوا ہوا
 لکھ ہوا ہوا ہوا ہوا ہوا

سلسلے کی طرح ساتھ بہری ہو دھوڑ
 تو اس قدر دھول سے ہو گوارا میں کہے
 تب ہار کر ہی مانگتا تھا بجا ہے
 تب گنت بکھر دھواں ٹوبہ میں کہے
 دے دے کہ عظمت کی بھارت کے ظفر
 کہہ تھ کہ تو بھی مرے گوارا میں کہے
 اس چمک لہر کا اگر پاسے اللہ
 طوطی کی طرح آئینہ کھنڈ میں کہے
 کانٹوں کی لہلہ سوکھی گیاس سے بارہ
 اک تھ یا دہلی چاند میں کہے
 مریوں نہ کہیں رنگ سے وہ تو خاک
 آتشوں غم طوقہ زہر میں کہے
 عذر ہوا میں نہ ہو مگر ہوا رہ
 کہیں شہر گل بلخ سے بازار میں کہے
 تب چاک گریلوں کا سو ہے دلیر طای
 وہ اک شمس اچھا ہوا ہو نہ میں کہے
 آئینہ ہے سید سزا دہا لہلہ سے
 لے دے اگر سرخ اشعار میں کہے
 گھبراہٹ سنی کا ظلم اس کو کیجیے
 ہو لگا کر عادت مرے اشد میں کہے

۱۷۷۲

میں سے گھر چہ ہلچل اچھا ہے
 اس سے ہوا سے رشخیر خلی اچھا ہے
 ہر دہشت میں نور دل ہے ہر لفظ
 ہی میں کہتے ہیں کہ صفت کہے تو ہی اچھا ہے
 نور ہزار سے لے آئے اگر فوت کیا
 رہا ہر جم سے سزا ہم سفل اچھا ہے
 ہے طلب ہی تو سو اس میں سوا ہا ہے
 ہو گواہی کہ نہ ہو فوسے سفل اچھا ہے

ہم سے صفت ہے گلزارِ رشتہ خاطر
 خاک میں عشق کی لہر میں ہے
 دل سے اٹھا لہر جلو اپنے سفل
 غیر گل آئینہ بدل نہیں ہے
 قل کا سرو کیا ہے حد تو دے
 دے اگر حد اسرار میں ہے
 تو نے حم سے سنی کی کٹی ہے ثابت
 تیری حم کا کہ اعتبار میں ہے

۱۷۷۳

ہم غم سے ہی تک سرکھٹی تھ کہ حاصل ہے
 کہ کبر ہواں دیکھ نظر میں فرق مشکل ہے
 دھوئے دھم سے صفت ہے لذت دلم سون کی
 گھبرست کہ پاس دد سے دھواں خاطر ہے
 ہو گل جس گھٹن میں جلو فزونی کہے ثابت
 پختا لہر گل کا صولے عدا دل ہے

۱۷۷۴

پہ دامن ہو دہا میں ہی کہ میں صرا خود
 غار یا ہی دیر آئینہ زلف لکھے
 دیکھا حالت مرے دل کی ہم آفرینی کے وقت
 ہے لکھ لکھا لکھا سرور شو لکھے
 ہوں سزا ساز تہنگہ شکست کہ نہ ہرچہ
 ہے ہی ہوا کہ دکن میں نہ بجزیرے تو لکھے

۱۷۷۵

میں ہم میں تو ہو سے گوارا میں کہے
 ہوں کا لہر صورت و زار میں کہے

۱۷۷

جب نکلے سے جلد کے پٹے ہیں ہم آگے
 کہ اپنے سانس سے سرخو سے ہے وہ قدم آگے
 اٹھتے تھکے چلا "غروب بادہ" آگے
 خط "غروب" گھا بس نہ چل سکا تم آگے
 لم نہ لے بھڑی کھلر مٹن کی مٹی
 ورنہ ہم بھی اٹھتے تھے قندہ ہم آگے
 خدا کے واسطے وہ اس بختہ عشق کی دنیا
 کہ اس کے وہ پہنچے ہیں بندہ سے ہم آگے
 یہ مریخ و پریشانی اٹھتی ہیں ہم آگے
 قندہ آئے کہ طو ہائے تم یہ ہم آگے
 دل و بھر میں یہ غلطی و ایک سوہنہ ہوں ہے
 ہم اپنے دم میں کیجے ہوئے تھے اس کو دم آگے
 ہم جاتے پہ آنے کی میرے کہتے ہیں غائب
 جوت کہتے تھے وہ میری جان کی قسم آگے

۱۷۸

شکست کے ہم سے ہے سرخا ہوا ہے
 یہ بھی مت کہ کہہ کہے تو کیا ہوا ہے
 چہ ہوں میں شکست سے ہیں راک سے جیسے بابا
 اک ارا جھلپے ہر دیکھنے کا ہوا ہے
 کہ کھتا نہیں یہ صبر مٹنی دیکھو
 قندہ ہار سے سر گرم بنا ہوا ہے
 عشق کی را میں ہے ہار کا کب کی وہ حال
 سے وہ جیسے کوئی گھبرا ہوا ہے
 کہیں نہ عمریں ہنسو خاکو بیدو کہ ہم
 کب اٹھاتے ہیں کہ میر خلا ہوا ہے
 غروب قہ پہلے سے آئے وہ ہم اپنے ہوا
 کہ بھنا ہوا ہے اور ہوا ہے

اس کے دیکھنے سے اہل ہے نہ یہ دھن
 وہ دیکھنے ہیں کہ یاد کا مل چھا ہے
 دیکھتے ہاتھ ہیں مٹن ہوں سے کیا نہیں
 اک برسنے کا ہے کہ "پہ مل چھا ہے"
 ہم مٹن جیسے نے قندہ کو چیری سے کیا
 جس طرح کا کہ کسی میں ہوکل چھا ہے
 قندہ دھن میں وہ مل ہائے تو دھن وہ ہائے
 ہم چھا ہے وہ ہم کا کہ کی چھا ہے
 غصہ سلسلے کو رکھے چلق آئو سرسبز
 شہ کے بارش میں یہ تھو نمل چھا ہے
 ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت ہیں
 دل کے خوش دیکھنے کو غائب یہ خیال چھا ہے

۱۷۹

نہ ہوئی کہ مرے مرنے سے نکل نہ سی
 اٹھیں اور بھی جاتی ہو تو یہ بھی نہ سی
 خارخارہ ہم صرست بیدار تو ہے
 عشق گدبہ گشتی نکل نہ سی
 سے پہچانہ تم نے نہ سے لگے ہی جے
 ایک دن کر نہ ہوا ہم میں مٹنی نہ سی
 غصہ نہیں کہ ہے جنم و پراز صوا
 کر نہیں طبع یہ عین ایسی نہ سی
 ایک ہلکے پہ موقوف ہے کمر کی دھن
 لودہ ہم ہی سی نفی شادی نہ سی
 نہ سٹش کی قندہ نہ ملے کی ہوا
 کر میں ہیں مرے غلط میں مٹنی نہ سی
 عشق صبر خواہی غیبت کمر
 نہ ہوئی غائب اگر مریضی نہ سی

و جج جس کے لئے ہم کو یہ بھوتہ من
 مانے ہیں کھنکھانے لگے کیا ہے
 ہاں غروب اگر تم بھی دیکھ لوں گا
 یہ شیشہ و شیشہ دیکھ دیکھ کیا ہے؟
 وہی نہ جانے کھنکھانے لگے کر یہ بھی
 تو کس صیغہ پہ کہنے کہ قتلہ کیا ہے
 ہوا ہے شہر کا مصیبت بھرے ہے جزا
 دگر نہ خبر میں حالت کی آمد کیا ہے؟

۱۸۰

میں انہی بچیوں اور بچوں کے نہ نہیں
 ہلی لگتے ہیں لگے چپے ہوتے
 قرآن کا یہ "ہو" ہو کہ ہو
 آگے اتم صیغہ لئے ہوتے
 یہی قسم میں تم کر رہا تھا
 دل میں کیا رہ گیا رہے ہوتے
 میں ہاں "و" رہا ہے حالت
 کوئی وہی اور بھی چپے ہوتے

۱۸۱

خبر میں بھی میں ہوتے ہم کے
 ہم رہی ہیں کھنکھانے بچوں کے
 مقلد کا تم سے کیا تھا کہ ہو
 بھنکھنکے ہیں ہنسنے لگے ہم کے
 وہ انہیں کے کچھ مطلب کہ نہ ہو
 ہم تو مانتے ہیں قصہ ہم کے
 رات بلی اہم پہ تے اور گنگا دم
 دھوئے رہے ہیں اہم کے
 دل کو آگہوں نے پھنسا کیا کر
 یہ کہی جتنے ہیں قصہ ہم کے؟

وہ ہاں تھا ہے مٹی سے ہوا اور پ
 لب تک آتا ہے وہ کیا ہی رہا ہوا ہے
 قتلہ

وہ ہوا کہ "و" ہے ہوا جج کی
 شہ کی من میں ہیں کھنکھانے ہوا ہے
 اسے شیشہ کتاب ہوا ہوا ہوا
 جسے اہم کا جج کس سے لایا ہوا ہے
 حالت اہم کا حاصل ہو فراہم کیے
 تو "و" فکر کا تے فعل ہوا ہے
 ہر سیتے میں ہو یہ ہوا سے ہوا ہے ہاں
 مقلد پہ تے ہر ہوا ہوا ہوا ہے
 میں "و" کھنکھانے ہیں آگہوں ہوا ہوا
 یہ بھی تھا ہی کہم فعل لایا ہوا ہے
 دیکھ جائے لگے اس جج کوئی میں صاف
 تہ بچہ وہ صیغہ دل میں "و" ہوا ہے

۱۸۲

ہر ایک بات پہ کہنے ہو تم کہ "و" کیا ہے؟
 تم کو کہ "و" ہوا کھنکھانے کیا ہے؟
 نہ شیشہ میں یہ کرشمہ نہ رہی میں یہ "و"
 کوئی جج کہ "و" شیشہ کھنکھانے کیا ہے؟
 یہ رات ہے کہ "و" ہوا ہے ہم کی تم سے
 دگر نہ غروب یہ "ہوئی" ہوا کیا ہے؟
 ایک "و" ہے ہوا پہ "و" سے "و" میں
 ہوا ہے جب کو لب ہوا ہوا کیا ہے
 ہوا ہے ہم ہیں دل میں بھی کیا ہو گا
 کہتے ہو "و" لب رات کھنکھانے کیا ہے؟
 رات میں "و" تے ہوا کے ہم میں ہوا
 جب آگہ تے ہی نہ "و" تو ہوا کیا ہے؟

۱۹۰

چاہتے تھیں کہ وہاں کو رہتا چاہتے
 نہ کر چلی تو میر کیا چاہتے
 محبت وہاں سے واجب ہے خدا
 ہائے نے اپنے کو کھینچا چاہتے
 چاہتے کہ میرے کیا سمجھا تھا دل؟
 ہائے لب اس سے بھی سمجھا چاہتے
 خاک صفت کہ جیب ہے لایم کل
 کچھ دھڑ کا بھی اٹھتا چاہتے
 "میں" کا "ہاں" ہے چٹا گل
 خدا چھپاتا ہم سے پھولا چاہتے
 دشمنی نے بھی کھوایا میر کو
 کس قدر دشمنی ہے دیکھا چاہتے
 اپنی دوستی میں کیا چلی ہے سہی
 ہاں ہی ہنگامہ آرا چاہتے
 حصر مہلے پہ نہ جس کی صید
 چھپی اس کی دیکھا چاہتے
 غافل ہوں نہ بھٹکے کے واسطے
 چاہتے وہ بھی اچھا چاہتے
 چاہتے ہیں خوب روایں کہ سنہ
 تپ کی صورت تو دیکھا چاہتے

III

ہر قدم دروازے چلی ہے نظاں مجھ سے
 میری رفتار سے بھٹکے ہے وہاں مجھ سے
 "وہ" حناؤں لٹاتا پہ تھکن خوشتر
 ہے گھر "دشمن" شیرازہ "میراں" مجھ سے
 دشمن "آنکھ" دل سے شب غفلت میں
 صورت "دشمن" ہاں میں گرجیں مجھ سے

انکے نکلاں ہے غم خیز کے اندازے
 نہ دال نکلاں تھا اک جہم لعلی ہے

۱۹۷

جس دلم کی یہ سختی نہ تھوہ رفو کی
 کچھ دیر دیر! اسے قسمت میں حد کی
 اچھا ہے "سراکشتر" جیانی کا قصہ
 دل میں نکلاں تھی تو ہے اک ہونہ لو کی
 کیوں آتے یہ عشق کی ہے وصلگی ہے؟
 ہاں تو کوئی سنا نہیں فریاد کس کی
 دھننے نے بھی خدا نہ لکھا یہ بیکر کو
 نکلاں نے بھی ہمت نہ پائی یہ کلمہ کی
 صدف پہ "جہم" کہ اک سر سے چاہتے
 صورت میں رہے ایک بہت غمزدہ "ہاں" کی

۱۹۸

پہلے پشیم گری، اکیلے دے ہے ہم
 خیر کے ہائے ہیں طرے قرار کے
 "خوشتر" گل نکلاں ہائے دال ہے
 اسے صلاب ہاں کہ چاہے دن ہمارے کے

۱۹۹

ہے وصل ہر عالم حلقیں و خیز میں
 عشق شریعہ و "خاکستر" روانہ چاہتے
 اس لب سے ہی ہی چاہتے گا "وہ" بھی تو ہاں
 خلق فضول و "برنسر" روانہ چاہتے

یہ سب باتیں سن کر وہ سب سے گرا ہے کہ اگلے دن اسے
 حکم دیا کہ وہ چلے جائے کہ وہ چلے
 جاتا ہے ، خدا نہیں ہے یہ وہ اقل بات ہے
 کہ اگلے دن اسے اور بچائے نہ دے

ہوا کی لہریں گر دھست بہ مٹی کے
 صبح کے ہر ذلح دل گہنی کے
 جوتے کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیے ٹہال
 دیوہ دل کو دیارِ حجازِ حجازی کے
 ہے گلشن سے بھی دل نہیں رہا کب تک
 انجید کہ ہے غرضِ گراہیل کے
 بچھو گر ہنچ مسو نا سے پادے نکست
 سوے جیش دیوہ سار کی مڑھلی کے
 ادا حاضر سے کھار ہے زلف کو الفت نے عد
 یک اہم منظور ہے ہو بیک پریشانی کے



وہ آگے غلاب میں تھکے ہوئے غلاب تو دے
دے لکھ بچوں میں غلاب تو دے
کے ہے قل لکھتے میں میرا دے
نئی طرح کوئی نظر لکھ کو آپ تو دے
دکا کے چھوٹے لکھ ہی لکھ کر ہم کو
دے دے ہر دے تو دے سے کس غلاب تو دے
ہا دے لوگ سے ملنے ہر ہم سے لکھتے ہے
چاہ کر میں دے دے غلاب تو دے
لکھ غلاب سے میرے ہاتھ ہا ہا ہا
کہا ہر اس نے میرا میرے ہا دے تو دے

لم عشق نہ ہو سادگی آموز تبار
 کس خود غلام آئید ہے اور اس کج سے
 از کلبہ سے چلے سحرانے اجمل
 صورت رشادہ گوہر ہے پر لکھ کج سے
 مکاری ہنر تہنیر فراغت ہو ہو
 پڑ ہے سائے کی طرح میرا جیبتیں کج سے
 شوق دیدار میں کر تو کھے گرت لہرے
 ہو کج گل گلخیز طیبہ پریں کج سے
 یکسے ہائے شب بھر کی وحشت ہے ہے
 سلیقہ فرخندہ قسمت میں ہے پنہاں کج سے
 گردشِ سافر مددِ طوطا رنجی تہہ سے
 آئید دلی - یک دہانہ جریں کج سے
 کج گرم سے ایک آگ نیکی ہے ایچہ
 ہے پر لعلِ قس و غشاہ گلشن کج سے



کتھ بھی ہے تم دل اس کو ملنے نہ جے
 کیا جے ہاتھ ہاتھ بات ملنے نہ جے
 میں ملانا تو ہوں اُنکی کو مگر اسے چاہے دل
 نہیں پہ میں جاتے کچھ اُنکی کہ میں آئے نہ جے
 تکمیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جاتے
 کمال ملنا بھی ہو کہ میں بھروسے ستائے نہ جے
 غیر ہمارا ہے لئے ہیں آئے فلا کو کہ اگر
 کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے؟ تو چمکائے نہ جے
 اس نزاکت کا برا ہو" وہ مجھے ہیں تو کیا
 ہاتھ توڑیں؟ تو انہیں ہاتھ لگائے نہ جے
 کہ مجھے کہیں کہ یہ جانا کئی کس کی ہے
 پورا چھوڑا ہے وہ اس لئے کہ اگلے نہ جے
 موت کی راہ نہ دیکھوں کہ میں آئے نہ دے
 تو کو چھوڑا؟ کہ نہ آؤ تو ہاتھ نہ جے

۲۸۵

تکلی سے بھی دھکم بھکم ہر کم ہیز ہے
 سوار سکر پٹن ہے سو تو ہر ہیز ہے
 سرکشو! ہیرا دارہ نوہ بھیجیو ہاں ہے
 دلور بدست جا اقلہ رولور ہیز ہے
 خوشا اقلہ رولور بدست کو تم آئے ہو
 لورے شے پٹن طالع ہیز ہیز ہے
 ہ طعن کو ہر شے اقلور شے طعن
 شعلہ آتھہ کچھ طعن کچھ ہیز ہے
 ہاں آئی ہے ہ ہاں سے اس کی دھک لٹھکی کی
 طعنی دھ کو طعنی زانہ ہیز ہے
 کھوں کیا دل کی کیا دھت ہے ہر بار میں طعن
 کہ دھت سے ہر یکہ کچھ ہیز طعن ہے

۲۸۶

طعن ہے دھت طعن دھت گھٹ نہ ہو طعن
 نور دھت طعن ہے تو دھت نہ ہو طعن
 کچھ اس طعن میں کھوں نھوں طعن
 اگر کچھ طعن کے طعن نہ ہو طعن

۲۸۷

نور کی کوئی نے طعن ہے
 دھ پند نے طعن ہے
 کھوں طعن کی طعن طعن؟
 کچھ دھ گھٹ نے طعن ہے
 ہیرا ہر ایک شے میں تو ہے
 کچھ کی کوئی نے طعن ہے
 ہاں طعن سے طعن طعن ہاں!
 ہر دھ کھیں کہ "ہے" طعن ہے

۲۸۸

نہ ہیرا نور مرام طعن طعن
 کہ اس میں دھت طعن طعن
 ہت دھت میں طعن نے طعن ہاں کی
 دھ اک کچھ کہ یہ طعن طعن سے کم ہے

۲۸۹

ہم دھت کو کچھ بھی گھٹا طعن کرتے
 کرتے ہیں دھت کی طعن طعن کرتے
 دھ طعن طعن طعن ہے دھت طعن
 طعن کا یہ طعن ہے کہ پند طعن کرتے
 ہ طعن طعن طعن طعن ہاں ہے
 طعن کو برا کھتے ہو! طعن طعن کرتے

۲۹۰

کچھ ہے دھت طعن سے کچھ دھت طعن
 طعن طعن طعن طعن کچھ ہے
 کچھ تو اس طعن طعن کی کچھ دھت ہے
 کہ ایک طعن سے طعن طعن طعن ہے

کہا ہے کہ جس نے کہنا ہے یا نہیں، لیکن
ہوئے اس کے کہ افسوس مر ہے، کیا کہے

۲۰۳

دیکھ کر وہ ہر کرم دامن لطفی مجھے
کر گئی دہشتہ تی میری مرنی مجھے
یہ کیا چتر نگار کا کسب و کار
موتا میں، کیا مہارک ہے کرلی چلی مجھے
کیوں نہ ہو ہے الفت ی، اس کی خاطر مجھے
پیدا ہے بحر پریشانی اپنے پانی مجھے
بہت تم غلے کی قسمت بہت رقم ہوئے گی
کہ دامن میں غلہ دہشتہ مرنی مجھے
ہاں ہوتا ہے وہ کلمہ نہ ہوتا کلمہ !
اس قدر لائق فائزے مرغا پہنچا مجھے
دوست! دل بھی خود مقرر ہے نہ دم لینے کا
لے کیا خاکہ میں لایا تی اسٹی مجھے
وہاں آئے کا دفا کیجئے یہ کیا سوال ہے؟
تم نے کیوں سرتی ہے میرے گھر کی دہشتی مجھے
ہاں غلو غلو فصل بھری، داد داد !
پھر ہوا ہے کہ، سوائے غلو غلو مجھے
دی میرے بھائی کو حق نے لا سرتی زندگی
کیجئے ہشتا ہے غالب! ہشتا جی مجھے

۲۰۴

یاد ہے شادی میں بھی بھگت "پاد" مجھے
خود زاب ہوا ہے خود زاب مجھے
ہے کلیم خاطر دہشتہ مر دہشتہ خلی
تا صبح غلو غلو کتب مجھے
: رب اس آفتل کی دل کی سے تاپیے !
دلف آفتل چ ہے زندہ کی اب مجھے

کہا ہے، کر نہ ملے ہر اسے لیلی دار
کہ کوثر گل، ہم غم سے چہرہ آگیاں ہے
اسے ہے نرا میں، گل ہے وفا ہر اسے خدا
ہم ترک چاہ و دلی انکسیر ہے

۲۰۵

کیوں نہ ہو چشم میں ماحول کیوں نہ ہو؟
یعنی اس یاد کا غلہ سے ہر اسے ہے
موتے موتے دیکھنے کی آواز نہ جانے کی
دوست ہاں کہ اس گل کا کلمہ جو ہے
مادری گل دیکھ دوسے یاد کیا اسے !
ہر شکر فصل بھری آفتل آگیاں ہے

۲۰۶

ہاں ہے دل اگر اس کو، ہر ہے، کیا کہے
ہوا رقیب، تو ہو، ہر ہے، کیا کہے
ہے غلو کہ کلمہ نہ کلمہ، خود اسے ہیں نہ رہے
حق سے غلو ایسی کس قدر ہے، کیا کہے
رہے ہے یوں کہ دے کہ کہ کلمہ دہشتہ کتب
اگر نہ کیجئے کہ دہشتہ کا کلمہ ہے، کیا کہے؟
دہشتہ کلمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو کتب
کہ یں کے ی ایسی سب لڑ ہے، کیا کہے
کلمہ کے کہتے ہیں ہاں میں وہ پشیمانی
کہ ہے کہے کہ ہر دہشتہ ہے، کیا کہے
فصل میں ہے ہر دہشتہ دفا کا غلو
دہشتہ ہاں میں کلمہ ہے، مگر ہے کلمہ کیے !
ایسی ہاں پ زلم ہاں ہے، کیوں فہم؟
ایسی دہشتہ سے صبح غلو ہے، کیا کہے؟
خود، سوائے کلمہ خلی ہے، کیا کہے
خود، ہر اسے ہر ہے، کیا کہے !

میں نہ دکھائے نہ دکھایا، یہ اندازِ دلچسپی
 کھول کر پہلا ذرا آنکھیں ہی دکھائے تھے
 وہی جھلک بھی گزرتی تھی وہ خوش ہے کہ میں
 دلف گریں جہاں تو رہنے میں اچھا رہے تھے

۲۰۹

بارگاہِ اطفال ہے دنیا مرے آگے
 جہاں ہے شبِ دہرا دیکھ مرے آگے
 اک کھیل ہے اور گھر چلیں میرے نزدیک
 اک بات ہے اندازِ سجا مرے آگے
 ہر دم نہیں صورتِ عالم کے حضور
 ہر دم نہیں ہستیِ انسا مرے آگے
 ہوتا ہے دلِ گرد میں صرا مرے ہوتے
 گھٹ ہے بھی خاک پہ دنیا مرے آگے
 مسٹ پوچھ کر کیا مل ہے میرا نہ پوچھے
 تو دیکھ کر کیا رنگ ہے میرا مرے آگے
 جا گئے وہ لڑکیں دلوں آراہوں نہ کہیں ہیں؟
 بیٹا ہے بھر آئینہ سما مرے آگے
 ہر دیکھتے اندازِ کلی اللہ اللہ
 رکھ دے کوئی چاند صبا مرے آگے
 لکھتے کا گول گزرتے ہے میں دلف سے گزرا
 کہیں کہیں عزمِ نہاں کا مرے آگے
 اچلی تھے دیکھ کر ہے وہ پیچھے ہے تھے گھر
 کبہ مرے پیچھے ہے گھبرا مرے آگے
 عاشق ہیں پہ عشقِ فریبی ہے سزا کیم
 بھوں کو برا کہتی ہے لہا مرے آگے
 خوش ہوتے ہیں بدسل میں یوں مرے جانتے
 کلی شہر ہیں کی تہا مرے آگے
 ہے صبح نہ اک عزمِ غول کالی ہی ہ
 آتا ہے بھی دیکھتے کیا کیا مرے آگے

۲۱۰

کہ بات کو جتن میں آنکھوں میں تو دم ہے
 رہے وہ اکی سارے دھن مرے آگے
 ہم وہ دم شربِ دہم داز ہے میرا
 عالم کو برا کہیں کو اچھا مرے آگے

کہیں جہاں تو کہتے ہو "دعا کہتے"
 نہیں کہہ کر ہر تم میں کو تو کیا کہتے؟
 نہ کہہ غصے سے ہر تم کہ "میں غصہ ہی؟"
 تھے تو غصے کہ ہر کہہ کہہ "ہاں کے"
 "بختہ کی پہل میں اب تو ہاتھ
 تار ہر کہہ کہیں نہ آتا کہتے؟
 نہیں دیکھو راحت برائے جہاں
 "دلِ جہاں ہے جس کو کہہ دیکھتے کہتے
 ہر دہاں جہاں کے نہ دہاں ہوتے
 ہر دہاں کے اسی کو نہ دہاں کہتے
 کسی حقیقت میں کا ہی مرنے تھے
 کہیں صحت کا ساقی دہاں کہتے
 کہی حکمت رکھ کر میں نہیں کہتے
 کہی حکمت میر گرج با کہتے
 رہے نہ جہاں تو جہاں کو میں ہاں دہاں
 کے نہیں تو گھر کو میرا کہتے
 نہیں تار کو لکھ نہ ہر تار تو ہے
 دہاں دہاں دہاں دہاں کہتے
 نہیں ہر کو فرصت نہ ہر ہر تو ہے
 طراوت میں دہاں دہاں کہتے
 سجدہ باب کہ کہتے پہ آگے باب
 خدا سے کیا ہم بھر انداز کہتا

میں نے جس میں ہم گھٹنے لگے ہم نے
کیوں کر نہ کھانچے کہ ہا ہے بدل کی

۲۲۰

بڑاں خواہیں لگی کہ ہر خواہی پہ دم لگے
بست لگے عربہ لہن لگی ہر بھی کم لگے
اوسے کہاں جھوٹا؟ کیا رہے گا اس کی کہن پر
وہ خون نہ پہنچے تہے عمر ہر یوں دم دم لگے
کھانچے سے قوم کا بھٹا آئے ہیں لگیں
بست ہے آہ وہ کہ تہے کہے سے ہم لگے
ہم نکل چلے عالم تہہ ہمت کی روٹی کا
ہر اس طے پہ چڑھ کر دم کا چڑھ کر لگے
مگر کھوانے کوئی اس کا کھانا ہم سے کھوانے
ہوئی صبح اور گھر سے لگی ہر دم لگے
ہوئی اس دور میں محبوب لگے سے ہر لگیں
ہر تو وہ نکل نہ ہوئی میں جامع ہم لگے
ہوئی میں سے فوج مصلیٰ کی رہا رہنے کی
وہ ہم سے لگی وہاں غنہ کچھ ہم لگے
صفت لگی میں ہے فتنی پیچے اور رہنے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کفر پہ دم لگے
کلیں سے خانے کا دوران چاہے اور کہیں رہنا
ہر وہ چلتے ہیں کل وہ جاتا کہ ہم لگے

۲۲۱

کہو کے میں ہر خاطر گرہا ہر چلتے
ہے غلٹ لے شرم بند کیا ہر چلتے
پہر آسا تک ہلی و پہر ہے کچھ کھس
اوس نہ دنگی ہر کہ رہا ہر چلتے

۲۲۲

میں پہ دل خطبہ ملتی چاک ہے
سوت شرب یک حنا خوب آگ ہے
نہ دل بچہ ہر میں ملتی ہی کرک
چیز لہلہ بھی تہہ ہاتھوں سے چاک ہے
دوڑی ہوں سے کہہ کر آتا میں لگا
عرا جانی آگ میں یک مختہ خاک ہے

۲۲۳

لب مین کی خوش آتی سے محبوب
قصد کئے صبر میں وہ خوب نہیں

۲۲۴

کہہ جاہلوں کھانچے حوائج لب ہے
کھنکڑا ہوا میں رکھا ہے اگلی ہوا سے
ہم سے دھت کہہ ہے سر کی پہنچ سے
پیشے میں نہیں ہی پہنچا ہے سوز ہر سے

۲۲۵

ہوں میں لگی خوشی ترنگہ حق
مطلب میں کہ اس سے کہ مطلب ہی ہر تہہ

۲۲۶

پہلی جیسے کہ سوسے دم قور کھنکڑ
مری قسمت میں ہیں تصویر ہے شب ہنسنے ہر کی

۲۳۶

ختم ہے کل رات نہ ملے نہ ملے
 رات طے ہوئے نظر کب تک جا ہے
 دل میں شہدہ نکلتی صبح ہوا
 آئندہ ہر دستہ ہر دستہ جا ہے
 شعلے سے نہ ہوتی ہوئی شعلے نے بھی
 ہی کسی قدر گرمی دل پہ جا ہے
 فصل میں بھی ہے وہ شعلے کہ ہر صبح
 تھکے ہوئے کئی آغوش کتا ہے
 قری کب حاضر و غائب ہر رگ
 اسے ہر شعلہ بھر سہلے لگا ہے
 نہ نے تری اہلہ کیا دھڑلے دل کو
 مشرق و مغرب ہر طرف جا ہے
 بھری و دھواں گزرتی آہستہ
 دستہ ہر رنگ آہستہ جا ہے
 سظم ہوا طبع فیدل کرکٹ
 غلہ حتم تھکے تھکے جا ہے
 اسے تو فریادیں ہیں کہا دھر بھی
 سالے کی طرح ہم پہ اب دلت جا ہے
 ہمارے منہوں کی بھی سرت کی لے جا
 پارہا ہر من کہہ منہوں کی سزا ہے
 ہے کائی غلے سے ہے دل نہ ہو جا ہے
 کئی نہیں جاتا تو منی جان خدا ہے

۲۳۷

حضور حق ہے کل جلی کو نور کی
 قسمت کئی ترے نہ دیر سے غور کی
 اب غنچوں کئی میں کہلاؤں جا ہیں
 پرتی ہے آگے تجھے فیدل پہ نور کی

دستا نہ تم جا نہ کسی کو پاس
 کیا بات ہے قصی شرب طور کی
 تو ہے مجھ سے حشر میں جاتی کہ کئی دلا
 کتا بھی سنی نہیں توار سر کی
 تہ ہوا کی ہے ہر جہل ہے نور جا
 الٹی ہی اک خبر ہے زبانی طور کی
 کہوں نہیں پہ دلی کے کھلے ہونے تو ہیں
 کچھ سے ان بھی کہ بھی نسبت ہے دور کی
 کیا فرض ہے کہ سب کو لے ایک سا جواب
 تو نہ ہم بھی سر کریں کہ طور کی
 مری سنی کام میں لگیں نہ اس قدر
 کی جس سے بات اس نے فکرت خود کی
 جاہل کہ اس طرح میں مجھے ساتھ لے بھی
 جی کا قلب نور کئی کا حضور کی

۲۳۸

تم کہنے میں تجھ کو دلو ہم سے ہے
 ہر کج کہ تم ہے جو سظم سے ہے
 کچھ ہونے ملتی سے جا آئی ہے دلت
 ہے میں کہ مجھے دلت تو جا ہم سے ہے
 نے توکل میں ہے نہ میرے کئی میں
 کہنے میں جس کے مجھے کرام سے ہے
 کیا تہ کو ہوں کہ نہ ہر گزہ دلت
 پادشہ میں کی طبع عام سے ہے
 ہی کل نور کئی دلت جس پہ جا ہے
 پادشہ رسم دلت عام سے ہے
 اور ہی پہ پادشہ مجھے کیا طبع عام سے ہے
 کتا ہے تہ ہوا ہم سے ہے
 ہے ہر گزہ اب بھی نہ ہونے بات کہ میں کو
 انہر میں نور مجھے کرام سے ہے

ہے گئے ازل سے پہلے
 کر تجھے ہے سیرِ دستِ مہم
 و کہ تجھے آگاہ کہ فر فر فر
 کیا نہ دے آگاہ ہے وہ کلام؟
 جب کہ چھو پہلو پہل
 کر بچے قطع تھی تھی
 مجھے ہے تو ہے میں فر فر
 کہے دھوکے دھوکے و سحر مہم
 دیکھا مجھے ہاتھ میں لہجہ
 الی صورت کا اک بار ہی مہم
 ہر طرف کی روش چل گیا
 قہرِ طبع چھوٹا تو مہم

غزل

دہرِ فم کر چکا تو میرا مہم
 تھو کہ کسی نے کیا کہ ہا مہم؟
 سے ہی ہر کھل نہ میں سے چاہا
 فم سے جب ہو گئی وہ شکستہ مہم
 ہوس کہیں کی فہستہ ہے
 کہ نہ سمجھیں وہ فہستہ مہم
 کیجیے میں جا جائیگی کے ہاتھوں
 اب تو بدھا ہے وہ میں مہم
 اس قہر کا ہے دور تھو کہ تھو
 چرخ لے لے ہے جس سے گردش مہم
 ہوس دہتا میں ہی کہ ہے اللہ
 دل کے لپٹے میں جن کو تھا مہم
 بکیرا میں کہ جن کو خسر آئے
 کہوں دھوکے دہتا مہم
 کہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہ
 اے چل چلا چکے چل مہم
 کہوں ہے جس کے ہوش بھیہ مہم
 جی م م م م م م م م م

تو میں ہاں تو تھو سے ہی
 ہم شہتہ ہاں ہم
 قہرِ مہم و دل ہاں شہتہ
 سحرِ لالہ لالہ و لالہ مہم
 شہرِ شہتہ و شہتہ مہم
 لہجہ مہم و شہتہ مہم
 جس کا ہر فعل صورتِ مہم
 جس کا ہر فعل مہم و مہم
 ہم میں میں میں مہم
 ہم میں میں میں مہم و مہم
 لے لے لے لے لے لے لے
 لے لے لے لے لے لے لے
 چم چم چم چم چم چم
 لعل لعل لعل لعل لعل لعل
 جلی شہتہ میں مجھے قہرِ مہم
 لہجہ شہتہ میں مجھے مہم
 دھوکے لک جاتے ہیں تجھے
 لہجہ و قہر و قہر و مہم
 لہجہ ہاں میں جاتے ہیں تجھے
 مہم مہم مہم و مہم مہم
 مہم مہم مہم مہم مہم
 آئی سب دارِ مہم
 مہم کو تجھے مہم مہم
 چم کو مہم چم مہم

قصی

دھوکہ دہی ہے کا دم
 ہتی کو دے مہم کا مہم
 تھو لہجہ مہم مہم کی مہم
 مجھے لہجہ مہم مہم کا مہم

ہر ہوا دلت طواری کا لیل
 ہر سر و فریاد کا دفتر کلا
 غلے سے پانی طبعیت نے مد
 پاؤں بھی رکتے ہی نظر کلا
 مرغ سے نمودار کی دیکھی شہ
 یں عرش سے رعبہ اور کلا
 سر پہنچا چڑھا پکر کلا گیا
 پشہ کا راجو نظر کلا
 بادشہ کا ہم لیتا ہے تظلیب
 لب کھر پانہ و میر کلا
 شکرہ شہ کا ہوا ہے روٹیاں
 لب ہمار اکہدے اور کلا
 شہ کے آگے دھرا ہے جھ
 لب تپا سکر انکدر کلا
 شک کے وارث کو دیکھا حق نے
 لب فریب عقل و طر کلا
 ہم کئے کا سرچہ ہاں اب ہم ہے
 دفتر سرور بدل داور کلا
 غر انکھا ، عقل ہضم کلا
 لکھ انکھ عقل کر کلا
 پاتا ہیں ہے غلہ اسو اول
 تم کا لب عاکو ہم کلا
 تم کہ سامانی بپ جب
 ہے طبع روز و شب کا اور کلا

مشق

در صفت لب

لب طرور سے دوسرے
 کیوں نہ کہلے در فرید
 غلے کا ملے ، راول
 شکرہ گل کا ہے سبکیاں

مجھ پہ لکھو قیمت سے شہ کے
 حصہ سرور سرور کلا
 تاکہ اگلے طر میں تے لکھ اور کلا
 میری صحت سے ہمار کلا
 قمار ہلو دولت قتل ہے کلا
 کس نے کھو کب کلا کلا
 بارگ مسن کی دیکھاں کا ہمار
 مجھ سے کر شکر خن مسر کلا
 ہم ہیں سرور قول لوفی کلا
 لوگ ہاں علیہ د حمر کلا

فزل

شج میں بیجا رہوں ہیں کلا
 آنکھ سے قتل کا دور کلا
 ہم پکاریں اور کئے یوں کلا
 ہر کا سدھانہ پاری کر کلا
 ہم کو ہے اس دانداری ہے جھڑ
 صحت کا ہے روت ، کلا
 دیش طر ، کلا کلا کلا
 دلم لکھ دوا سے کلا
 ہاتھ سے دیکھ ہی کب اور نے کلا
 کب کر سے غلے کی بجز کلا
 صحت کا کس کو برا ہے پارت
 راجو بھی پدا دہر کلا
 سار طر کا کیا کرے ہاں کلا
 آگ بھڑی نہ اگر دم ہر کلا
 شہ کے ساتھ آگیا چھو مرگ
 د گیا طر میری پچائی ، کلا
 دیکھ غلے سے کر لکھا کوئی
 ہے دی پشہ اور کافر کلا

مجھ سے کیا پہچانتا ہے کیا کہتا؟
 کتھ ہائے نور نور کتھ
 ہائے آسمان کا ہنر چاہا ہائے
 جہد لکھو رہب لکھو ہائے
 آسمان کا کون سوز مینا ہے؟
 شو شمع کونے رہا کھن ہے
 آگ کے بی بی کون رہے اور؟
 آگ ہے کونے اور ہے مینا
 آسمان کے آگے چلی ہائے خاک
 پورا ہے چلے پہلے آگ
 نہ چاہا جب کسی طرح حقد
 ہائے لب لباب کیا آگ
 یہ بھی آگ چاہی کا کھن ہے
 شرم سے چلی چلی ہوا ہے
 کھ سے پھر چھین فر کیا ہے
 آسمان کے آگے ہنر کیا ہے
 نہ گل اس میں نہ شمع نہ ہر نہ ہر
 جب فرض آگے تب ہوا کی ہر
 اور دوڑا ہے قیاس کھن؟
 چلو شیریں میں یہ محاسن کھن

ق

جان میں ہوتی کر ہے شیریں
 کوہن چھو لم کھن
 جان دینے میں اس کو کھا جان
 ہر وہاں سل دے نہ سکتا جان
 غم آتا ہے میں کھے ہے فر
 کہ دوختہ ال میں کھ
 اکلہ گل ہے نہ کا ہے قہم
 شیرے کے نہ کھے دینے ہم
 ہا ہے ہر گا کہ فرہر دینے سے
 ہانہاں نے ہانہر جنت سے

اگھن کے یہ حکم رب اس
 ہر کے کھے ہی ہر ہر گھن
 ہا گا کہ کھن نے شمع ہائے
 دینے تک دیا ہے شمع ہائے
 تب ہوا ہے شمع لکھن ہے گل
 ہم کھن دینے اور کھن ہے گل
 کھا شمع دینے ایک شمع ہاں
 رنگ کا دینے ہر کھن ہاں
 ہم کو دیکھا اگر آگ ہر
 پھلک دینے دینے دینے ہائے
 دینے کھن کھن رنگ دینا
 دینے دینے دینے آپ دینا
 ہر دینے دینے دینے کا دینے
 لکھن دینے دینے کا دینے
 صاحب شمع دینے دینے ہے ہم
 ہر ہندو دینے ہر ہے ہم
 خاص دینے ہم دینے اور ہاں
 نہ ہر لکھن دینے لکھن ہاں
 ہر کہ ہے دینے دینے دینے
 حال سے اس کے ہے دینے دینے
 فر دینے دینے دینے دینے
 دینے دینے دینے دینے
 کارخانے دینے دینے دینے
 چو آگے دینے دینے دینے
 دینے اس کھن کا دینے ہے
 دینے دینے دینے دینے ہے
 اسے دینے دینے دینے دینے
 جب کھ ہے دینے دینے دینے
 اس دینے دینے دینے دینے
 دینے دینے دینے دینے دینے
 دینے دینے دینے دینے دینے
 اور دینے دینے دینے دینے

مٹلی کا یہ بھلا ہنس کے جب سے موت
 بہت آگ آگ سے دل کو تے ہات سے ہے
 ہاتھ میں جیسے رہے تو سب دولت کی معنی !
 یہ دعا شمع و سر کاغذ مہلت سے ہے
 تو سکھ ہے سزا فقر ہے ملنا میا
 گوشہ لغز کی بھی لہ کو طاقت سے ہے
 اس پہ گزرتے نہ گل راج و برا کا زہد
 نامبر خاک تھیں اہل غرابت سے ہے

موقوفات

ہے ہر شبہ آخر ہر مضر بہار
 دکھ دیں ہاں میں ہر کے سے تک دی کی بار
 ہر آئے ہمارے ہر کے سے نور ہر کے سے
 سبزہ کو رہا ہر کے ہموں کو جلتے ہمار
 غالب ! یہ کیا ہیں ہے نہ ؟ سب ہر کے
 ہائی نہیں ہے بے گھر کوئی دولت ہمار
 بچے ہیں سونے ہار کے بچے حضور میں
 ہے جن کے آگے ہم و زور و زور ہمار
 ہیں نیچے کر کے سے خلیا کیے ہمار
 دیکھوں ہی آلب ہیں اور ہے ہر ہمار

دوہڑی شلہ

اے شلہ بیاغیر ہاں میں ہمار
 ہے غیب سے ہر دم تجھے مدد گزرت ہمار
 ہر عہدہ دھار کر کوشش سے نہ ہمار
 تو دیکھ اس عہدہ کو سو بھی یہ شلہ
 جس سے گھر غھر سکھ سے تو دار
 کر ب کو نہ رہے چہرہ نہیں سے طہارت
 آمد کو جلیق کی داریت سے شرف ہمار
 ہے فقر جلیق کو کہے تیری داریت

ہے ہر شبہ ہمدی تا لہار ہمار
 ہے ہار ہمدی تا لہار ہمار
 تو کب سے کر سب کے ہفتہ ہمار
 تو آگ سے گردش کے ہمدی ہمار
 احوال سے نہ لے سجدہ ہمار میں ہمار
 ہائی نہ رہے آخر ہمدی میں ہمار
 ہے گھر کے گھر سہائی میں ہمار
 ہے گھر کے گھر ہمدی میں ہمار
 کہیں کر نہ کہیں ہمدی کو بھی ہمار
 ہمار ہے ہمدی میں ہمدی ہمار
 تو رہا ہے گھر اور نہ رہا ہے کہ ہمار
 ہمدی میں ہمدی ہمدی ہمار
 تھ کو شلہ ہمدی ہمدی ہمدی !
 ہمدی کو نہ رہا ہے ہمدی کی ہمدی !

قطرہ

ظہار صوم کی بیکہ ہمدی ہمار
 اس ہمدی کو ہمدی ہمدی ہمدی
 جس ہمدی ہمدی کے ہمدی کو ہمدی ہمار
 ہمدی ہمدی ہمدی ہمدی ہمدی

گزارش مصنف پر حضور شلہ

اے شلہ ہمدی ہمدی ہمدی !
 اے ہمدی ہمدی ہمدی ہمدی !
 ہمدی میں آگ ہے ہمدی ہمدی ہمدی
 ہمدی میں آگ ہے ہمدی ہمدی ہمدی
 ہم نے ہمدی کو ہمدی ہمدی ہمدی
 ہمدی ہمدی ہمدی ہمدی ہمدی
 کہ ہمدی ہمدی ہمدی ہمدی ہمدی
 ہمدی ہمدی ہمدی ہمدی ہمدی

شب رات دماغ میں تھیں کا لم تھا
 کا شمع کہیں کہ طرف تو عالم تھا
 دماغ میں ہزار آگے سے سج تھک
 ہر قدم ایک قدم دھم تھا

آنکھوں پر ہے چھ مٹکڑے لعل
 ہے سوز بکرا بھی اسی حور کا لعل
 تھا دھیر مٹکڑے بھی قسمت کئی
 لوگوں کے لئے کیا ہے کیا نہیں لعل

دل تھا کہ یہ ہاتھ دھو نہہر کسی
 دھوپ دھوپ دھوپ دھوپ دھوپ کسی
 ہم ہر قسم کا ہے لعل لعل لعل
 غم کو دھوپ نہیں تو نہہر کسی

ہے لعل حد قاتل لعل کے لئے
 دھوپ کہو دھوپ لعل کے لئے
 جی ہر ہر صورت کھتر ہر
 لعل ہی ہے دھوپ لعل کے لئے

دل لعل لعل لعل لعل لعل
 اس سے کہ حد لعل لعل لعل
 ہے ہر کے آگے لعل لعل لعل
 لعل لعل لعل لعل لعل لعل

دکھائی کے ہر لعل لعل لعل
 دل رک رک کر لعل لعل لعل

قلعہ

سہل تھا مسل لعل یہ سخت مشکل کہی
 تھ کہ کھڑے گی لعل دھوپ دھوپ
 تھیں دھوپ مسل سے پہلے تھیں دھوپ مسل کے ہر
 تھیں مسل تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں

قلعہ تارخ دیگر

لعل لعل لعل لعل لعل لعل
 کہ جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہے ہی لعل
 لعل ہے لعل ہی لعل لعل لعل لعل
 دھوپ لعل لعل لعل لعل لعل

قلعہ تارخ دیگر

لعل لعل لعل لعل لعل لعل
 ہوا دھوپ لعل لعل لعل لعل
 کا لعل سے لعل لعل لعل لعل
 لعل لعل لعل لعل لعل لعل

قلعہ

م ایک لعل کے سب لعل لعل
 دھوپ لعل لعل لعل لعل لعل
 لعل لعل لعل لعل لعل لعل
 اس سے ہے لعل لعل لعل لعل لعل

لعل لعل

لعل لعل لعل لعل لعل لعل
 لعل لعل لعل لعل لعل لعل
 لعل لعل لعل لعل لعل لعل
 لعل لعل لعل لعل لعل لعل

دلہ کر شب کو خیز آئی ہی نہیں
سنا سوگند ہو گیا ہے باب

شکل ہے راسِ کام میرا اسے دل
میں ہی کے لئے مسطور لو کمال
اسی کہنے کی کرتے ہیں فرشتے
مکرم شکل دگرہ مکرم شکل

کیسی ہے ہر لمحہ کو شہد ہم بدلے دل
ہے لطف و حظیرت شہد پہ دلی
یہ شہد اپنی دلی ہے بخت و حال
ہے دولت و بخت و دلی دلی کی دلی

ہیں شہر میں مشقت و فاقہ ہم
آہر چل دھلی ہم
ہوں شہر نہ کہیں ساقی و حل ہم
ہے لب کے شہر قدر و دلی ہم

حق شہر کی جا سے حق کو شہر کہے
بہت شہر دلی دلی کہے
ہے دلی جو مکی ہے رشید و مکی کہے
ہے سر "کر" اہل حق کہے

اس رشتے میں ناکہ نہ ہوں کہہ جا
لے ہی ہوئی شہر ہوں کہہ جا
ہر نیکے کو ایک کہ فرض کریں
لی گئی ہزار ہوں کہہ جا

کہتے ہیں کہ لب و موم آزار نہیں
مطلق کی راسخ سے اسے ہر نہیں
ہر ہاتھ کہ علم سے انہما ہر کہ
کہا کر ہوں کہ اس میں توار نہیں

ہم کہہ جتہ مام کرنے والے
کرتے ہیں رنگ کام کرنے والے
کہتے ہیں کہیں خدا سے لطف لطف
نہ کہ ہیں مچ و شام کرنے والے

مطلق خود و غلبہ کئی سے لکھیں
کرم کے اسباب کئی سے لکھیں
دلی مزا لکھیں ہے باب لکھیں
شہد و بخت کئی سے لکھیں

ہیں ہم کے بچوں کو کئی کا ہونے
بچے ہیں ہر لفظ و شہر دلی
مکی کہ لکھیں گے ہم دلی شہر
نہانے کی شہر کے ہیں ہر دلی

ضمیمہ

سدا ہر ہا حق نے طبع دلی لکھ لکھ
لکھ رنگو بہت لکھ لکھ لکھ لکھ

ہم مطلق شہر لکھ لکھ ہے ہر ہر
ہا میں فہرہ لکھ لکھ لکھ لکھ
ہر مطلق لکھ لکھ لکھ لکھ
سدا ہم لکھ لکھ لکھ لکھ

م نے دھت کدہ سج جلی میں نہیں شیخ
شروط خلق کا اپنا سوسن کما

ہے کہی تھا کا دھرا قدم یاد؟
م نے دستور ملک کو ایک نکلنا بنا

لی نہ دستور ملک ایک جلی میں کو
دم کو لے کے دل میں تھرا صرا کا
عاشق ہر اک دل کے چچ نمب میں ہے
میں دعا ہوں تنہو بدھ تھا کا

سافر بدھ ہر شاہ ہے ہر درہ خاک
تنہو بدھ لگا اکو ۲ سناں لگا
کس قدر خاک ہوا ہے طرز ہوں یاد؟
نکلنا ہر وہ سیدائے جاہل لگا

کس کا جیل کھنڈ انکھ ۲
ہر رنگہ گل کے ہرے میں طرز ہے قرار تھا

وہ نکل ہے یکہ آئینہ چاندی کس نے
طیور ۲ چ ۲ جلی میں بدھ؟
چاندی ہے کاشی ۲ / رتہ
رنگ نے کدہ آنکھوں کے متعل بدھ
استغنیو استغنیو کاشی سے بدھ
ہر کس آپ نہ کھلی است متعل بدھ

شرر فرستہ گہ سناں یکہ عالم چاندی ہے
۲ قدر رنگہ ہاں کدہ میں ہے چاند سناں کا
لکھ راہ حق میں غلبہ گم رہی نہیں غلبہ!
صلے شعر صراے حق ہے خدہ بیل کا

۲ دلا ہائے سدا ۲ کدہ ۲
ہر لکھ کے لکھو صبر و صبر تھا

۲ صورت کھنڈ ۲ سناں نمب
سدا! میں عجم ہوں چمکے کا

۲ خوابہ ۲ حق کدہ ۲ کدہ ۲
لکھ کو کدہ ۲ سدا ہے کھنڈ قدم ہوا

اسے دانت لکھت کدہ خلق! دانت ہاں
ہر پدہ ۲ کدہ ۲ کدہ ۲ کدہ ۲
ہر رنگہ میں ۲ سدا ۲ کدہ ۲
پدارتھ ۲ کدہ ۲ کدہ ۲ کدہ ۲

سدا کا قدر طواری ہے لیکن صبر ۲ ہے
ک صورت کل ہا ۲ صبر ۲ سدا ہے کدہ ۲

سدا! سافر کل کدہ ۲ کدہ ۲
ک کدہ ۲ کدہ ۲ کدہ ۲ کدہ ۲

سدا! ۲ کدہ ۲ کدہ ۲ کدہ ۲
کدہ ۲ کدہ ۲ کدہ ۲ کدہ ۲

مطلق میں م نے ہی لوم سے پہنچ کیا
 دلت نہ چاہیے مہلہر تھا سب کا
 آخر کہ گرفتار سر رات ہوا
 دلتو دلت کہ وارثہ ہو غیب کا

شہید ہادی لہر ہی میں پڑی کر دا
 غاب ! ایسے جگہ کو شہید کی دہرہ کا

عزتو ہے کیسے ہے اضطراب کرا سو !
 دلت کل کا غائب ہوئے مستعد کا

ہوا کی سو کی صحت کل طرب ہے
 سر میں ہوا سے گلشن گل میں غم سرا

ہر نہ سوسے جان آتا ہے تھا لیر کے !
 رنگ آتا ہے گلشن کے ہوا دلتوں کا

سو ! لہوہر طبیعت قدردان غم و سنی ہیں
 غن کا بندہ ہوں لیکن نہیں مطلق نصیب کا

دل دیگر فکر فرقت سے جل کے خاک ہوا
 دلے ہوا خیالوں وصل غم ہوا

ان دل لہجوں سے نہ کہیں اس پہ وار آئے
 رہا جو ہے کھاتا ہے غم کو گما

خدا ہستی سے رہے ہم اگر جلتا
 کسی میں شریک اختیار ہوا
 دلتو یک شہید و شہادت ہی لڑتے ہوا
 ہوا + گھر تھا گھر ہی لڑتے ہوا

لے گا ! میری خاطر دلت کے سا
 دلتا میں کئی عہدہ شکل میں رہا
 ہر پتہ میں ہوں غم و غم ہی غم و غم
 آئندہ گا ! میرے شکل میں رہا

بہت ہستی ہے ہر شخص ہستی ہائے دور
 ہر صبر ہر ہی ایک ہر ہر ہر ہر

رنگا لفظ لے دے لفظ لفظ کا لفظ
 شہادت فلم کو ہر جان بھوکہ لفظ

کا کہ مطلق ہے بے غم ! بیت پرستوں !
 نہیں دلتو سر سر نہ پھر مطلب آ
 سو کہ بہت ہستی سے غم و غم ہی غم و غم
 لہجہ میں ہر ہر ہر ہر ہر ہر

میں صحت ہے سر لہجہ ہر ہر ہر ہر
 کہ داغ آواز سے ہر ہر ہر ہر
 ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر
 ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر
 سو ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر ہر
 کہ کشتہ رنگ میں لا لہر ہے ہر ہر ہر

زندگانی نہیں چلی تو جس چہ سودا
لفظ آرائی ہمارے یہ ہیں جس کی دھج

اگر سودگی ہے عدالتے دیکھو ہے کئی
یار گردنوں سے دھج سے دھج

ہائیکو ہے غریب و غم و درد و دم
ہمیں دہل دہل سے جہاں جہاں تیرا
جہاں تک وہاں ہے دھج دھج
دوسرے جہاں ہے دھج دھج

نہ ہمارے کی عکاسی کرتا ہوں اپنی
سروش و شہر و ملت و ملت سلامت !
وہ ہے غالب غنہ منظور کردوں
تو کہا ہے نکالی ہے عورت سلامت !

ہم سوچیں پھر یہ بھی نہیں پتا نہ کی
کلی ہوا ہے ایک ڈھیر جہاں ہے غلامانہ
تو دیکھتے ہیں یہ آپ آتا ہے آتے اس طرف
جہاں یہ اسے آدھے مرکز غالب اچھا ہے !

بہ کہ غنہ دھج دھج نہ 2 سوچ کر سرب
دھج دھج میں پھر آتے دھج دھج

اے سودا ! ہے ہا ہے ہر جہاں دھج دھج
ہمیں دھج دھج دھج دھج

تو پتہ لفظ اور خیال ہوا دھج
اے غنہ دھج دھج ! دھج دھج
دھج دھج دھج دھج دھج
دھج دھج دھج دھج دھج

دھج دھج دھج دھج دھج دھج
دھج دھج دھج دھج دھج دھج

دھج دھج دھج دھج دھج دھج
دھج دھج دھج دھج دھج دھج
دھج دھج دھج دھج دھج دھج
دھج دھج دھج دھج دھج دھج

دھج دھج دھج دھج دھج دھج
دھج دھج دھج دھج دھج دھج
دھج دھج دھج دھج دھج دھج
دھج دھج دھج دھج دھج دھج

دھج دھج دھج دھج دھج دھج
دھج دھج دھج دھج دھج دھج
دھج دھج دھج دھج دھج دھج
دھج دھج دھج دھج دھج دھج

دھج دھج دھج دھج دھج دھج
دھج دھج دھج دھج دھج دھج

کتاباں دہیں ہیں ہر مہر کے آگے
دہن میں کو جیسے طہانے کی تہر (مخبر)

ہوں احمد ہندو دہا کا جو سر سے
ہوں عاشقوں میں ہے سمیرا فہر داغ

کئی تارہ ہیں ہے سمیرا اچھل ہے ا
تخلو مسٹر کیا ہے خوشی دلا دلا
آئو رنگو داغ ہر مہر کو کتنے ہے فہر
ہے مہر سو ما سے گراہ ہار داغ

میں جیسے ہی طہانے کو لے تو فہر دہا
گراہ چاہے نہ فہر کے کئی فہر صفا ا

فرس ہر ہر دہا دہا دہا دہا دہا
ہم یک طرف ہیں ایک طرف دہا دہا دہا

لے گراہ سمیر دہا دہا دہا دہا دہا
دہر دہا دہا دہا دہا دہا دہا دہا

ہم ہے ہر فہر ہر ہر فہر فہر فہر
کاشد میں کہ فہر ہے فہر ا جا نہ فہر

ہے ہر فہر میں دہا دہا دہا دہا
ہیں فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر

لے ہار ا خاک ہر فہر فہر فہر
لے ہار فہر فہر فہر فہر فہر

فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر
فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر
فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر
فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر
فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر
فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر

فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر
فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر

فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر
فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر
فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر
فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر

لے ہار فہر فہر فہر فہر فہر فہر
فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر

فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر
فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر

فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر
فہر فہر فہر فہر فہر فہر فہر

دلت ہے اگر ایلوئیم سٹیل کی کسے
ہوسو گی جہاں تھا ہے یہ بازار بھری

دو دو دم آئینہ عمارت تھا
دائیں بائیں غنم ڈالتے ہے بانیں

میں گریں ہر نگار قصور سے لڑے جا
میں ہوسو گئی تھی ناظرین ہوں
میں جہنم دانستہ دھنیں فکر فریب
لیکن میرے کہ ظلم و غشاید ہوں
چرا میں ہے میں تک و آزار
بند سوچ تپ کیوں بند ہوں
سر سے دہلی باز کردہ ہوں
باربہاں کس غیب کا بخت رہے ہوں !

فرصت یک چشم جیت مٹتی ہے
میں چند آما ہوا دھن کی گھر میں
سب کی دلتا دھن کھٹ گھر میں
رنگ کی گری ہے گراہی بھری کی گھر میں

میں میں بھری ہے ہندو دلتا غلام
دعا تم کہہ دو یہ ہر طرف جا ہوں میں
ہے تھکا تھکا سور و آواز ہر یکہ صدمہ
میں پڑھنے دہی صاف ہے صاف جا ہوں میں
میں میں تو دم میں جا رہی طالب کی طرح
ہے گل سے گل ترانے بھری ! جا ہوں میں

یہ قدر عرصہ مٹتی جا رہی ہے
دگر ہر لمحہ آئینہ کی صفایا معلوم
بدلتا کہ غم شہر میں جا رہی ہے
میں جا رہی ہے گھر کی معلوم
میں فراغت و انکسار طرز جا رہی ہے
دگر دن ہی وہ وہ معلوم

میں وہ طرز مٹتی ہے بھری ہے گھر میں
میں تھوڑے طالب سب سے جا رہی ہے
دشمن ہے رہی ہے گھر میں جا رہی ہے
تھوڑے جا رہی ہے گھر میں جا رہی ہے

دشمن گھر میں رہی ہے
میں گھر میں رہی ہے گھر میں جا رہی ہے
تھوڑے گھر میں رہی ہے گھر میں جا رہی ہے
ہر گھر میں رہی ہے گھر میں جا رہی ہے
نہ گھر میں رہی ہے گھر میں جا رہی ہے
گھر میں رہی ہے گھر میں جا رہی ہے
اسی گھر میں رہی ہے گھر میں جا رہی ہے
گھر میں رہی ہے گھر میں جا رہی ہے

کرتے نہ ہائے صاف سے شہر میں جا رہی ہے
سب کے ہمارے جا رہی گھر میں جا رہی ہے

میں کے شہر کے ہاں کون کیا جا رہی ہے
میں کے ہاں کون کیا جا رہی ہے

لک سطر ہے کلا ہے
میں شکر کہ افضال کئی !

چند غراب کی فہم کی طرف رہتی ہے
حریت ہیں ملک میں سطر نہیں

وہ دل ہوں شیخ بحر دوست لکھ اہل سے
نگہ بہ روز ملک دیدار سطر تھا وہ

سم کئی ۲ کیا دل نے وسط پیرا
بہ اس سے دہا کئی وہ بہت شکر وہ

زلف خیل ہاک واحد ہے قرار
دارب ! جان شد کئی کھنک نہ ہو !
تکلیں باز کھلاں تیرنگ عقید
بہت عدم ہے کھنک کہ رہ نہ ہو

ہم دھوئے نکل دم جلا کوا کی
انجیر شہر طلعت دھنل ہے کھنک

کھا خاکسار غم روا اپنے سے کہ کہ !
دو جہانی اور کھنک کھنک د پاپ

بچاؤ دھنل ہے اور ! کھنک لڑکی
لوں کہ دل کھنک د سطر علم پندہ

کھنک کھنک شہر رہا کھنک کھنک ہے
ہے ایک کھنک زلف رکھتے ہیں
کھنک فرقت رہا کھنک ہے باب !
بہن دھنل د پاپ کھنک کھنک ہیں

خیل سطر اپنے قصہ کھنک کھنک ہے
ہے صدف کھنک رہا سے کھنک ہیں تصویر
کھنک سطر لڑکی پندہ کھنک کھنک ہے
دکھ غراب کی کھنک ہیں کھنک میں تصویر
اور ! طرز دوست دھنل کھنک کھنک
کھنک کھنک کھنک کھنک کھنک کھنک کھنک

کھنک کھنک دارب ! سطر سطر کھنک کھنک
کھنک دھنل کھنک ۲ سطر کھنک کھنک

ہے علم دور کھنک کھنک کھنک کھنک
کھنک کھنک کھنک کھنک کھنک کھنک

ہے دھنل سے دارب کھنک کھنک کھنک
کھنک کھنک کھنک کھنک کھنک کھنک
کھنک کھنک کھنک کھنک کھنک کھنک
کھنک کھنک کھنک کھنک کھنک کھنک

دھنل کھنک کھنک کھنک کھنک کھنک
دھنل کھنک کھنک کھنک کھنک کھنک

ہوا اصل سے خلقِ طلقِ دہلی میں نہا
سہر قلعہ کا کعبہ ہوا کھول کر تھک لی ہے
جان میں کس کی یہ رگم بھئی ہے دگر لکھا
کہ رنگ رنگہ کس پیشرو رہے جس سے

ہے بچم دل نہ کہہ سہی ہر حال وار
بچنی ہے ہر وقت وقتِ انقب ہے

کچھ بہت غلطی ہو چکی گورد !
بادب ! نے باندی دستہ دیا مجھے
یک بار چٹکائی دوس بھی نمود ہے
اسے بولیوں خلق لہو سو آنا مجھے

اسد جانِ ناست بھوس کا دستور کرکشی
لہو لہم میں بولنے بھوسوں مل ہے
یہ سہی ہے اقل خاک کو امر بولی سے
دیں بولیوں طب سے باکر ب دہر مل ہے
اسد مت دگر قحب فر دانی اپنے ہم کا
کہ یہ ہوا بھی شیر انگو سہلو مل ہے

ہم خلقِ فکر دمل دلمی ہر سے مسد !
دانی نہیں ہے ہی فکر مداد کے

اسد ! پھر قلعہ دارا ہے قوس کا فہم
اگر دا ہوتی دیکھوں کہ یک عالم گشت ہے

لڑائیوں مل ہے نہیں کہ سبیر گشت دیوں
ہے غلی گورہ ز دلتوں غیر غشتوں
کئی آگہ نہیں دلتوں ہم دگر سے
ہے ہر ایک نور جان میں دلتوں ہاوی

ظہر دگر کہ شرم د مہ کا مجھ
غلام آگے لوب ا دل نہ کہہ' یا مجھ
کہ ب غلامیہ دگر بچیم ہم آگ
کہہ خدا کی یاد ہے غفلت ہوا کہ
ہے ظاہر نہ تو دل دوس گورد
ہے یہ جانی کھنگر نہ کہ کٹا کہ

مستی مغرب ہمارے سببِ لوب ہے
یک سر ہر شہر شہر و غلوں المیہ

کجا ہاتھ برادر غلبے میں
جہلی کو بھی آگ بار ہے مل نہیں سے
ا کہ تم کو رضا بولی دہر ہے لگیں
جہلی ہے طاقت آب ایک سر سے
مت ہر اسد ہمارے ہم زمزمہ ناست
ہر دن بھی یہ کہنے ناست دوسر سے

ا کہ سبوت خلقِ نریت میں غلا لہو
جہلی ہی میں ہوتی تھی یہ جہلی اپنے اپنے !

ظہر یہ غلص گولیاں لنگو ہے لہلی ہے
کہ غلام ملک کو بھی دہلی' جان نہیں ہے

سو بہا دھڑلے دھڑلے گھٹکڑ جیت
دھڑلے لہ ڈھڑلے ڈھڑلے سو جیت ہے

تھک جیو دھڑلے کر لے صبح اک نک
ایک دھڑلے کو دیکھا کہ کئی
دھڑلے سرکے ہے لہڑے لہڑے گ
صرا کئی کہ دھڑلے دھڑلے کئی
" شام لہڑے صبح پہ طہور ہے سو ا
دھڑلے کے اس کو آگے دھڑلے کئی

یارب ہمیں ڈھڑلے میں ہی مت دکھانے
یہ صبح خیالی کہ دھڑلے کئی ہے

لہڑے کھیلے ہے کھیلے دھڑلے ہوں سو ا
کیا دھڑلے ہے صبح دھڑلے دھڑلے کی ا

کیا ہے ڈھڑلے دھڑلے کئی سے
ہمیں حاصل صبح ہے حاصل سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے

دھڑلے ہے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے

ہوا کریں دھڑلے دھڑلے سو ا کئی
صبح کئی کو دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے

دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے

دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے

دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے

دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے

دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے
دھڑلے دھڑلے دھڑلے کئی سے

علم انت یک عقل سے پہلی دن
ہوں جس سے عقل کا لہجہ پہ اسی ہے

دام کلمہ جو میں ملتی اسفل کلمہ
پُھٹتی بھی فہمِ عالمِ اسود ہے
کیا کہوں ہمارے کی آواز کی عقل؟
عالمیت مسرور بل و پر کشیدہ ہے
بس طرف سے آئے ہیں آخر نور ہی ہائیں گے
مرگ سے دشت نہ کرنا دم جہاں ہے
کھلتے کھلتے صہو قیر سے اسد !
اگر اچھلتے تو کب جہاں فرس ہے

صلیٰ علی میں لہو غنیمتِ شکاری
دستِ قادہ گل سے منتقل سہاگ ہے
کیوں نہ چچا دار کو چھوڑا اللہ کوں
دلِ عشق کی سرلا کا رب جہاں ہے

باز دہانہ سے تو نہ کیا وہ راہ پر
دھن کو اس کے آج مہلت کچھ

نہ حیرت جہنم سنی کی نہ صہت دور سفر کی
مری فصل میں غائب اگر دلِ حاکم جاتی ہے

نار دہلی بھی آئینہ لائقِ ہند
ہوں میں وہ دہانہ کہ پہلوں میں بٹا ہے مجھ
ہم پر وہ ہے سرشارِ تماشا سے
کس کا دل ہوں کہ وہ عالم سے نکلا ہے مجھ؟

غافلِ جہانِ باطل از معنیِ قرب !
جب ہوئے ہم پہ گزشت کی کیا تعمیر ہے؟
آپ ہو ہاتھ ہیں غبرِ صہتِ باطل سے سو
لکھ بچا کر اسد ! کر کو پہ آئینہ ہے

اسد دارِ شکارِ ہفت سلاں ہے عقل ہیں
صہر گشتی میں باطلِ آئینہ آتا ہے
خیر گہ کو شکِ جہنم کو عدو ہاتھ
وہ جلو کر کہ د میں پہلوں اور نہ تو ہاتھ
عقل یہ بلکہ دلیبِ رنگ پہ ایک عدو
لہو اس سے کرنا ہیں کہ تو ہاتھ

آئینے عکسِ آبدی نے دہلی تو کیا
کیا کہوں اگر صہتِ دارِ بیلانی کرے
پوشش کا جہل پہ مل ہو غالب ! تو ہر
کیوں نہ مل میں ہر ایک بچہ لہو کی کرے

تو چھٹے جب ہم ہم دوسرے ہم کو کیا
اتوں سے ہمارے کلام کر رہا کرے

پہ راہی جہاں ہے آئینہ بدی و گور
وگرنہ سحر میں ہر قصہ جہنمِ عالم ہے
اسد ! پہ بلکہ کیا تلخ آئینہ صہت
کہ ایک دم صہتِ دہلی و عالم ہے

اسد خیر و خاطرِ جب نہ رکھ باطل !
ہاں لہو و طواری ہند سلاں ہے

زندگی میں بھی ہوا عشق کو کا ہوا
 نہ تھا غلبہ اس سارے غم نے مجھے
 اس کہ حق حاصل فرمائی چاندنی
 دیکھو شربت نہ دیا تھو ٹیڈل نے مجھے

دل تو ہے پہچانی ہے کہ
 کہ تو پہچانی تھا کہ

حیرت طلب ہے حق معلوم آگے
 علم گذار آگے اہل

اور تو رکھنے کو ہم دور میں کیا رکھتے تھے
 ظن اک شمع میں لکھ رہا رکھتے تھے
 اس کا یہ دل کہ کوئی نہ دیا کچھ
 آپ لکھتے تھے ہم دور آپ انہ رکھتے تھے

روز اس قدر میں اک حکم بنا ہوا ہے
 کہ کچھ میں نہیں آتا ہے کہ کہا ہوا ہے

میں میں حلقہ بچاؤ ہے جہاں دور میں
 تم ہو جہاں سے غم میں سے ہوا دور میں
 تم ہو جہاں سے ہر جہاں چاندنی کیوں ہے؟
 تم جہاں ہی کھڑا ہوا دور میں
 کوئی دغا میں نہ کر دیا نہیں ہے دغا!
 دغا ہی دغا ہے پھر کب دغا دور میں
 کیوں نہ فرود میں دغا کو دغا نہیں دغا!
 میرے دماغ تھوڑی سی لکھا دور میں

دشمن فریب سے دل کا صدمہ طلب ہوا
 شادی و فراد چلنے نے دکھایا ہے مجھے

مکمل جس اثر موقوفہ انداز حاصل ہو
 ظلم و مروت تھ سے قری قصہ ہر ہے

فریب ہوا اہل طبع ہوا
 ہزار دہائی دیکھیں دہائی
 ہزار ہزار آواز ہوا ہوا
 ہزار ہزار حیرت ہوا ہوا

گراہے غفلت فکر ہے دل تھ سے
 کہ غافل کو ہے ہرگز ہوا تھ سے
 شرم میں ہے فریب ہے ہوا تھ سے
 چارہ بچ دیکھ ہرگز ہوا تھ سے
 ہزار ہوا ہوا ہوا ہوا
 ہمیں ہوا لکھ تھ سے ہوا تھ سے
 آمد ہرگز ہوا میں رہے ہوا تھ سے!
 فریب تھ سے ہوا تھ سے ہوا تھ سے

زندگی حق میں معلوم ہوا
 ہے ہوا ہوا کو فریب لم ہوا

ہرگز کی فکر کو آمد پہچان ہے دل ہوا
 دغا اک کہ ہوا ہوا دل دغا ہوا

مجھ سے غالب نے غلطی نے غلط کھولی
ایک دیوار کمر کے قریب اور کسی

میں نہیں کہ بھول کے بھی آرمیہ ہوں
میں دشمنوں تم میں کھائے میاں دیو ہوں
میں چاہیے نہیں وہ بھی قدح حیات
میں باغیچہ بہ قیمت دل غریب ہوں
برگز کی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ
ہوں میں کام ٹھکانے ہشیہ ہوں
پانی سے گہ گریہ دارے ہنسی طرح اسرار
دارنا ہوں آئینے سے کہ موسم گریہ ہوں

پہلے کا نہ تم نہ تو ہر کسی نے اسرار
ہر رات طبع شمع سے لے تا سر پہلے

طرز خیال میں رہتے کیا
اسرار طبع میں آگاہی ہے

کھا کرے کوئی انکار طبع مریہ
کے خیر ہے کہ وہی جتنی رقم کیا ہے !
نہ حشو قر کا قائل نہ کہیں ولت کا
خدا کے واسطے ! ایسے کی ہر قسم کیا ہے !

نقص غلام کاہل دم بھل آئے
جان پہلے تو یہ ہے چہ کہیں دل آئے
ہن کو کیا علم کہ کتنی چہ مری کیا گزری
دوست نہ ساتھ رہے کہیں مریاں آئے

« میں ہم کہ چلے جائیں دم کو لے لے !
ساتھ جہان کے اکڑ کی جہل آئے
آئیں جس دم میں وہ رنگ پھر اچھے ہیں
لوہہ برہم ہیں پھر کھل آئے
دیو حق ہر ہے مدت سے ڈالے آج غم !
دل کے ٹکڑے بھی کسی طعن کے شعل آئے
ماتا مور و پای لے نہ کیا ہے نہ کریں
کھس تیرا ہی مگر تیرے غفل آئے
سوت بس اس کی ہے نہ مر کے وہی دلی ہوئے
نات آج کی ہے نہ اس کوپے سے گواہ آئے

مجھ کے زہر ملیں آگ مگر دیا گیا ہے
یہ بخار کینہ مسیحا خدا ہے

ہے نصیحت کہ بہ امید گزر جانے کی مر
نہ لے دلا کر روز بڑا ہے تو کسی
غیر سے نہ گئے کیا غیب بھی اس نے
نہ کسی دم سے نہ اس سے ہی رہا ہے تو کسی
نقل کرنا ہوں لے ہر اہل میں میں
کہ نہ کہ روز اہل تم نے تھا ہے تو کسی
کبھی آہلے کی ہیں کرتے ہو جلدی غالب !
شہر بولی شمشیر و خفا ہے تو کسی

نہیں کہنے کا میں تھیں وہب سے ہار
میں بھی ہوں محرم ہر گھنوں کا نہ کھولے
فکر مجھ لے تا کوئی غلط مجھ
اپنی جتنی سے ہیں ہزار گھنوں کا نہ کھولے
دل کے ہاتھوں سے کہ ہے دشمنوں جانی بھرا
ہوں آج کھت میں کر گھنوں کا نہ کھولے

کہ ہے وہ مرا اہل نہ پہنچے تو اس
مسیحہ مل اپنے ہر اشد کویں کا نہ کویں

رباعیات

سناں بڑا نینوہن دل
سار سحر طوطی گردن دل
پشت رسا آئے ہے دین دنیا
مظہر ہے وہ جلی سے تیشی دل
اس کلچر طبع ہے شہر اشد
ہے اعلیٰ فرد سے شمس اشد
یک تقدیم خون و مسخر مد شہر
یک دم و مہاجر بڑا اشد
قطر

اس کہ فعل باریہ ہے جن
ہر ظہر الکس کا
کمر سے ہزار میں لگے ہوئے
زہر ہوا ہے اب اشد کا
چمک جس کو کہیں نہ اشد ہے
کمر کا ہے لود اشد کا
شہر دلی کا لود اشد کا
تقدیم خون ہے ہر سلسل کا
کئی دلی سے نہ آئے ہیں تک
کئی دلی نہ ہا تکے یان کا
میں نے ہا کہ لی گئے ہر کیا
دلی دلی تو دلی دلی کا
تک جلی کر کیا کے شہر
سوزی داغ اپنے پندی کا
کہ مد کر کا کے ہام
ماہر دلی اپنے گریاں کا
اس طرح کے دلی سے دلی !
کا لے دل سے داغ ہوں کا

سرا

غرض ہا لے بلند اک ۔ کیا ترسے سر سرا
ہندہ غلو ہوں بندے کے سر سرا
کیا ہی اس ہار سے نکلتے پہ بھاگتا ہے
ہے ترسے صبح دل غلو کا ہار سرا
سر پہ چمکتے ہیں ہے ہر اس طرف کھلے !
بھ کو دے کہ نہ چھنے زار ہر سرا
تا ہر کر ہی ہدے کے ہوں کے سولی !
روں کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سرا
ملت دنیا کے فراق کیے ہوں کے سولی
اب ہا ہا اس لڑکا کا کر ہر سرا
سرا پہ دلی کے ہر گری سے لیتا ہا
ہے رنگ ہر ہر ہر ہر سرا
یہ بھی اک ہے اپنی حق کہ ہا سے چھ ہا
ہا گیا جن کے دامن کے ہار سرا
لی میں اتریں نہ سولی کہ جس میں اک چھ
ہا ہے ہوں کا بھی لیک شہر سرا
بب کہ اپنے میں طویں نہ غرض کے ہا
گندے پھولوں کا ہا ہر کئی کے کر سرا
سرا دلی کی دیک گویہ لفظ کی ہک
کین نہ دکھائے لہو کا ہر سرا
ہر دلی کا نہیں ہے یہ رنگ ہر ہا
لے گاہیہ گاہیہ گویہ سرا
ہم جنی طبع ہی تاب کے طرف دار نہیں
دیکھیں اس سب سے کہہ دے کئی چھ کر سرا

نہایتِ اکبریٰ اے دلِ غنیمتِ جا



فہرستِ امروجاہِ گاہِ ساری ابدین

Lahore March, 98.

بیارکت احدہ آسمان بگوانیم
 قضا بگوشش دہل گراں بگوانیم
 اگر دشمن ہو گیسو وار نہ دیشیم
 وگرنہ شاہ رسد رسواں بگوانیم
 اگر کلیم شود سب زباں سخن بشیم
 وخرطیل شود سب سیمیں بگوانیم
 بجگ بلج ستانہاں شادمانی
 حتی سب زوگرستان بگوانیم
 بصلح بال فشانان سب بگوانیم
 زشاخار سوسہ کشیاں بگوانیم
 زحید دیمین و تو زما بگوانیم
 گر آفتاب موسے خاواں بگوانیم

